قرآن میں ذکرِ عیسیٰؑ

ابراہیم عبداللہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

تمام تعریفیں اللہ کے لیے جس نے

اپنی رحمت، توفیق، ہدایت اور عنایت

کے ساتھ مصنف کو یہ کتاب لکھنے کی

توفیق عطا فرمائی

فہرست

تعارف---------------------------------------7

سورۃ2میں ذکرِعیسیٰ--11

سورۃ3میں ذکرِعیسیٰ--14

سورۃ4میں ذکرِعیسیٰ--33

سورۃ5میں ذکرِعیسیٰ--57

سورۃ6میں ذکرِعیسیٰ--92

سورۃ7میں ذکرِعیسیٰ--96

سورۃ9میں ذکرِعیسیٰ--97

سورۃ19میں ذکرِعیسیٰ--111

سورۃ21میں ذکرِعیسیٰ--135

سورۃ33میں ذکرِعیسیٰ--153

سورۃ42میں ذکرِعیسیٰ--157

سورۃ43میں ذکرِعیسیٰ--161

سورۃ 57 میں ذکرِ عیسیٰ -- 200

سورۃ 61 میں ذکرِ عیسیٰ -- 209

ضمنی حصہ 1: عیسیٰؑ کی موت پر اضافی نوٹ -- 229

ضمنی حصہ 2: انجیل کے بگاڑے جانے کے الزام پر -- 233

ضمنی حصہ 3: عیسیٰؑ روح اللہ -- 247

ضمنی حصہ 4: عیسیٰؑ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم -- 249

ضمنی حصہ 5: سورۃ التوبہ کا مطالعہ -- 251

قرآن میں عیسیٰؑ کے متعلق تعلیمات کو پڑھ کر ملنے والا تاثر، مفکرین اور تشریح کرنے والوں کی ان تعلیمات سے متعلق منفی لہجے سے نہایت مختلف ہے۔ان مفکرین کی تعلیمات کو پڑھ کر اس نتیجے سے بچنا مشکل ہے کہ وہ تعصب پسند ہیں، جو کہ خود قرآن میں نہیں پایا جاتا۔ان کا لہجہ اکثر منفی ہوتا ہے۔ بعض اوقات وہ بغض کے باوجود عیسیٰؑ کو اہمیت کے بعض حصوں کو تسلیم کر لیں، (مثلاً وہ نبی ہیں اور انہوں نے معجزے دکھائے وغیرہ وغیرہ) کیونکہ وہ قرآن میں لکھے ہوئے ہیں، تو بھی وہ فوراً ان کی اہمیت کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں یا اس کو رد کرتے ہیں۔اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، قرآن سے اختلاف رکھتا ہے۔

ایسا کیوں ہے؟اس سب کی جڑ عیسائیوں کے خلاف اسلام میں موجود منفی رویہ اور عداوت ہے۔(بلاشبہ مسلمانوں کے لیے عیسائیوں میں بھی عداوت اور منفی رویہ موجود ہے۔)

یہ درست ہے کہ عیسائیوں نے خود اس عداوت اور بغض کو جنم دیا ہے، خاص طور پر صلیبی جنگوں کے وقت سے۔ لیکن یہ خود عیسیٰؑ کے لیے منفی رویے کی اجازت نہیں دیتا۔آپؑ کبھی ان شرمناک اعمال کی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔ یہاں ایک اور اہم اصول داؤ پر ہے: کیا کسی کے اصولوں اور تعصب پر مبنی قرآنی تشریح، جو کہ قرآن کی روح کے مطابق نہیں، کو درست سمجھا جا سکتا ہے؟

ایسا کر کے کیا اللہ کی وحی کی مخالفت نہیں کی جائے گی؟اور اس کے پیغام کو رد کر کے اس کی منشاء کے مخالف عمل نہیں ہو گا؟

کیا یہ مسلمان (جسکا لفظی معنی اللہ کے سامنے جھکنا ہے) ہونے کی روح سے متضاد نہیں ؟اس مثال میں یہ اللہ کے، آپ ﷺ کے ذریعے دیے گئے عیسیٰ ؑ کے متعلق پیغام، کو جھٹلا کر اس کی منشاء سے انکار ہے۔ کیا ہم اللہ کے پیغام کو ہمارے اصولوں یا جذبات سے مطابقت نہ رکھنے پر، جھٹلا سکتے ہیں؟ یا ہمیں اس کے پیغام کو، جو اسکی منشاء کا اظہار ہے، قبول کرنا چاہیے۔ اگرچہ وہ ہمارے جذبات کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔

اگر ہم قرآن کے پیغام کو، چاہے وہ عیسیٰ ؑ کے متعلق ہو یا نہیں، جھٹلائیں تو کیا ہم اللہ کو جس نے پیغام دیا نہیں جھٹلائیں گے ؟اور ہم یہ ثبوت دیں گے کہ ہم سچے مسلمان نہیں اگرچہ ہم اعلان مسلمان ہونے کا ہی کریں۔

کیا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ نے عیسیٰ ؑ کے متعلق اہم چیزیں بیان کی ہیں اور ہم ان کو سننا نہیں چاہتے۔ لیکن کیا اللہ کی نازل کی گئی کوئی بات غیر اہم ہو سکتی ہے ؟اگر نہیں تو کیا ہمیں اللہ کی نازل کی گئی تعلیمات کو دھیان سے نہیں سننا چاہیے ؟

ہمیں اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ ہمیں خدا کی طرف سے عطا کیے گئے دماغ کو استعمال کر کے چیزوں کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اہم معاملات میں اس نصیحت پر دھیان رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اس کتاب میں ہم اسی بات کو زیرِ غور لاتے ہوئے قرآنی تعلیمات کے اہم حصے، یعنی قرآن میں عیسیٰ ؑ کے متعلق تعلیمات کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ آپ ؑ کے متعلق تعلیمات کی روشنی میں (ان میں کچھ نئے عہد نامے میں نہیں پائی جاتی) یہ سوال اٹھتا ہے کہ ان تعلیمات کی آج کل کے عالموں کی طرف سے اہمیت کم کرنے کی کوشش کیوں کی جاتی ہے ؟

دی ہولی قرآن بائے اے۔ یوسف علی اور ان کی طرف حاشیہ میں تشریح کو اسی رجحان کو بیان کرنے کے لیے استعمال کیا جائے گا کیونکہ ان کی کتابوں کو مسلمان عالموں میں اکثر استعمال کیا جاتا ہے۔

دی ہولی قرآن، عبداللہ یوسف علی کی طرف سے ترجمہ و تشریح، نظر ثانی پر سیڈنسی آف اسلامک ریسرچز
آئی۔ایف۔آئی۔اے کال اینڈ گائیڈنس کی طرف سے کی گئی ہے۔شاہی فرمان بتاریخ405۔10۔27 کے مطابق یہ
تشریح مدینہ میں کنگ فہد ہولی کمپلیکس میں شائع کی گئی ہے۔

مثلاً جیسس کرائسٹ اینڈ میری ان دی نوبل قرآن، (کال ٹو یونیٹ پبلیکیشن، استنبول، ترکی، 2003) پوری کتاب میں ان کا حوالہ دیا گیا ہے۔

زیر مطالعہ کتاب کسی اصول میں تبدیلی کے لیے نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد، پہلے سے تعمیر شدہ خیالات اور تعصب کے بغیر قرآن میں اللہ کے پیغام کو سمجھنا ہے۔ اس کتاب میں ان سوالوں کا ذکر ہے جو جواب طلب ہیں۔

ہر مسلمان کو نہ صرف معلوم ہونا چاہیے، بلکہ یہ اسکا حق ہے کہ اسے قرآن میں آپ ﷺ کے ذریعے عیسیٰ ؑ کے متعلق عطا کی گئی تعلیمات کا علم ہو۔ کیونکہ عیسیٰ ؑ کی اس دنیا میں اہمیت پر کوئی شک نہیں، لیکن اس سے زیادہ اہمیت ہر مسلمان اور عیسائی کے لیے ان تعلیمات کا معلوم ہونا ہے۔

قرآن یہ اعلان کرتا ہے کہ عیسائیوں کی عیسیٰ ؑ پر اجاداری نہیں۔ اور اگر ان کی اجاداری تھی بھی تو وہ اب اسلام کے بعد نہیں رہی۔ قرآن میں دیکھا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عیسیٰ ؑ سے متعلق تعلیمات کا اہم مقصد، عیسائیوں کی طرف سے سچ کے بگاڑے جانے سے حفاظت اور عیسیٰ ؑ کے متعلق سچ کا اعلان کرنا ہے۔ خاص طور پر اسلام سے تین یا چار صدیوں پہلے۔ کیا ہم اپنی عداوت کی بناء پر، اگرچہ وہ عداوت جائز ہی ہو، اللہ کی دی گئی تعلیمات کو بگاڑ سکتے ہیں یا ان سے انکار کر سکتے ہیں؟ کیا ہمیں کس تعصب کو اللہ کی وحی اندھا کر دینے کی اجازت دے دینی چاہیے؟ کیا یہ ممکن ہے قرآن ایسے عیسیٰ ؑ کو بیان کرتا ہے جو عیسائیوں کے عیسیٰ ؑ سے بلند تر ہے؟ اگر ایسا ہے تو کیا ہم اس کو صرف ان عیسائیوں کی وجہ سے رد کر سکتے ہیں جن پر عیسیٰ ؑ اور ان کی تعلیمات کو نہ ماننے کا الزام لگایا جا سکتا ہے، کیونکہ ان کی عیسائیت صرف نام ہی کی ہے۔

[2] کسی حد تک یہی کتاب، زیرِ مطالعہ کتاب کی اشاعت کا باعث بنی۔

کیا یہ درست نہیں ہے کہ مغربی ممالک میں "عیسیٰؑ"اور "مسیح" کے ناموں کو گالی کے الفاظ کے ساتھ ملا کر استعمال کیا جاتا ہے؟اگر ہم قرآن میں عیسیٰؑ کے متعلق تعلیمات کو رِد کر دیں تو کیا ہم بھی بالکل وہی نہ کریں گے جو آج کل عیسائی کر رہے ہیں؟تب اللہ کے سامنے کیا ہم ان سے بہتر ہوں گے؟

قرآن میں عیسیٰؑ کے متعلق حوالہ جات کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے (اگرچہ بہت کم بھی نہیں ہے)۔ لیکن یہ ان حوالوں کی گہرائی ہے نہ کہ ان کی تعداد جو ان کو اتنا اہم بناتی ہے۔ قرآن میں آپؑ کے متعلق ایسے بیانات ہیں جو کسی اور شخص کے لیے نہیں، پس وہ ان کو بے مثال بناتے ہیں۔ ان حوالہ جات کی اہمیت کو ارادی طور پر کم کرنا، قرآن میں ان کے بیان کرنے کی وجوہات کے مخالف ہے۔ اور کیا یہ اللہ کی نافرمانی نہیں؟اپنے تعصب کے باوجود، عیسیٰؑ کے متعلق بیانات کو عاجزی سے تسلیم کرنا ہی ہمارا مقصد نہیں ہونا چاہیے؟اس سب سے اللہ کا مقصد کیا ہے؟وہ ہمیں کیا بتانا چاہتا ہے؟

قرآن میں عیسیٰؑ کے متعلق کیا کہا گیا ہے؟

اِدھر اُدھر پھرنے کی بجائے ہم قرآن میں آپؑ کے تذکرے کو ترتیب کے ساتھ مطالعہ کریں گے، اور ہم ہر مرتبہ اہم چیزیں سیکھ سکتے ہیں۔ کیونکہ ہم عیسیٰؑ کی سوانح عمری ترتیب نہیں دے رہیں تو ہمیں کسی ترتیب (یعنی انکی پیدائش، زندگی اور موت) کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارا مقصد ان کی روحانی اہمیت کو بیان کرنا ہے نہ کہ ان کی جسمانی یا تاریخی تفصیلات۔

سورہ 2 میں عیسیٰؑ کا ذکر

2:62 جو لوگ مسلمان ہیں یا یہودی یا عیسائی یا ستارہ پرست، (یعنی کوئی شخص کسی قوم و مذہب کا ہو) جو خدا اور روز قیامت پر ایمان لائے گا، اور نیک عمل کرے گا، تو ایسے لوگوں کو ان (کے اعمال) کا صلہ خدا کے ہاں ملے گا اور (قیامت کے دن) ان کو نہ کسی طرح کا خوف ہو گا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے۔

اس آیت میں بالکل واضح ہے کہ ہر اس شخص کو جو قیامت اور اللہ پر ایمان لاتا ہے، کو اسکے رب کی طرف سے صلہ نہ دیا جائے گا بلکہ صرف ان ایمان والوں کو نوازا جائے گا جنھوں نے نیک اعمال کیے۔ عیسائیوں کے معاملے میں، صرف عیسیٰؑ کے سچے پیروکاروں کو صلہ ملے گا۔

2:87 اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی اور ان کے پیچھے یکے بعد دیگرے پیغمبر بھیجتے رہے اور عیسیٰ بن مریم کو کھلے نشانات بخشے اور روح القدس (یعنی جبرئیل) سے ان کو مدد دی۔ تو جب کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسی باتیں لے کر آئے، جن کو تمہارا جی نہیں چاہتا تھا، تو تم سرکش ہو جاتے رہے، اور ایک گروہ (انبیاء) کو تو جھٹلاتے رہے اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔

یہاں اللہ کی طرف سے بھیجے گئے پیغمبروں میں سے صرف عیسیٰؑ کا نام لے کر ذکر کیا گیا ہے۔ عیسیٰؑ کے اس حوالے کے بعد فوراً سوال، یہ بتاتا ہے کہ وہ ایسے پیغمبر تھے " جن کو تمہارا جی نہیں چاہتا تھا" کیونکہ " تو تم سرکش ہو جاتے رہے"۔ وہ انبیاء جن کی پیروی مطلوب نہیں تھی ان کو جھوٹا کہا گیا۔ اور جھوٹے لوگوں سے نمٹنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ کیا یہ ایک اشارہ ہے، بلکہ اشارے سے بھی زیادہ ہے، کہ عیسیٰؑ کو قتل کیا گیا؟

یہ ایک مشکل سوال ہے اور ہم اس سوال پر مزید غور کریں گے جب ہم متعلقہ آیات کا مطالعہ کریں گے۔اللہ نے عیسیٰؑ کی روح المقدس سے مدد کیوں فرمائی اور ان کو واضع نشانیاں کیوں عطا فرمائیں؟ہم بعد میں اس سوال کا جائزہ بھی لیں گے۔

2:253(الف) یہ پیغمبر (جو ہم وقتاً فوقتاً بھیجتے رہیں ہیں)ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ بعض ایسے ہیں جن سے خدا نے گفتگو فرمائی اور بعض کے (دوسرے امور میں) مرتبے بلند کئے۔ اور عیسیٰ بن مریم کو ہم نے کھلی ہوئی نشانیاں عطا کیں اور روح القدس سے ان کو مدد دی۔

گو کہ سارے رسول برابر ہی ہیں اس لحاظ سے کہ ہر کسی نے اللہ کی انشا کی ہی تبلیغ کی، اور سچے مسلمانوں نے اس کی انشا کو تسلیم کیا چاہے کوئی بھی رسول اس کا پیغام لے کر آیا ہو (دیکھیے ۱۳۶ : ۲)، بااین حال سب انبیا ؑ کو یکساں نہیں نوازا گیا۔ بعض کو بعض پر فضیلت ہے۔ اور عزت کے مراتب بھی مختلف ہیں۔ اسی کو مد نظر رکھتے ہوئے، پھر سے صرف عیسیٰ ؑ کا ہی ذکر ہے، اور یہ بھی تصدیق شدہ ہے کہ اللہ نے ان کو واضح اشارات دیے اور ان کو روح مقدس سے تقویت بخشی۔

یہ واضح اشارات کیا ہیں؟ کیا کوئی اشارہ قابل رویت پیغام نہیں ہوتا جو کہ منطوق پیغام سے اس لحاظ سے ممتاز ہوتا ہے کیونکہ وہ سنا جاتا ہے دیکھا نہیں جاتا؟ کیا یہ ان معجزاتی اعمال کی طرف اشارہ نہیں ہے جو عیسیٰ ؑ نے انجام دیے جیسا کہ قرآن میں ذکر ہے؟ کیا یہ معجزاتی اعمال روح مقدس نے کیے جو اللہ نے ان کو دی تھی، جیسا کہ مندرجہ بالا آیات میں درج ہے؟ یہی آیت کچھ اس طرح جاری ہے:

2:253(ب) اور اگر خدا چاہتا تو ان سے پچھلے لوگ اپنے پاس کھلی نشانیاں آنے کے بعد آپس میں نہ لڑتے لیکن انہوں نے اختلاف کیا تو ان میں سے بعض تو ایمان لے آئے اور بعض کافر ہی رہے۔ اور اگر خدا چاہتا تو یہ لوگ باہم جنگ وقتال نہ کرتے۔ لیکن خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

یہاں روشن نشانیاں یقینی طور پر انہیں نشانیوں کو طرف اشارہ ہے جو گزرے ہوئے جملے میں بیان ہوئیں، یعنی، وہ نشانیاں جو کہ عیسیٰ ؑ کو اللہ نے دیں۔

اس کے باوجود عوام الناس جھگڑا کرنا پسند کرتے ہیں یہاں تک کہ لڑائی تک پہنچ جاتے ہیں، جن میں سے کچھ ان نشانیوں کو مانتے ہیں اور کچھ نہیں مانتے۔ پس اگرچہ کھلی نشانیاں دی گئی ہیں، عیسیٰؑ ایک متنازعہ شخصیت بن گئے ہیں۔ اور اس نتیجے کی اجازت اللہ نے دی ہوئی ہے کیونکہ اسی سے وہ اپنا منصوبہ مکمل کرتا ہے، تو کیا ایمان والے اور انکاری ممتاز نہیں ہو گئے؟

سورہ 3 میں ذکرِ عیسیٰ

وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب فرشتوں نے (مریم سے کہا) کہ مریم خدا تم کو اپنی طرف سے ایک فیض کی) بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح (اور مشہور) عیسیٰ ابن مریم ہوگا (اور) جو دنیا اور آخرت میں باآبرو اور (خدا کے) خاصوں میں سے ہوگا۔

مسیح عیسیٰ کے نام پر یوسف علی تشریح کرتے ہیں مسیح: یونانی، کرائسٹوس۔۔۔ ممسوح: بادشاہ اور پادری مسح کیے جاتے تھے اپنی نشست سے وفاداری ظاہر کرنے کے لیے۔ عبرانی اور عربی لفظ مسیح ہے۔ کیا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عیسیٰؑ نہ صرف رسول بلکہ بادشاہ اور پادری بھی تھے؟ لیکن یوں لگتا ہے کہ عیسیٰؑ کا یہ مرتبہ جان بوجھ کر ان کے نام میں چھپایا گیا ہے تاکہ اس کو بعد میں ظاہر کیا جائے یا صرف مخصوص لوگوں کو ہی ظاہر کروایا جائے۔ یہ ایک عام ہے کہ ان کی تین سالہ وزارت میں، عیسیٰؑ اعلانیہ پادری یا بادشاہ نہیں جانے جاتے تھے۔

یہ اہم ہے کہ عیسیٰؑ کا نام کسی انسان نے نہیں چنا، ان کی ماں نے بھی نہیں، بلکہ اللہ نے خود چنا تھا اور اس فرشتے نے اعلان کیا تھا جس کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ اتنا حیران کن نہیں ہے کہ یہ اللہ کی ہی رضا ہے کہ عیسیٰؑ کو اس جہان میں بھی اور آیندہ والے میں بھی عزت بخشی جائے۔ مزید اس کہ، عیسیٰؑ کو اللہ کے اقرباء میں گنا گیا ہے۔ 56:10-11 میں ارشاد ہوا ہے،

اور آگے والے تو پھر آگے والے ہی ہیں۔ وہ بلکل نزدیکی حاصل کیے ہوئے ہیں

لیکن سب سے اہم یہ ہے کہ مریمؑ کو یہ خوشخبری دی جاتی ہے کہ اللہ نے ان کو اپنے کلام سے نوازا۔اور اس کلام کا نام ہو گا عیسیٰؑ مسیح۔یہ واضح بیان ہوا ہے کہ عیسیٰؑ اللہ کا کلام ہیں۔اور یہ کلام دنیا میں اللہ کی طرف سے آیا ہے۔اسی بنیاد پر عیسیٰؑ اور خود قرآن نمایاں طور پر مشتبہ ہیں، جو کہ خود بھی اللہ سے لیا گیا کلام ہے یہ کلام اللہ ہے۔

علماء اس سوال پر لمبی بحث کر چکے ہیں کہ کیا قرآن دآئمی ہے یا یہ بھی اللہ کا تخلیق کردہ ہے؟ مذہبی ماہرین تقسیم ہیں اس سوال پر کہ کیا قرآن اللہ کی مخلوق ہے یا اللہ کے ساتھ دآئمی ہے۔ دو اہم نظریات معتزلہ اور اشعریوں کے ہیں:

معتزلہ کا مؤقف اس بارے میں کہ کلام اللہ، یہاں خصوصاً قرآن کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ، ایک حادثہ ہے (عراد، ارسطو کے معنوں میں (غیر ضروری صفت یا خوبی، جاگیر یا معیار، کسی چیز کا))؛ جیسا کہ ہر لفظ، تسلسلی منظم حروف سے مل کر بنتا ہے اور سننے میں بلکل منفرد اور واضح، جو کہ خدا ایک یا دوسری بدنی ہیئت میں تخلیق کرتا ہے۔ اور جب خدا کسی ایک مخصوص جسم میں کلام تخلیق کر چکا ہوتا ہے، تو پھر نتیجتاً یہی جسم بولنے کا وکیل بنتا ہے۔ لیکن تب وہ متکلم، وہ نہیں ہوتا کہ جس میں کلام مسکون ہوتا ہے، بلکہ وہ ہوتا ہے جو کلام بناتا ہے۔ قرآن 'بولتا' ہے، اس سیاہی کہ ذریعے جو اس کے الفاظ کو جسم دیتی ہے، اور اس سطح کے جس پر وہ لکھا جاتا ہے؛ یا پھر آوازوں کے صوتی اجسام کے ذریعے؛ اور یہ تمام حادثات ہیں۔ ان وجوہات کی بنا پر، قرآن کی الہامیت ختم ہو جاتی ہے۔[3]

یہاں یہ دلیل دی جاسکتی ہے کہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس کا پیغام لکھے ہوئے یا انسانی زبان سے بولے ہوئے 'حادثات' میں مجسم ہے؛ جیسا کہ لفظ بذات خود اللہ تعالیٰ میں نہیں رہتا (یعنی کہ اللہ کی دائمی صفات میں اشتراک نہیں کرتا) بلکہ اسے اللہ تخلیق کرتا ہے۔' لیکن سوال یہ ہے کہ، اگر قرآن، جو ہمارے پاس ہے، دآئمی نہیں بلکہ حادثاتی ہے تو پھر ہر زمانے میں اس کی پیروی کرنے کا حکم کیوں دیا ہے؟[4]

[3] دی ہیو من کنڈیشن ان اسلام بائے ایس۔ نعمان الحق صفحہ 167 آف دی ہیو من کنڈیشن: اے۔ والیوم ان دی کمپیر یٹیو ریلیجیس آئیڈ یاز پر وجیکٹ، ایڈٹ بائے رابرٹ کمنگز نیول، سٹیٹ یو نیور سٹی آف نیو یارک، 2001

' مخالف نظریے کے مسلم فقہا،اشعری، قرآنی تخلیق کے نظریے کو جھٹلاتے ہیں۔ لیکن اگر اشعری اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ کلام اللہ بھی اللہ کے ساتھ دآئمی ہے، تو وہیں وہ اپنے بچاؤ کے لیے ایسا طریقہ کار اپناتے ہیں جو انہیں یہ کہنے سے بچا لیتا ہے کہ قرآن کی طبیعاتی شکل، مکتوبہ ہو یا شفہی، دآئمی ہے؛ اور پس یہ ایک شرک ہو جائے گا۔ اسی لیے وہ ممتاز کر دیتے ہیں کلام کا یزدانی جوہر میں وجود کی حیثیت رکھنا، جو کہ غیر گفتار ہے، اور ایک جسدی وجود میں اس کے لفظی یا صوتی اظہار سے۔ جو سابق بیان کردہ ہے وہ اس لحاظ سے دائمی ہے کہ وہ الہامی صفات رکھتا ہے۔ جو کہ خدا کی وضع ہے، گو کہ اس کا اپنا جداگانہ معبودی مرتبہ نہیں ہے۔ جو بعد میں بیان کیا ہے وہ مخلوق بھی ہے حادثاتی بھی۔

اور قرآن کے غیر دائمی یا جسدی وجود کے بارے میں، جو راشد اسلامی روایات میں مستوی قرار داد ہے وہ یہ ہے کہ کتاب تاریخ میں خدا کے (آخری) پیغام کا اظہار ہے، اور گو کے اس کے مکتوبہ حروف اور اعلام کردہ اصوات دائمی اشیاء نہیں ہیں، اس کے باجود وہ جامد اور منفرد ہیں ایک دائمی ذات کے؛ کیونکہ بیشک خدا کا پیغام دائمی ہے، خدا کی صفت کی حیثیت سے۔[6]

---

[4] ایس نعمان الحق صفحہ 168 حق نے جو حوالہ دیا ہے وہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام نیو ایڈیشن، ایچ۔اے۔آر سے ہے۔

[5] شرک، "خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا" یا "اللہ کے علاوہ کسی کی خدائیت کو قبول کرنا۔ حق کی طرف سے تشریح کی گئی۔ (صفحہ 166)

[6] حق (صفحہ 168)

3:46 اور ماں کی گود میں اور بڑی عمر کا ہو کر (دونوں حالتوں میں) لوگوں سے (یکساں) گفتگو کرے گا اور نیکو کاروں میں ہو گا۔

مندرجہ بالا آیت کی تشریح میں یوسف علی لکھتے ہیں:

'عیسیٰؑ کی وزارت صرف تین سال تک رہی، ان کی 30 سے 33 سال کی عمر تک، جب ان کے دشمنوں کی نظر میں وہ مصلوب ہو گئے۔ لیکن انجیل (لوقا 2:46) ان کو ہیکل میں طبیبوں کے ساتھ بحث کرتے ہوئے بیان کرتی، جب ان کی عمر صرف 12 سال تھی، اور اس سے پہلے بھی، بچپن میں، وہ روحانی طور پر مضبوط تھے، حکمت سے بھرے ہوئے (لوقا 2:40)۔ چند مشکوک اناجیل ان کو بچپن سے ہی معلم بیان کرتی ہیں۔ (نوٹ 388)

3:47 مریم نے کہا پروردگار میرے ہاں بچہ کیونکر ہو گا کہ کسی انسان نے مجھے ہاتھ تک تو لگایا نہیں فرمایا کہ خدا اسی طرح جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو ارشاد فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔

مریمؑ، ام عیسیٰؑ، نے جو سوال اٹھایا وہ اس حقیقت سے متعلق ہے کہ وہ یہ نہیں سمجھ پا رہی تھیں کہ یہ کیسے ممکن ہے ان کے لیے کہ انہیں لڑکا ہو (جیسا کہ فرشتے نے اعلان کیا ۳:۴۵)، جب کہ کسی آدمی نے انہیں چھوا تک نہیں۔ ان کو جواب یہ دیا گیا کہ ان کا بچہ اللہ کی رضا سے پیدا کیا گیا، جو کہ اس کے قوی تخلیق کردہ کلام سے بنائے گئے منصوبے کا حصہ ہے، بس اب اس نے اس کلام کو کہنا ہے، اور دیکھو، وہ ہو بھی گیا۔ یہ سب سے پہلے انسان، آدمؑ کی تخلیق کی طرح ہے۔ آیت 3:59 میں ہم پڑھتے ہیں، ' اللہ کے نزدیک عیسیٰؑ کی مثال آدمؑ کی سی ہے کہ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا اور حکم دیا کہ ہو جا اور وہ ہو گیا۔' اس سے پتہ یہ چلا کہ عیسیٰؑ کو کافی مناسب مشابہت میں آدمؑ کے موازن کے نازل کیا گیا، جن

سے انسانیت وجود میں آئی۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ، اللہ کے منصوبے کے مطابق، عیسیٰؑ کا مقصد انسانیت کو ایک نیا (روحانی) آغاز فراہم کرنا ہے؟ ہم آگے چل کر اس کو بھی بیان کریں گے جب 3:59 کا ذکر آئے گا۔

جہاں آدمؑ اور عیسیٰؑ میں واضح مشابہت ہے اس لحاظ سے کہ دونوں ہی اللہ کی قدرت سے وجود میں آئے، وہیں ایک فرق بھی ہے جس کو ہلکے انداز میں نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ آدمؑ کے کوئی ماں باپ نہیں تھے کیونکہ انکو تخلیق کیا گیا تھا، نہ کہ جنا گیا تھا۔ جب کہ عیسیٰؑ کو جنا گیا تھا اور اس طرح سے نہیں تخلیق کیا تھا جیسا آدمؑ کو کیا تھا۔ قرآن ہمیں یہ بتاتا ہے کہ عیسیٰؑ ایسے نہیں جنے گئے تھے جیسے دیگر آدمی جنے جاتے ہیں، کیونکہ وہ بنا کسی انسانی باپ کے تھے جیسا کہ مریمؑ کے حیران کن اظہار تعجب میں واضح ہے، 'الٰہی مجھے لڑکا کیسے ہوگا؟ حالانکہ مجھے تو کسی انسان نے ہاتھ بھی نہیں لگایا' اسی وسیلے سے اللہ نے مریمؑ کو، انکے بیٹے عیسیٰؑ کے ساتھ، ایک نشانی بنا دیا، جیسا کہ ہم تلاوت کرتے ہیں 23:50 میں، 'اور ابن مریم اور اس کی ماں کو ہم نے ایک نشانی بنایا۔' اس پر یوسف علی تبصرہ کرتے ہیں کہ:

'عیسیٰؑ کی ولادت عذراء ان کے لیے بھی اور ان کی ماں کے لیے بھی معجزہ تھا۔ ان پر بد چلن ہونے کا جھوٹا الزام لگایا گیا، لیکن طفل عیسیٰؑ نے فاتحانہ انداز میں اپنے ہی معجزات سے اپنی ماں کی عزت رکھی (19:27-33)، اور اپنی زندگی سے دکھایا کہ ان کی ماں پر لگایا گیا بہتان کتنا خبیث ہے۔' (نوٹ 2906)

یہ حقیقت کہ عیسیٰؑ کی پیدائش کسی انسانی باپ کے وسیلے سے نہیں ہوئی بلکہ یہ خدا کی طاقت کا کرشمہ تھا، جو کہ 21:91 اور 66:12 میں پائی جاتی ہے۔ آخری آیت میں اللہ فرماتا ہے، 'پھر ہم نے اپنی طرف سے اس میں جان پھونک دی'، شاید یہی وجہ ہے کہ عیسائی 'ابن اللہ' کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں جب وہ عیسیٰؑ کی بات کرتے ہیں۔ لیکن یہ عنوان زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے جب یہ عیسائی تعلیمات میں مریمؑ کو 'خدا کی ماں' اور 'جنت کی ملکہ' قرار دے دیتے ہیں۔ ان تعلیمات کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اگر مریمؑ 'خدا کے بیٹے' کی ماں ہیں اور اگر 'خدا کا بیٹا' بھی خدا ہی ہے، تو یقینی طور پر وہ بھی خدا کی ماں ہیں۔ کیا یہ باپ (خدا)، مریمؑ اور عیسیٰؑ کی 'تثلیث' نہیں ہے؟ جب یہاں 'بیٹے' کے معنی انسانی جنسی

تعلق کے طور پر لیا جائے، تو پھر یہ حق کا کامل انحراف ہے۔ یہ یقیناً ایک سنجیدہ گناہ ہے کہ ایک حیران کن معجزے کو گھناؤنے انحراف کا شکار کر دیا جائے۔ قرآن نے احتیاطاً ان انحراف کا انکار کیا ہے، قرآن 17:111 میں کہتا ہے

اور یہ کہہ دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے نہ اپنی بادشاہت میں کسی کو شریک وساجھی رکھتا ہے اور نہ وہ کمزور ہے کہ اسے کسی حمایتی کی ضرورت ہو اور تو اس کی پوری پوری بڑائی بیان کرتا رہ۔

23:91 میں بھی ہے:

اللہ نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا ہے اور کوئی دوسرا خدا اس کے ساتھ نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی خلق کو لے کر الگ ہو جاتا، اور پھر وہ ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے پاک ہے اللہ ان باتوں سے جو یہ لوگ بناتے ہیں۔

پھر 25:2 میں بھی ہے:

وہ جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے، جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا ہے، اور نہ اس کے ساتھ اس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے، وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کی ایک تقدیر مقرر کی۔

ان تمام آیات میں لفظِ 'جننا' (اور اس کا ہم معنی) آیا ہے؛ یہ لفظ اپنے اندر جنسی معنی رکھتا ہے جس سے قرآن، جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو احتیاط برتتا ہے۔

3:48 اور اللہ اسے کتاب اور حکمت کی تعلیم دے گا، تورات اور انجیل کا علم سکھائے گا۔

کیا یہ واضح اشارہ نہیں ہے کہ عیسیٰؑ کو کسی انسان نے تعلیم نہیں دی بلکہ بذات خود اللہ نے دی؟ پھر کیسے انہوں نے ہیکل میں صرف ۱۲ سال کی عمر میں طبیبوں سے مناظرہ کیا؟ یا کیسے یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بچپن میں ہی تبلیغ کی؟

اور (عیسیٰ) بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر (ہو کر جائیں گے اور کہیں گے) کہ میں تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں وہ یہ کہ تمہارے سامنے مٹی کی مورت بشکل پرند بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے (سچ مچ) جانور ہو جاتا ہے اور اندھے اور ابرص کو تندرست کر دیتا ہوں اور خدا کے حکم سے مردے میں جان ڈال دیتا ہوں اور جو کچھ تم کھا کر آتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو سب تم کو بتا دیتا ہوں اگر تم صاحب ایمان ہو تو ان باتوں میں تمہارے لیے (قدرت خدا کی) نشانی ہے۔

اللہ نے عیسیٰؑ کو مامور کیا کہ وہ اس کا پیغام لے کر بنی اسرائیل کے پاس جائیں۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کا پیغام صرف بنی اسرائیل کے لیے محدود ہے؟ یقیناً اللہ کا نازل کردہ حق صرف ایک قوم کے لیے محدود نہیں ہو گا۔ اللہ نے نبی ﷺ کو اپنا پیغام دے کر عرب کے لوگوں مس بھیجا، لیکن کیا یہ پیغام عرب کے لوگوں کے لیے محدود ہے؟ کیا یہ حق ساری دنیا کے لیے نہیں تھا؟

عیسیٰؑ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ مبعوث ہوئے ہیں 'رب کی نشانی' کے طور پر۔ ہم نے یہ مشاہدہ کیا ہے کہ نشانی کوئی مرئی پیغام ہوتی ہے۔ آیت کا آغاز ایک نشانی کے حوالے سے ہوتا ہے اور اس کا اختتام بھی ایک نشانی کے حوالے پر ہوتا ہے، پس یہ اشارہ دیا جا رہا ہے کہ ایک سے زاید نشانیاں شامل ہیں۔

ان سب میں اللہ کی طرف سے اولین نشانی یہ دی گئی کہ عیسیٰؑ کو مٹی سے ایک پرندہ بنانے کا کہا گیا اور اس میں پھونکنے کا کہا گیا، وہ اصلی پرندہ بن گیا بامر اللہ۔ اس نشانی کی کیا اہمیت ہے؟ یہ واقعہ حیرت انگیز طور پر واقعی تخلیق آدمؑ سے مشابہہ ہے جو کہ تورات کی پہلی کتاب میں پایا جاتا ہے، جہاں یہ کہا گیا کہ رب نے آدم کو بنایا زمین کی مٹی سے اور ان کے نتھنوں میں زندگی کی سانس پھونکی، اور آدمؑ ایک جیتے جاگتے انسان بن گئے۔ کیا مٹی کے پرندے کا واقعہ اس تخلیق کے واقعے سے ہم

آھنگ نہیں ہے؟ کیا مٹی کے پرندے کو زندہ پرندے میں تبدیل کرنا اللہ کے تخلیقی فعل سے کم ہے؟ درحقیقت، قرآن جب انسان کی تخلیق کی بات کرتا ہے تو اسی لفظ 'مٹی' کو استعمال کرتا ہے جیسا کہ 3:49۔

[7] تورات کا 3:48 میں تذکرہ ہے۔ 3:59 بھی دیکھیں، "اللہ نے آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا" جس کا اوپر 3:47 میں حوالہ ہے۔

مثال کے طور پر: 'جو چیز بھی اس نے بنائی خوب ہی بنائی اس نے انسان کی تخلیق کی ابتدا گارے سے کی۔ (32:7)

مٹی کے پرندے کی نشانی کا ذکر سابقہ عیسائی تحاریر میں موجود تھا لیکن ایسا لگتا ہے کہ عیسائیوں کو یہ بات اتنی عجیب اور حیران کن لگی کہ انہوں نے اس کے درجے کو پست کر کہ صرف ضعیف اناجیل تک محدود کر دیا، یعنی کہ انہوں نے یہ بیان روایتی اور مستند اناجیل سے خارج کر دیا۔ آج کل کے عیسائی اس نشانی کو 'رب کی نشانی' نہیں سمجھتے۔ کیا ہمیں بھی وہی کرنا چاہیے جو انہوں نے کیا؟ کیا ہمیں بھی قرآن کے واضح بیان کی نفی کر دینی چاہیے، جیسا کہ ہمارے چند علماء کرنے پر تلے ہیں؟

3:49 کا اگلا جملہ مزید تین نشانیوں کا ذکر کرتا ہے: (۱) نابینوں (صرف ایک ہی نہیں) کو مشفاء کرنا؛ (۲) جذام (پھر سے جمع کی بات ہو رہی ہے) کت مریضوں کو شفاء دینا؛ (۳) 'میں مردہ کو واپس زندہ کرتا ہوں' (پھر سے صرف ایک مردہ شخص کے لئے محدود نہیں جو زندہ کیا گیا)۔ اگر عیسیٰؑ مردہ لوگوں کو واپس زندہ کر سکتے ہیں، تو کیا مٹی کے پرندے کو جان بخشنا کچھ مختلف ہے؟ بیشک عیسیٰؑ یہ سب اپنے اختیار سے نہیں کر رہے بلکہ 'اللہ کی رضا سے' کر رہے ہیں۔ مشاہدہ طلب بات یہ ہے کہ یہ الفاظ 'اللہ کی رضا سے' مٹی کے پرندے کو زندگی بخشنے والی نشانی کے بعد آئے ہیں۔ یعنی کہ عیسیٰؑ نے کبھی کچھ بھی مرضی سے نہیں کیا بلکہ سب کچھ اللہ کی مرضی سے کیا۔ یہ ان کی زندگی کا بنیادی اصول انجیل میں بھی لکھا ہے۔

یہاں ایک اور اہم پہلو بھی ہے جسے اس آیت کو سمجھتے ہوئے نظر انداز نہیں کرنا چاہیے: عیسیٰؑ کے افعال کیسے دکھتے ہوں گے ان لوگوں کو جن کے سامنے وہ ہوئے ہوں گے؟ ہم اس آیت کو حقیقت والا معاملہ جان کر ہی سمجھ رہے ہیں، لیکن

یہ کسی ایسے شخص کی نظر میں کیسا معاملہ ہو گا جو پیدائشی نابینا ہو اور محض ایک بھکاری ہی بن کر رہ گیا ہو، لیکن اس کی بینائی عیسیٰؑ کے ذریعے بحال کر دی گئی ہو؟ یا اس مرض الجذام میں مبتلا شخص کی نظر سے جو سماج

سے کٹ کر رہتا ہو اور اسے اس خوفناک مرض سے نجات دلا دی ہو؟ یا ان لوگوں کی نظر سے جو مر گئے ہوں اور واپس زندہ کر دیے گئے ہوں۔ ان تمام مثالوں میں ہم بامشکل ہی ان اثرات کا تصور کر سکتے ہیں جو ان واقعات کی وجہ سے نہ صرف ان لوگوں پر، بلکہ ان کے عزیز، اقرباء اور دوست احباء اور ان تمام عینی شاہدین پر پڑے ہوں گے جنہوں نے یہ دیکھا ہو گا۔ انجیل کا ایک بڑا حصہ ایسے واقعات سے پر ہے، جو کہ ان تمام باتوں کی تصدیق کرتا ہے جو قرآن کے مطابق عیسیٰؑ نے اللہ کی رضا کے موافق انجام دیے۔

انجیل ان لوگوں کا رد عمل بھی بتاتی ہے جنھوں نے ان چیزوں کا مشاہدہ کیا ہو گا جو عیسیٰؑ نے ان کے ساتھ کیں، ایک حیرت اور اللہ اور اس کے نبی عیسیٰؑ کا شکرانے کا رد عمل۔ کیا کسی کو ان لوگوں کے رد عمل میں کچھ غلط ملا ہو گا؟ اگر آپ بھوک سے مر رہے ہوں اور کوئی اللہ کا بھیجا ہوا اللہ کے حکم سے آپ کو کچھ کھانے کے لیے دے، تو کیا آپ صرف اللہ کا شکر ہی ادا کریں گے اور اس شخص کا نہیں جس کے وسیلے سے آپ کو کھانا ملا؟ کیا ایسا رویہ اللہ کی کبریائی کرنے کا ہو گا یا اس سے عار کرنے کا، جو کہ ہر گز ایسا رویہ معاف نہیں کرے گا

یہ اللہ کی شفقت اور طاقت کا مشاہدہ ہے عیسیٰؑ کے ذریعے جس کو سمجھنا چاہیے اگر ہم عیسیٰؑ کے سچے پیروکاروں کا ان کے ساتھ رویہ سمجھنا چاہتے ہیں۔ یہ یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ عیسیٰؑ کے تمام پیروکاروں ان کے وسیلے سے کچھ نہ کچھ رحمت خداوندی ضرور پائی ہو گی، جس کے بغیر وہ ان کے حواری ہی نہ بن پاتے۔ اس کا آغاز عمومی طور پر گناہ معاف کروا کے ہوتا ہے، خصوصی طور پر خود غرضی اور خود مرکوزی کی زنجیر توڑ کر، جس نے ان کی زندگی اجیرن کر دی ہوتی ہے اور ان لوگوں کی بھی جو ان کے ساتھ رہتے ہیں۔ یہ نجات اور تغیر تجرباتی طور پر مزید حیران کن ثابت ہوئے ان اخلاقی اصلاحات کے روایتی طریق سے جو کہ بغیر کسی کامیابی کے اپنائے جا چکے ہیں۔ اور کچھ نے عیسیٰؑ کے توسل سے بدنی شفاء بھی حاصل کی اور کسی جان لیوا خطرے سے پناہ بھی۔

عیسیٰؑ کے ان پیروکاروں کے بارے میں مزید حیران کن بات یہ ہے کہ یہ واقعات صرف عیسیٰؑ کے دور میں ہی نہیں ہوئے بلکہ یہ تو آج تک ہو رہے ہیں۔ یہ قرآن کی اس بات سے مطابقت رکھتا ہے کہ عیسیٰؑ کو اللہ نے اٹھا لیا اور اپنے پاس رکھ لیا (۳:۵۵)۔ انجیل کے مطابق، ان کو جسم کے ساتھ اٹھا لے جانے کا مطلب ہے کہ وہ اب ان کی موجودگی کسی خاص مکان یا علاقے تک محدود نہیں ہے بلکہ اب وہ اپنا کام عالمگیری طور پر جاری رکھ سکتے ہیں۔ آج جب عیسیٰؑ کے

پیروکار پوچھتے ہیں کہ آیا عیسیٰؑ نے وہ مخصوص کام جاری رکھا جو اللہ نے ان کو دیا تھا، وہ اللہ کو پکارتے ہیں اس کام کو کرنے کے لیے 'عیسیٰؑ کے نام پر' کیونکہ یہی وہ کام تھا جو اللہ نے ان کو دیا تھا۔

چونکہ عیسیٰؑ حیات ہیں اسی جسم کے ساتھ، تو کچھ لوگ ان کو ایسے ہی براہ راست پکارتے ہیں اپنی فریادیں لے کر جیسا کہ وہ دنیا میں ہی ہوں۔ غیر معمولی طور پر ان کی فریادوں کا جواب بھی دیا جاتا ہے، اگر وہ اللہ کی رضا کے مطابق ہوں

ان کے لیے جو ثبوت کی جانچ پڑتال کرنا چاہتے ہیں، ان واقعات کی بڑا ذخیرہ لکھا ہوا محفوظ ہے۔ یہ لکھ کے محفوظ کیے گئے ہیں کیونکہ یہ تجرباتی حقائق ہیں، اور ان کی تعصب اور مذہبی مباحثے کے لیے ترویج نہیں کی جاتی۔ جن کو سچائی کی لگن ہوتی ہے وہ حقائق کا شوق رکھتے ہیں نہ کہ مباحثوں کا۔ اسی لیے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اللہ سے حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے کی توفیق مانگتا رہے۔

اسی آیت (3:49) میں ایک اور نشانی کا ذکر ہے: 'اور جو کچھ تم کھاؤ اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرو میں تمہیں بتادیتا ہوں'۔ ان الفاظ کی تشریح میں یوسف علی لکھتے ہیں: 'یہ کلمہ عمومی طور پر نبی کی علم کی جانب اشارہ کر رہا ہے جو کہ دیگر لوگوں کو نہیں معلوم'۔ پس یہ ایک نبی کی ہی نشانی ہے۔

3:50 اور مجھ سے پہلے جو تورات (نازل ہوئی) تھی اس کی تصدیق بھی کرتا ہوں اور (میں) اس لیے بھی (آیا ہوں) کہ بعض چیزیں جو تم پر حرام تھیں ان کو تمہارے لیے حلال کردوں اور میں تو تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔

عیسیٰؑ کی مہم کا حصہ تورات (یہودی قانون یا کتابِ قانون) کے حق ہونے کی تصدیق کرنا بھی تھا۔ یوسف علی ان الفاظ 'بعض ان چیزوں کو حلال کردوں جو تم پر حرام کردی گئی ہیں' کی کوئی تشریح نہیں کرتے۔ اگلہ جملہ پھر سے تصدیق کرتا ہے کہ عیسیٰؑ کو 'رب کی طرف سے ایک نشانی' دے کر بھیجا گیا۔ اس بات کی اہمیت کا اندازہ اس کی تکرار سے لگایا جاسکتا ہے۔ لفظِ 'نشانی' کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ بس ایک ہی نشانی تھی۔

شاید کسی اور زبان کا قاری اس کا ترجمہ 'ایک نشانی' کرے، لیکن عربی زبان دان کو یہ پتا ہو گا کہ یہاں صرف 'نشانی' ہی قابل غور ہے نہ کہ اس کی تعداد۔ اس بات سے ناواقف شخص شاید اس کو قرآن کا تضاد قرار دے کہ الفاظ 'ایک نشانی' کے بعد کئی نشانیاں مذکور ہیں۔ قرآن میں کوئی تضاد یا اختلاف نہیں ہے۔ ہم 4:82 میں پڑھتے ہیں، ' کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف بیانی پائی جاتی'۔

انہیں خدا داد نشانیوں کی بنیاد پر، جو کہ پچھلی آیت (3:49) میں مذکور ہیں، عیسیٰؑ اعلان کرتے ہیں، ' لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو' (3:50)۔ اگلی آیت میں ارشاد ہوا ہے:

3:51 کچھ شک نہیں کہ خدا ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے تو اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا رستہ ہے۔

جو عیسیٰؑ کی فرمانبرداری کرتے ہیں وہ ان کے اس اللہ کی عبادت کی طرف بلانے پر لبیک کہیں گے۔ یہی سیدھا، راشد، اور حق والا راستہ ہے۔

3:52 جب عیسیٰؑ نے ان کی طرف سے نافرمانی اور (نیت قتل) دیکھی تو کہنے لگے کہ کوئی ہے جو خدا کا طرف دار اور میرا مددگار ہو حواری بولے کہ ہم خدا کے (طرفدار اور آپ کے) مددگار ہیں ہم خدا پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیں کہ ہم فرمانبردار ہیں۔

عیسیٰؑ کو قوی اور ضدی بے ایمانی نظر آئی بنی اسرائیل میں، ایک ایک کی حالت جو آج تک جاری ہے۔ انہوں نے مددگاروں کے لیے پکارا جو لوگوں کو اللہ کی اطاعت میں لے آئیں، اس کی رضا کے مطابق کام کریں اور اپنے آپ کو سچا مسلم ثابت کریں۔ ان کے حواریوں نے اللہ کی مدد کی طرف پکار کی فرمانبرداری کی۔ وہ اللہ پر ایمان لائے کسی عقلی یا

رسمی عقیدے کی بنیاد پر نہیں بلکہ کلی طور پر اپنی روز مرہ کی زندگی اس کی رضا کے مطابق گزار کر؛ انہوں نے عیسیٰؑ نے کہا' گواہ رہو کہ ہم مسلم ہیں'، اللہ کے آگے سر اطاعت جھکا دینے والے۔

3:53 اے پروردگار جو (کتاب) تونے نازل فرمائی ہے ہم اس پر ایمان لے آئے اور (تیرے) پیغمبر کے متبع ہو چکے تو ہم کو ماننے والوں میں لکھ رکھ۔

عیسیٰؑ کے حواری، سچے مسلم، یہاں یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ وہ ایمان لائے اس پر جو اللہ نے نشانیوں کے، جن کے ساتھ عیسیٰؑ بھی آئے، ظاہر کیا ہے؛ اور اس ایمان کو عیسیٰؑ رسول اللہ کی فرمانبرداری میں دیکھا جا سکتا ہے۔

3:54 اور وہ (یعنی یہود قتل عیسیٰ کے بارے میں ایک) چال چلے اور خدا بھی (عیسیٰ کو بچانے کے لیے) چال چلا اور خدا خوب چال چلنے والا ہے۔

کفار نے مکر کیا اور تدبیر سوچی، لیکن کس کے خلاف؟ مفہوم سے واضح ہے کہ وہ عیسیٰؑ اور ان کے حواریوں کے خلاف ہی تھا۔ لیکن کفار کا مکر اللہ کی تدبیر جو عیسیٰؑ اور اس کے حواریوں سے متعلق ہے، کو کبھی خراب نہیں کر سکے گی، کیونکہ وہ سب سے 'بہتر تدبیر کرنے والا' ہے۔

3:55 اس وقت خدا نے فرمایا کہ عیسیٰ! میں تمہاری دنیا میں رہنے کی مدت پوری کر کے تم کو اپنی طرف اٹھالوں گا اور تمہیں کافروں (کی صحبت) سے پاک کر دوں گا اور جو لوگ تمہاری پیروی کریں گے ان کو کافروں پر قیامت تک فائق (وغالب) رکھوں گا پھر تم سب میرے پاس لوٹ کر آؤ گے تو جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے اس دن تم میں ان کا فیصلہ کر دوں گا۔

یہاں مکاروں کا مکراور روش کھل کے سامنے آگئی ہے: عیسیٰؑ پر ہر طرح کا جھوٹا الزام لگانا۔ اس بہتان بازی کا اور کیا مقصد ہو سکتا ہے کہ سوائے اس کے کہ دین سے منکر ہونے کا، ان سے جھگڑا کرنے کا، اور ان کو اور ان کے پیروکاروں کو قتل کرنے کا بہانا مل جائے؟

لیکن اللہ کے پاس بھی تدبیر ہے: 'اب میں تجھے واپس لے لوں گا اور تجھ کو اپنی طرف اٹھا لوں گا'۔ اللہ عیسیٰؑ کو گستاخوں کی نظر میں فریب میں رکھے گا، جنہوں نے جھٹلایا اللہ اور اس کے رسول کو۔

---

[8] ہم ان الفاظ کے معنی پر 4:158 پر پہنچنے پر غور کریں گے۔

اور عیسیٰؑ کے حواریوں کا کیا بنے گا؟' تیری پیروی کرنے والوں کو قیامت تک ان لوگوں پر بالا دست رکھوں گا جنہوں نے تیرا انکار کیا ہے'۔ایسی صورتحال جو روز قیامت تک جاری رہے گی! جب لوگ یہ دیکھیں گے تو کیا ہو گا؟ وہ پھر اللہ کی طرف راغب ہو جائیں گے کیونکہ وہ دیکھ لیں گے کہ اس کا فیصلہ عادل ہے۔

3:56 یعنی جو کافر ہوئے ان کو دنیا اور آخرت (دونوں) میں سخت عذاب دوں گا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہو گا۔

یہ الفاظ ایک واضح جواب دے رہے ہیں اس سوال کا کہ اللہ کا عادل فیصلہ کفار کے خلاف کیسا ہو گا۔

3:57 اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کو خدا پورا پورا صلہ دے گا اور خدا ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔

اللہ کا عادل فیصلہ مؤمنین کے لیے اور ان کے لیے جنہوں نے اعمال صالحہ کیے کیا ہو گا؟ وہ اس کا پورا انعام حاصل کریں گے۔

3:58 (اے محمد ﷺ) یہ ہم تم کو (خدا کی) آیتیں اور حکمت بھری نصیحتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں)

غور کیجئے کہ کیسے دوبارہ نشانیوں کی طرف زور چلا گیا، جو کہ اللہ نے عیسیٰؑ کے پیغام کی صداقت کے لیے بھیجی ہیں، وہ پیغام کہ جس کو 'پیغامِ حکمت' کہا گیا، اور اللہ ہی سب سے بڑا حکیم ہے۔

3:59 عیسیٰ کا حال خدا کے نزدیک آدم کا سا ہے کہ اس نے (پہلے) مٹی سے ان کا قالب بنایا پھر فرمایا کہ (انسان) ہو جا تو وہ (انسان) ہو گئے۔

ایک لاجواب بات یہاں کہی گئی ہے، لیکن اللہ کی ہر وحی کی طرح، جب تک کہ کوئی روحانی طور پر چوکنااور ہوشیار نہ ہو، اسے کچھ نظر نہ آئے گا نہ ہی کچھ سنائی دے گا،اور حق چھپا رہ جائے گا۔ایک وحی ظاہر بھی ہو سکتی ہے اور چھپ بھی سکتی ہے، یہ ہمارے دلوں کے احوال پر منحصر ہے۔

یہاں کیا کہا جارہا ہے؟ عیسیٰؑ کا مرتبہ آدمؑ کے ساتھ موازنہ کیا جارہا ہے، لیکن کس انداز میں؟ یہ ایک بظاہر آسان جملے میں دیکھا جاسکتا ہے کہ اللہ نے '(آدمؑ کو) تخلیق کیا خاک سے'۔ لیکن ہمیں یہ پوچھنا چاہیے کہ: مشابہت (یکسانیت) کہاں ہے آدمؑ اور عیسیٰؑ کے درمیان، کیونکہ آدمؑ وہ واحد شخص ہیں جنہیں اللہ نے براہ راست خاک سے بنایا (یا گارے سے)؛ ان کے بعد تمام جنے گئے ہیں۔ اس کی تصدیق کے لیے آیئے اور قرآن کے مختلف حوالہ جات کا جائزہ لیں، خصوصاً مندرجہ ذیل چھ قطعات میں:

قطعہ۔1 (7:11-13)

ہم نے تمہاری تخلیق کی ابتدا کی، پھر تمہاری صورت بنائی، پھر فرشتوں سے کہا آدمؑ کو سجدہ کرو اس حکم پر سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ پوچھا، "تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا جب کہ میں نے تجھ کو حکم دیا تھا؟" بولا، "میں اُس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اُسے مٹی سے۔ فرمایا، "اچھا تو یہاں سے نیچے اتر تجھے حق نہیں ہے کہ یہاں بڑائی کا گھمنڈ کرے نکل جا کہ در حقیقت تو ان لوگوں میں سے ہے جو خود اپنی ذلت چاہتے ہیں۔

اس قطعے میں ایک واقعے کی خبر ہے جس میں اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدمؑ کو سجدہ کریں۔ صرف ابلیس نے انکار کیا، یہ دعوی کرتے ہوئے کہ وہ آگ سے پیدا کیا گیا ہے جبکہ آدمؑ کو محض گارے سے پیدا کیا گیا (جس کا ترجمہ 'مٹی' بھی کیا جاسکتا ہے جیسا کہ پکتھال کے ترجمے میں ہے، یا 'دھول' جیسا کہ شاکر کے ترجمے میں ہے)۔ یہ اہم واقعہ ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ نے کیوں ابلیس کو باہر نکال دیا: اس نے آدمؑ کو سجدہ نہ کر کے اللہ کی نافرمانی کی، چونکہ آدمؑ محض گارے یا دھول کی تخلیق تھے۔ اس قطعے کی تکرار مندرجہ ذیل قطعے میں بھی پائی جاتی ہے:

قطعہ۔2(17:61-63)

اور یاد کرو جبکہ ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو، تو سب نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے نہ کیا اس نے کہا" کیا میں اُس کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے بنایا ہے؟ پھر وہ بولا" دیکھ تو سہی، کیا یہ اس قابل تھا کہ تو نے اِسے مجھ پر فضیلت دی؟ اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے تو میں اس کی پوری نسل کی بیخ کنی کر ڈالوں، بس تھوڑے ہی لوگ مجھ سے بچ سکیں گے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا" اچھا تو جا، ان میں سے جو بھی تیری پیروی کریں، تجھ سمیت اُن سب کے لیے جہنم ہی بھرپور جزا ہے۔

ابلیس نے اس کے جھکنے سے انکار کر دیا جو گارے سے بنایا گیا تھا، کیونکہ اسے نفرت تھی اس حقیقت سے کہ 'تو (اللہ) نے مکرم کیا (آدمؑ) کو مجھ (ابلیس) پر!'۔ اپنی نفرت، حسد اور باغیانہ نافرمانی میں، ابلیس نے وعدہ کیا کہ وہ اولاد آدم، جس کو اللہ نے ملائکہ پر بھی شرف بخشا، کو اپنے زیر حکم اور سلطنت لے کر آئے گا، اور اولاد آدم کو اپنے مطیع کر کے اپنے آپ کو آدمؑ پر برتر کرے گا۔ اس طرح ابلیس اللہ سے بدلہ لینے کا ارادہ رکھتا ہے، جس نے اس کی نظر میں، اسے ذلیل کیا، اس مخلوق کو سجدہ کرنے کا حکم دے کر جو کہ دھول سے بنائی گئی۔ (اسی واقعے کی توسیع 38:71-85 میں بیان ہے)

قطعہ ۔3(18:37)

اُس کے ہمسائے نے گفتگو کرتے ہوئے اس سے کہا "کیا تو کفر کرتا ہے اُس ذات سے جس نے تجھے مٹی سے اور پھر نطفے سے پیدا کیا اور تجھے ایک پورا آدمی بنا کھڑا کیا؟

انسان سب سے پہلے دھول (آدمؑ) سے پیدا کیا گیا، پھر آدمؑ کے بعد، انسان منی کے قطرے سے پیدا کیا گیا جس سے وہ بڑھ کے بالغ شخص بن جاتا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ صرف دو ہی طریقے ہیں جن سے اللہ انسان کو زندگی بخشتا ہے: (۱) آدم 'خاک سے'، پھر (۲) آدمؑ کے فرزندان اور اولاد 'منی کے قطرے سے'۔ اس کی دوبارہ تصدیق مندرجہ ذیل قطعے میں مذکور ہے:

قطعہ ۔4(32:6-8) وہی ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا، زبردست، اور رحیم۔ جو چیز بھی اس نے بنائی خوب ہی بنائی اُس نے انسان کی تخلیق کی ابتدا گارے سے کی۔ پھر اُس کی نسل ایک ایسے ست سے چلائی جو حقیر پانی کی طرح کا ہے۔

یہاں یہ واضح ہے کہ اللہ نے 'انسان (آدمؑ) کی تخلیق کا آغاز گارے سے کیا'، پھر آدمؑ کی اولاد کو 'حقیر قطرے' سے یا 'بے قدر نطفے' (شاکر) سے پیدا کیا، منی کا واضح ذکر گزشتہ حوالے میں:

قطعہ ۔5(32:9)

پھر اس کو نِک سُک سے درست کیا اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی، اور تم کو کان دیے، آنکھیں دیں اور دِل دیے تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔

انسان محض جسم ہی نہیں ہے، اللہ نے 'اپنی روح پھونکی ہے اس میں'۔ پس انسان کے پاس دونوں ہیں جسم بھی اور روح بھی: جسم جو کہ اس دھول سے بنا جس سے آدمؑ کو بنایا، اور روح خود اللہ سے بنی۔

قطعہ ۔6((35:11)

اللہ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر تمہارے جوڑے بنا دیے (یعنی مرد اور عورت) کوئی عورت حاملہ نہیں ہوتی اور نہ بچہ جنتی ہے مگر یہ سب کچھ اللہ کے علم میں ہوتا ہے کوئی عمر پانے والا عمر نہیں پاتا اور نہ کسی کی عمر میں کچھ کمی ہوتی ہے مگر یہ سب کچھ ایک کتاب میں لکھا ہوتا ہے اللہ کے لیے یہ بہت آسان کام ہے۔

جو بات گزشتہ قطعات میں کی گئی تھی اسی کو یہاں بھی بیان کیا گیا ہے۔ انسان (آدمؑ) کو پہلے مٹی سے پیدا کیا گیا،' پھر نطفے سے' ؛ (ایضاً40:67)

اب کیونکہ ہم اس کا مشاہدہ کر چکے ہیں کہ قرآن واضح طور پر سکھاتا ہے کہ اللہ صرف دو طریقوں سے انسان کو زندگی بخشتا ہے؛ مٹی سے یا نطفے سے؛ آیئے ہم واپس اسی مسئلے کی طرف رجوع کرتے ہیں جو کہ اس حصے کے آغاز میں ذکر کیا گیا جس کا بندھن 3:59 کے ساتھ ہے،

' اللہ کے نزدیک عیسیٰؑ کی مثال آدمؑ کی سی ہے کہ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا اور حکم دیا کہ ہو جا اور وہ ہو گی'۔ عیسیٰؑ کس لحاظ سے آدمؑ کے مشابہ ہیں؟ عیسیٰؑ کو دقیقاً 'ابن مریمؑ' کہا جاتا ہے کیونکہ مریمؑ نے ان کو جنا۔ کیونکہ عیسیٰؑ جنے گئے تھے، اس لیے وہ مٹی سے پیدا نہیں کیے جا سکتے تھے جیسا کہ آدمؑ ہوئے تھے۔ لیکن آدمؑ کی کل آل (جس میں مریمؑ بھی شامل ہیں)، 'نطفے' سے پیدا ہوئے، پیدا کیے جا رہے ہیں۔ جبکہ جو حصہ قرآن کا ہم پڑھ رہے ہیں اس کے مطابق کسی آدمی نے عیسیٰؑ کی ولادت سے پہلے مریمؑ کو نہیں چھوا (۳:۴۷)۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ عیسیٰؑ 'نطفے' سے نہیں پیدا کیا گئے تھے۔ یہ بات ہمیں قابل ذکر حالت میں لا کھڑا کرتی ہے جس میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ تخلیق کا کوئی بیان عیسیٰؑ پر ٹھیک سے نہیں جچتا: نہ ہی وہ مٹی سے (جیسا کہ آدمؑ) پیدا کیے گئے اور نہ ہی نطفے سے۔ کیا یہاں کوئی اہم بات چھپی ہوئی ہے جسے ہم صرف اور صرف اللہ کے نور سے ہی سمجھ سکتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو پھر ہمیں سچے دل سے اس کی نصرت اور رحمت کی دعا کرنی چاہیے اگر ہمارے نصیب میں ہوا تو۔

ایسا لگتا ہے کہ 3:59 کے دوسرے حصے میں بیان کردہ کلمات کو بغیر خود تضادی کا شکار ہوئے سمجھنے کا ایک ہی ذریعہ ہے، جو کہ یہ سمجھنا ہے: ' اللہ نے اسے (آدمؑ) مٹی سے پیدا کیا اور حکم دیا (عیسیٰؑ کو) کہ ہو جا اور وہ ہو گیا'۔ یہ اس کے بلکل موافق ہے جس طرح اللہ نے پہلا انسان بنایا، آدمؑ مٹی سے، پھر اولاد آدمؑ کو منی سے؛ عیسیٰؑ کے استثنا، جن کو منی سے نہیں بلکہ اللہ کے براہ راست کلام سے پیدا کیا گیا۔ اس حیرت انگیز طور پر، قرآن عیسیٰؑ کی انفرادیت کو مخفی بھی رکھتا ہے اور ظاہر بھی کرتا ہے۔ لیکن پھر بھی سوال باقی رہتا ہے کہ کس انداز میں عیسیٰؑ آدمؑ کے مشابہہ ہیں؟ اگر یہ کہنا مقصود تھا کہ عیسیٰؑ ایک انسان ہی ہیں آدمؑ کی طرح، تو فقط یہی نہیں کہا جا سکتا تھا کہ عیسیٰؑ ایک انسان ہیں، جو کہ در حقیقت آنحضرت ﷺ بھی اپنے بارے میں فرماتے ہیں آدمؑ کی تشبیہ دیے بغیر؟ یا محض یہ کہنا مقصود تھا کہ عیسیٰؑ مٹی سے بنے ہیں، تو یہ تو تمام انسانیت کے لیے کہا جا سکتا ہے، جو کہ قرآن کے بیان کو کمتر کر دے گا کہ اس میں کوئی معمولی بات ذکر

کی جائے۔ لیکن قرآن میں عیسیٰؑ کی ولادت کا اعلیٰ ذکر پڑھ کر، یہ بلاشک وشبہ قرآن کی غلط تشریح ہو گی، اور قصداً اللہ کی وحی سے منہ پھیرنا ہو گا۔

تو پھر عیسیٰؑ اور آدمؑ کے درمیان کیسی مشابہت ہے؟ چونکہ عیسیٰؑ کی ولادۃ العذراء انسانی منی سے پیدائش کے ذمرے سے خارج ہے، یہ واضح ہے کہ ان کی آدمؑ سے شناسائی کسی اور انسان سے زیادہ ہے، کیونکہ آدمؑ بھی بغیر انسانی منی کے پیدا کیا گئے تھے، اور ان دونوں کی طبعیاتی ساخت جو کہ مٹی سے ہے یکساں ہے۔ کیا اہم ہے اس غیر معمولی شناسائی میں جو کہ عیسیٰؑ کی آدمؑ کے ساتھ ہے؟ اس کا اشارہ ان ضروری کلمات 'اللہ کے نزدیک' میں ہے جو کہ اس کا حصہ ہیں، 'اللہ کے نزدیک عیسیٰؑ کی مثال آدمؑ کی سی ہے'۔ ان کلمات 'اللہ کے نزدیک' کی اہمیت کا اندازہ لگانے میں ناکامی اس مفروضے کی طرف لے جاتی ہے کہ عیسیٰؑ کی آدمؑ کے ساتھ مشابہت انسانی سطح پر سمجھنے کی ہے۔ جو کہ، 'انسان کے نزدیک' ہے نہ کہ 'اللہ کے نزدیک'۔ اور جس کا ماخذ یہ نکلتا ہے کہ عیسیٰؑ ایک عام انسان ہی تھے۔ لیکن ان کی کنواری ماں سے پیدائش کا غیر معمولی قصہ، جو کہ کسی اور نقطہ نظر سے سورہ 19 میں تفصیلی ذکر ہے، ہمیں ایسے عجولانہ نتائج اخذ کرنے سے خبردار کرتا ہے۔

یہاں 'اللہ کے نزدیک' سے کیا مراد ہے؟ ہمیں اس سوال کا جواب دینے کے لیے اندازے لگانے کی ضرورت نہیں۔ فہیم قاری اس بات کی شناخت کر سکے گا کہ اس کا جواب گزشتہ درج متنوع قرآنی قطعات میں پایا جا سکتا ہے۔ تخلیق آدمؑ سے متعلق کئی قرآنی بیانات میں ہم نے دیکھا کہ اللہ نے آسمانوں کے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدمؑ کو سجدہ کریں۔ یہ ایک اعلیٰ اعزاز ہے جس سے اللہ نے آدمؑ کو نوازا، یہاں تک کہ ان کا مرتبہ ملائکہ سے بھی افضل کر دیا، جس کو ماننے سے ابلیس نے انکار کر دیا۔ اس نے اللہ کے خلاف بغاوت کر دی، جس کے نتیجے میں ملعون قرار پایا اور مشیت خداوندی سے بھی نکال دیا گیا۔ اس سب سے یہ بات واضح ہے کہ آدمؑ اللہ کی تدبیر کا ایک اہم حصہ ہیں۔ اس حقیقت کی بنیاد پر، عیسیٰؑ اور آدمؑ کے درمیان مشابہت کے کیا معنی ہیں سوائے اس کے کہ رضیت و مقصود الٰہی میں عیسیٰؑ، رتبے کے لحاظ سے فرشتوں سے افضل، آدمؑ کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں؟

ہم نے یہ بھی دیکھا کہ ابلیس نے یہ عہد کیا کہ وہ فرزندان آدمؑ سے جنگ کرے گا اور ان کو ماتحت کرے گا۔ اس طرح یہ ثابت نہیں ہے کہ کیا عیسیٰؑ اور ان کے پیروکار اس کے نشانہ اول پر ہیں یا نہیں؟ یہ حیرت انگیز نہیں ہے کہ جیسے ہی عیسیٰؑ کی ولادت ہوئی، ان کی والدہ شیطانی تہمت بندی کے حملوں کی زد میں آ گئیں۔ عیسیٰؑ کو ان کا دفاع اپنے زمانہ طفلی میں بھی کرنا پڑا! انجیل کے وہ بیانات جو عیسیٰؑ کے خلاف ان لا متناہی بلکہ دائماً بڑھتی ہوئی تہمات کے بارے میں ہیں، وہ قرآن کے ان بیان کے بلکل متوازی ہیں جو ابلیس کے بارے میں ہیں۔ وہ بیان جو واقعتاً بیرونِ قرآن نہیں پایا جاتا۔ کیا یہ قانع ہے کہ ابلیس نے اپنے غضب میں عیسیٰؑ کی موت سے کم کسی فیصلے پر اکتفا کیا ہو؟ اور کیا یہ واضح دلیل نہیں کہ عیسیٰؑ کو مصلوب کرنے والے یہودی نہیں بلکہ وہ ابلیس تھا جس نے ان کی موت کی سازش کی؟ کتنا ضروری ہے کہ ہم اللہ کے احکامات کو واضح روحانی طریق سے پڑھیں اگر ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ وہ ہم سے کیا کہنا چاہتا ہے۔ ابلیس کی اللہ کے خلاف بغاوت کی داستان یہ بتلاتی ہے کہ ابلیس، جو کہ اس وقت تک، ایک طاقتور فرشتے کی طرح، اللہ کا فرمانبردار اور مطیع تھا۔ لیکن اس کی اللہ کے خلاف بغاوت یہ ثابت کرتی ہے کہ اس کی اطاعت ادھوری تھی اور اس کا اللہ کے ساتھ بندھن پورا نہیں تھا۔ آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم اللہ کی طرف سے ایک آزمائش تھی جس میں وہ ناکام ہو گیا۔ کیا عیسیٰؑ کی اطاعت بھی تو ایک آزمائش نہیں جس میں نہ صرف ابلیس بلکہ انسانیت کا ایک بڑا ہجوم ناکام ہو جائے گا؟

3:60 (یہ بات تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے تو تم ہر گز شک کرنے والوں میں نہ ہونا)

متن کے مطابق، یہاں حق بلاشک وشبہہ وہ حق ہے جو اللہ نے عیسیٰؑ سے متعلق نازل کیا، جن کا ذکر اس سے پچھلی آیت میں ہے۔ بے شک حق صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

سورہ 4 میں ذکر عیسیٰ[9]

4:155 (یہ سزا تھی) بہ سبب ان کی عہد شکنی کے اور احکام الٰہی کے ساتھ کفر کرنے کے اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کر ڈالنے کے، اور اس سبب سے کہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہے۔ حالانکہ دراصل ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے، اس لئے یہ قدر قلیل ہی ایمان لاتے ہیں۔

یہاں یہودیوں پر یہ جرم ہے کہ (۱) انہوں نے اللہ سے کئے عہد کو توڑا اس کی نافرمانی کر کے؛ (۲) اللہ کی نشانیوں سے انکار کیا جو اس نے اپنے رسولوں کے ذریعے نازل کی تھیں؛ اور (۳) اتنا آگے نکل گئے کہ حق کی مخالفت کرتے کرتے اس کے رسولوں کو ہی قتل کر دیا۔ یہ تمام اس رویے سے پروان چڑھا جو ان کو اس خیال میں رکھتا تھا کہ جو انہیں جاننا چاہیے وہ سب ان کے دلوں میں مکمل طور پر محفوظ اور لپٹا ہوا ہے۔ ان کے دل ایک بند کتاب کی طرح تھے۔

ان کلمات پر ' ہمارے دل غلافوں میں محفوظ ہیں '، یوسف علی تشریح کرتے ہیں کہ ،

---

[9] آیت 2:68 پر یوسف علی لکھتے ہیں "ہمارے دل غلاف ہیں (جو اللہ کے الفاظ کی حفاظت کرتے ہیں، ہمیں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔ "غلاف" کے متعلق وہ لکھتے ہیں "میں غُلف کو غلاِف کی جمع سمجھتا ہوں جو کہ کتاب کا غلاف ہوتا ہے۔ جس میں کتاب کو محفوظ کیا جاتا ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں "تمام دنیا اور تمام لوگوں میں کتنے لوگ اپنے دلوں کو روحانیت اور علم کے لیے بند کر لیتے ہیں کیونکہ وہ ایک چھوٹے سے حصہ کو اللہ کا پورا سچ سمجھتے ہیں (2:88 پر نوٹ 92)

’ یہودی اپنی نخوت میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ کی تمام علم و حکمت ان کے دلوں میں محفوظ ہے۔ لیکن زمین و آسمان میں موجود اشیاء زاید ہیں اس سے جو ان کے فلسفے نے خواب دیکھے ہیں۔ان کا دعویٰ نہ صرف نخوت بلکہ گستاخی ہے۔ در حقیقت یہ وہ لوگ ہیں جن میں ایمان نہیں۔‘ (2:88نوٹ92)

جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ جانتے ہیں وہ سب کہ جو اللہ کی حکمت میں سے جانا جا سکتا ہے، وہ یقیناً مفروضوں، نخوت اور گستاخی کے شرور میں گریں گے۔ایک عاجز دل لازمی ہے اس کے حق کی پذیرائی کے لیے۔

4:156 پھر اپنے کفر میں اتنے بڑھے کہ مریم پر سخت بہتان لگایا۔

ان کی اللہ سے نافرمانیوں کی اولین مثال،اس کے احکام کا انکار اور رسولوں کو جھٹلانا،ایک سنجیدہ تہمت ہے جو انہوں نے مریمؑ،عیسیٰؑ کے اوپر لگائی۔’مریمؑ کے خلاف تہمت یہ تھی کہ وہ بد چلن ہیں۔ سی۔ایف۔19:27-28۔ایسی تہمت ان سب تہمات سے بد تر ہے جو ایک عورت پر لگائی جا سکتی ہیں، لیکن عیسیٰؑ کی ماں مریمؑ پر ایسی تہمت لگانا، خود اللہ کی قوت کا تمسخر اڑانے کے مترادف ہے‘ (یوسف علی، نوٹ662، آیت4:156کے تبصرہ میں)

4:157 اور خود کہا کہ ہم نے مسیح، عیسیٰ ابن مریم، رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے حالانکہ فی الواقع انہوں نے نہ اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا اور جن لوگوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا ہے وہ بھی دراصل شک میں مبتلا ہیں، ان کے پاس اس معاملہ میں کوئی علم نہیں ہے، محض گمان ہی کی پیروی ہے انہوں نے مسیح کو یقین کے ساتھ قتل نہیں کیا۔

یہ عبارت کافی بحث کا مرکز رہی ہے اور خاصی الجھن کا باعث بھی بنی رہی ہے کیونکہ ہم اپنے تعصب اور راسخ عقائد کو پکڑے ہوئے ہیں۔ آئیں قرآن کو غور سے سنتے ہیں، اور یاد کرتے ہیں کہ 4:153 اور اس کے بعد آنے والے حصے کا مضمون یہودی ہیں۔ کیا یہ یہودی ہی ہیں جنہوں نے عیسیٰؑ کو قتل؛ یعنی کہ مصلوب کیا؟

نہیں، وہ نہیں تھے۔ یہی چیز قرآن واضح بیان کرتا ہے۔ مصلوبیت، جیسا کہ عام سمجھا جاتا ہے، رومی طرز امات ہے؛ پس یہودی عیسیٰ ؑ کو مصلوب کرنے والے نہیں تھے۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ ایسا کرنا نہیں چاہتے تھے (جیسا کہ 4:155 میں کہا گیا کہ 'حق کی مخالفت کرتے کرتے اس کے رسولوں کو ہی قتل کر دیا') بلکہ بالخصوص اس وجہ سے کہ وہ عیسیٰ ؑ کے زمانے میں رومی حکومت میں رہتے تھے، اور یہ رومی ہی تھے جو صلیب کے ذریعے سزائے موت دیتے تھے، کبھی کبھار بیک وقت کافی لوگوں کو مصلوب کر دیتے تھے۔

لیکن قرآن کا یہ حصہ، خود سے ہمیں یہ اجازت نہیں دیتا کہ ہم یہ نتیجہ اخذ کریں کہ عیسیٰ ؑ مصلوب نہیں ہوئے تھے، بلکہ صرف یہودی چاہ کے بھی انہیں مصلوب نہیں کر سکتے تھے۔ اس کی تاکید قطعے کے آخر میں بھی کی گئی ہے

قرآن کا 4:157 کا اگلہ جملہ یہ کہتا ہے کہ، 'اس معاملے کو ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا'۔ اس سیاق میں، لفظ 'اس' صرف اور صرف ان کی موت کے بارے میں اشارہ کر سکتا ہے: ان کو صرف ایک شبیہ دکھا دیا گیا تھا۔ کیا یہ سمجھا جا سکتا ہی کہ عیسیٰ ؑ کو محض دکھلاوے کی حد تک مارا گیا اور وہ کسی صورت بھی میت نہیں ہیں دائمی اعتبار سے؟ اس کے علاوہ اس کا اور کیا مطلب ممکن ہو سکتا ہے؟ عیسیٰ ؑ کی ظاہری موت ('شبیہ') سے متعلق اٹھنے والے سوالات کافی شکوک و شبہات کو جنم دیتے ہی، جیسا کہ قرآن اس قطعے میں کہتا ہے۔

اس جملے کے متعلق ' 'اس معاملے کو ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا'، کافی علماء اس کو ابتدائی عیسائی فرقوں کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں:

'عیسائیوں کے کچھ ابتدائی فرقے یہ نہیں مانتے کہ عیسیٰ ؑ صلیب پر فوت ہوئے۔ بازیلیدیہ کا ماننا یہ ہے کہ کسی اور شخص کو ان کی جگہ تبدیل کر دیا گیا تھا۔ دوسیتیہ کے مطابق مسیح ؑ کا کبھی کوئی طبیعاتی یا قدرتی جسم رہا ہی نہیں، بلکہ صرف ایک

ظاہری اور وہمی جسم تھا، اور ان کی مصلوبیت صرف ظاہری تھی، اصل نہیں۔ انجیل مرقیون (قریباً ۱۳۸ء) اس کا انکار کرتی ہے کہ عیسیٰؑ پیدا ہوئے، اور شاذ ہی ذکر کیا کہ وہ انسانی وضع میں ظاہر ہوئے۔ انجیل برناباس اس صلیب پر تبدیلی کے نظریہ کی تائید کرتی ہے۔'

لیکن ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ قرآن میں موجود کلام اللہ کو چند ابتدائی عیسائی نظریات (یا غیر نظریات) کی بنیاد پر تفسیر کرنا چاہیے؟ کیا ان عیسیائی فرقوں کو نظریات اتنے مستند ہیں کہ ہماری قرآن فہمی اس کے تابع ہو جائے؟ کیا ہمیں اس 'مشتبہ' ور 'ظاہری' کے بارے میں نظریہ جو قرآن میں آیا ہے، ان دھوکوں کی مدد سے سمجھنا پڑے گا؟ کیا مشابہت کو صرف ظاہراً یا ضلالاً کے اعتبار سے ہی صحیح سمجھا جا سکتا ہے؟ اگر ہم یہ کہیں کہ بچہ اپنے باپ کے مشابہہ ہے، کیا ہم یہ کہیں گے کہ یہ مشابہت صرف ایک دھوکہ ہے؟ کیا مشابہت اور اظہار کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم شکلی ہے لیکن مماثلت نہیں؟ ہم ایک گاڑی کے حادثے کا شکار ہونے والے کے بارے میں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ 'اس کی وضع مرے ہوئے کی سی ہے' اس کے زخموں کی شدت بتاتے ہوئے، لیکن کیا وہ واقعی مردہ ہے یا نہیں اس کا ہمیں نہیں پتا ہوتا۔ معاملہ دھوکے کا نہیں بلکہ جہالت کا ہے۔

علاوہ براں، کیا متبادل کا خیال مزید ظالمانہ نہیں؟ کیونکہ اس کے ساتھ ہی فریب کا تصور بھی اسی دھوکے میں ڈالا گیا۔ یقیناً ایسے تصورات ایک سچے مسلم کے لیے بے معنی ہیں جو کہ حق کے متلاشی ہیں۔ صورتحال مزید بدتر ہوتی جاتی ہے اگر یہ مزعوم ہو کہ دھوکا اور فریب اللہ کی طرف سے اجازت یافتہ ہیں، یا پھر یہاں تک کہ اس کی طرف سے تصدیق شدہ ہیں۔ یہ خطرناک حد تک گستاخی کے ذمرے میں آجاتا ہے۔ ہمیں قرآن سمجھنے کے لیے کافی محتاط ہونا پڑے گا۔

یہ خیال کہ قرآن ظاہراً قدیم عیسائی فرقوں کی تصدیق کرتا ہے بہت پہلے سے مانا جا چکا ہے۔ کچھ تو یہ بھی کہہ گئے کہ قرآنی تعلیمات انہی فرقوں سے مستعار یا نقل کی گئی ہیں؛ اس سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے نہیں بلکہ ان فرقوں کی طرف سے آیا ہے۔ لیکن کیا ہمارے لیے یہ نظریات قابل قبول ہیں، اتنا آگے چلے جانا کہ یہ بھی کہہ دینا کہ قرآن ان عیسائی فرقوں کے دعووں کی تائید کرتا ہے؟ اگر نہیں،

تو پھر علی نے اس آیت کی وضاحت ایسے کیوں کی (کہ عیسیٰؑ کی موت فریبی تھی) جس کے بارے میں وہ ان عیسائی فرقوں سے ہم خیال نظر آتا ہے؟

[10] یوسف علی 4:157 پر نوٹ 663 یہ الفاظ دیکھاتے ہیں کہ کوئی چیز اصل نہیں محض ظاہر ہے۔

مزید اس کہ، عموماً یہ بھی نہیں پوچھا جاتا کہ یہ فرقے (جنہیں 'دوسیتیہ' کہا جاتا ہے) ایسا عقیدہ کیوں رکھتے ہیں کہ عیسیٰؑ کو حقیقتاً مصلوب نہیں کیا گیا تھا بلکہ ایسا صرف ظاہر ہوا تھا۔ وضاحت کے لیے ہم انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی طرف رجوع کرتے ہیں: 'دوسیتیت (یونانی دوکائین سے ماخوذ، 'ظاہر ہونا') دوسیتیہ مسیحؑ کو ایک روحانی (غیر معمولی) اور آسمانی ذات قرار دیتے ہیں۔' دی کانسائز آکسفورڈ ڈکشنری (اشاعت پنجم، ۱۹۶۴) دوسیتیت کا تعارف ایسے کراتی ہے 'یہ بدعت کہ مسیحؑ کا جسم انسانی نہیں بلکہ خیالی یا آسمانی ہے۔' ویبسٹر کی نویں نیو کالیجیٹ ڈکشنری کہتی ہے کہ: 'دوسیتیت: ایسا عقیدہ، جس کی بطور بدعت اولین عیسائیت نے مخالفت کی، اس بارے میں کہ مسیحؑ صرف ظاہری طور پر انسانی جسم رکھتے تھے اور صلیب پر تکالیف اور موت بھی ظاہری ہی تھیں۔' (اٹالکس اضافی ہیں)

یہاں مزید سوال یہ اٹھتا ہے: کیوں ان عیسائی دوسیتیہ فرقوں نے یہ بظاہر عجیب عقیدہ رکھ لیا کہ عیسیٰؑ کا جسم انسانی نہیں بلکہ آسمانی تھا، اور لہذا عیسیٰؑ تکالیف میں نہیں ہو سکتے یا مصلوب نہیں ہو سکتے جیسا کہ انسان ہو سکتے ہیں؟ کیوں عیسیٰؑ کا جسم آسمانی تھا نہ کہ دنیاوی؟ اس کا واضح جواب تو یہی ہے کہ انہیں الٰہیت کا درجہ دے دیا گیا تھا، مادی ہستی کے برخلاف۔ یونانی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا کی لیے تکلیف میں آنا ناممکن ہے (اور یقیناً مرنا بھی)۔ چونکہ مصلوبیت میں شدید تکلیف (اور موت) ہوتی ہے، یہ ایک خدائی مسیحؑ کے لیا ممکن نہیں کہ اسے مصلوب کیا جائے یا مارا جائے۔ شاید ہمیں خود عیسائیوں کو ہی اپنے بارے میں بولنے کا موقع دینا چاہیے۔ ایک عیسائی فرہنگِ مذاہب مندرجہ ذیل تعریف بیان کرتی ہے: 'دوسیتیت۔ ایک اصطلاح جو ایک اولین کلیسا کے مذہبی نظریے کی طرف منسوب ہیں جو مسیحؑ کی اصل مجسم کے برعکس ان کی تکالیف اور انسانی وضع کو خیالی یا ظاہری کہتے ہیں۔ ان دوسیتیوں کا بنیادی مقالہ یہ تھا کہ اگر مسیحؑ کو تکلیف ہوئی تو وہ خدا نہیں تھے، اور اگر وہ خدا تھے تو ان کو تکلیف نہیں ہو سکتی۔

[11] ایونجیکل ڈکشنری آف تھیوری بائے ڈبلیو۔ای۔ایل ویل بیکر

تو پھر کون سولی پر مرا اگر وہ عیسیٰؑ نہیں تھے؟ یہ مانا جاتا ہے کہ کوئی اور ان کی جگہ خفیہ تبدیل کر دیا گیا تھا بغیر کسی کو محسوس ہوئے! یہاں نقطہ یہ ہے کہ اکثر دوسیتیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰؑ خدا ہیں جو دنیا میں انسانی روپ میں آئے، نہ کہ انسانی جسم میں۔ یہی وہ نقطہ ہے جہاں وہ تقلیدی عیسائیت سے اختلاف کرتے ہیں جن کا یہ عقیدہ ہے کہ اگرچہ عیسیٰؑ خدا ہیں، وہ دنیا میں اصل انسانی جسم کے ساتھ آئے اپنی ولادت عذراء کے ذریعے، اور اسی وجہ سے انہوں نے تکالیف سہیں اور ایک انسان کی طرح وفات پائی اور حقیقتاً وہ سب محسوس کیا جو انسان محسوس کرتے ہیں۔

دوسیتی نظریے کو زیر بحث لاتے وقت جس بات کو ذہن میں رکھنا چاہیے وہ یہ کہ ان کے مطابق عیسیٰؑ مر نہیں سکتے (یا مصلوب ہو سکتے ہیں) کیونکہ ان کا جسم گوشت اور خون کا نہیں جیسا کہ ہمارا ہے، بلکہ صرف بظاہر انسانی ہے۔ ان کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ عیسیٰؑ مستقبل کے کسی دن قیامت سے پہلے وفات پا جائیں۔ دوسیتی نظریے کے مطابق عیسیٰؑ مر ہی نہیں سکتے (بجز خیالی وضع کے) کیونکہ وہ ایک انسان نہیں تھے بلکہ ایک آسمانی ہستی ہونے کی بنا پر عیسیٰؑ خدا تھے انسان نہیں، جو کہ صرف بیرونی انسانی 'شباہت' رکھتے تھے۔ اس وجہ سے کیا ہم عیسیٰؑ کی موت کے حوالے سے لفظ 'شباہت' کی تشریح قرآن میں دوسیتی انداز میں کرنے کی جرات کر سکتے ہیں، جیسا کہ چند علماء نے کیا ہے؟

اس سب کہ زیر نظر، کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن دوسیتیوں کی حمایت کرتا ہے؟ ہم ایک بزرگ اسلامی عالم سے اپنی حالیہ کتاب میں سے اس کا جواب لیں گے: ' آج کل کے بیشتر اسلامی علماء یہ بحث کریں گے کہ چونکہ دوسیتی تصور ممکن ہے، قرآن کا عیسیٰؑ دوسیتی عیسیٰؑ سے ہر دوسرے لحاظ سے مختلف ہے: قرآنی عیسیٰؑ ایک گوشت پوست کا مجسم ہے، جبکہ دوسیتیت میں وہ صرف ایک سایہ ہی ہے۔' یہ عالم اس کی وضاحت نہیں کرتے کہ کیوں دوسیتی تصور کا استعمال کیا جاتا ہے اگر دوسیتی عیسیٰؑ قابل قبول نہیں؟

بلاشبہ، کیادوسیتی تصور قاری کواسی نتیجہ پر نہیں پہنچادے گی کہ دوسیتی عیسیٰ[12] یہ دراصل مصدقہ ہیں؟ کیایہ بہتر نہیں کہ دوسیتی تصور کے استعمال کی تجویز ہی سرے سے مسترد کردی جائے؟

---

[12] دی مسلم جیزز، سیئنگ اینڈ سٹوریزان اسلامک لٹریچر تعارف خالدی، ہارورڈیونیورسٹی پریس، فورتھ

لیکن اگر دو سیتی تصور رد کر دیا جاتا ہے، تو پھر عیسیٰؑ کی وفات سے متعلق 'شباہت' کو سمجھنے کے لیے ہمارے پاس اس کا کیا متبادل ہے؟ صریحاً ایسا دکھتا ہے کہ سوائے انجیل کے (جس کی، اگر ہم یاد کریں تو اللہ نے قرآن میں عیسیٰؑ پر اتارنے کی تصدیق کی ہے) اور ہمارے پاس کوئی قابل اعتماد متبادل نہیں، یعنی کہ، عیسیٰؑ فوت ہوئے اور پھر اللہ کے وسیلے سے تین دن بعد موت سے اٹھائے گئے، اور پھر ۴۰ دن بعد اللہ کی طرف اٹھا لیے گئے۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے، 'شباہت' کا مطلب ہمشکلی ہے نہ کہ مماثلت، جیسا کہ ایک بیٹا اپنے باپ کی طرح ہوتا ہے گو کہ وہ وہی نہیں ہوتا جو اس کا باپ ہوتا ہے۔ عیسیٰؑ کی وفات ایک حقیقی موت تھی، لیکن یہ ایسی موت نہیں تھی جیسی کہ دیگر ہوتی ہیں جس میں صرف عیسیٰؑ کو اور باقی کسی کو نہیں تین دن بعد موت سے اٹھا لیا گیا اور پھر اللہ کی طرف لے جایا گیا۔ تو اس طرح یہ ایک ایسی موت تھی جیسی کہ دیگر لوگوں کی ہوتی ہے، مگر ویسی نہیں بھی تھی۔

اگر ہم دو سیتی بیان کی تردید کرتے ہیں، تو کیا قرآن کی اس آیت میں 'شباہت' کو کسی اور انداز میں سمجھا جا سکتا ہے؟ ہر صورت، کیوں ہمیں قرآن اور انجیل کی ہم آہنگی کو قبول کرنے جھجک محسوس ہو جیسا کہ اس بیان میں دیکھا جا سکتا ہے، جب کہ وہ ہم آہنگی ایسی ہو جس کی تصدیق قرآن خود کرتا ہو

4:157 کے آخری جملے میں فرمان ہے کہ، 'انہوں نے مسیح کو یقین کے ساتھ قتل نہیں کیا:۔' اور اس کے بعد اگلی آیت میں ارشاد ہے، جو ایک اہم معمے کی توضیح کرتی ہے۔ یہ یقیناً ایک معما ہے، جیسا کہ یوسف علی بیان کرتے ہیں، 'عیسیٰؑ کی دنیا میں زندگی کا خاتمہ اتنا ہی معما ہے جتنا کہ ان کی پیدائش' (4:157 پر نوٹ 663)۔ یہاں 'معمے' کا تعلق عیسیٰؑ کی پیدائش میں اللہ کی مداخلت ہے جو کہ اس دنیا میں ان کی زندگی کے خاتمے پر بھی ہے۔ یہ ہمارے لیے معمے ہیں کیونکہ ان میں معجزانہ دخل بھی ہے، اور ہم معجزات نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن ان معجزوں سے کیا اللہ اپنے منصوبوں

میں عیسیٰؑ کی انفرادیت کی طرف اشارہ نہیں کر رہا؟ کیا اس حقیقت کو رد کرنے کی جرات ہماری اپنی روحانی بے بصیرتی کو ظاہر نہیں کرتی؟ کیا یہ واضح طور پر سچ نہیں کہ کسی اور کی زندگی معجزوں سے گھری ہوئی نہیں، ان تمام معجزات کا ذکر کرتے ہوئے جو عیسیٰؑ کی دنیاوی زندگی کے آغاز سے لے کر خاتمے تک واقع ہوئے؟ اور کیا اس سب کو اللہ نے نبی ﷺ کے ذریعے قرآن میں ہم تک پہنچایا؟

4:157 کے آخری جملے میں، 'انہوں نے مسیح کو یقین کے ساتھ قتل نہیں کیا:۔' یہ حتمی ہے کہ یہودیوں نے عیسیؑ کو مصلوب نہیں کیا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ، جیسا کہ ہم نے ملاحظہ کیا کہ صرف رومی ہی سزائے موت دے سکتے ہیں۔ پھر بھی، رومی یہ نہیں کر سکتے تھے اگر یہودی فتنہ انگیزی نہ کرتے تو، کیونکہ رومیوں کا عیسیؑ کے ساتھ کوئی براہ راست جھگڑا نہیں تھا۔ لیکن یہودیوں کے جو بھی عزائم تھے یا رومیوں کے یا کسی بھی اور کے، حقیقت یہ ہے کہ قرآن کہتا ہے، 'انہوں نے مسیح کو یقین کے ساتھ قتل نہیں کیا:۔' لیکن جملہ یہاں ختم نہیں ہوتا کیونکہ ':۔' یہ ظاہر کرتا ہے کہ، یہ عمدہ الفاظ کے ساتھ ابھی جاری ہے، 'بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھالیا'۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ عیسیؑ کبھی مرے ہی نہیں، یا پھر ان کی موت ویسی نہیں تھی جیسا کہ دیگر لوگوں کی ہوتی ہے، کیونکہ اللہ نے انہیں اٹھایا؟

'اس کو اپنی طرف اٹھالیا' کا کیا مطلب ہے؟ ایک اور قطعے میں، 2:259، ہم پڑھتے ہیں کہ، 'اللہ نے اسے مار دیا سو سال تک کے لیے پھر اسے اٹھایا'۔ یہاں ایسا سوال بالکل نہیں ہے کہ یہ الفاظ 'اسے اٹھایا' کا مطلب 'دوبارہ زندگی بخشی' ہے یا 'موت سے زندہ کرنا' ہے۔ اگر یہی مطلب ہے 4:158 میں 'اس کو اپنی طرف اٹھالیا' کا تو پھر عیسیؑ کی 'متشابہہ' موت جھوٹی یا ظاہری موت نہیں، لیکن یہ کہ موت صرف ظاہری تھی عارضی طور پر ہونی کی صورت میں۔ ایک بیہوش شخص بھی مردہ دکھتا ہے۔ایک بڑے لوگوں کی تعداد موجود ہے جنہیں طبّی مردہ قرار دیا جا چکا تھا لیکن بعد میں وہ واپس زندگی کی طرف آگئے، کبھی چند گھنٹوں بعد تو کبھی دنوں بعد۔ یقیناً انہیوں نے بھی موت کی 'شباہت' کا ذائقہ چکھا ہوگا۔

ان تمام صورتوں میں کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ نے انہیں 'اپنی طرف' اٹھالیا جیسا کہ عیسیٰؑ کے بارے میں کیا گیا۔ تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے عیسیٰؑ کو موت کی کسی اور شکل میں اٹھایا اور پھر انہیں 'اپنی طرف' لے آئے؟

---

[13] اس میں عیسیٰؑ کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا ہے بلکہ یہ ایک حوالہ ہے۔ اس حصے پر مزید معلومات کے لیے آیت 2:259 پر یوسف علی کا نوٹ 304 دیکھیں جہاں وہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ یہ الفاظ عام طور پر استعمال کیے گئے ہیں۔ میرے خیال میں یہ کسی واحد شخص کی طرف نہیں بلکہ ایک قوم، موت اور دوبارہ اٹھائے جانے کی طرف ہے۔

یا پھر اس کا صرف یہی مطلب ہے کہ اللہ نے عیسیٰؑ کو آسمان میں بدنی طور پر 'اپنی طرف' مجسم اٹھایا تاکہ وہ کلی طور پر موت سے جان بدر ہو جائیں؟ جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں انہوں نے یہ نہیں سوچا ہوگا کہ ایک بدنی جسم آسمان جیسی روحانی جگہ پر کیسے رہ سکتا ہے۔ اگر ایسا ہو سکا ہے، تو: (۱) عیسیٰؑ یقیناً بالکل ہی منفرد ہیں کیونکہ، جہاں تک قرآن کا تعلق ہے، آج تک کبھی کوئی شخص جسمانی طور پر آسمان میں داخل نہیں ہوا؛ اور (۲) چونکہ آسمان میں کوئی موت نہیں ہے، تو عیسیٰؑ کا جسم امر ہو گیا ہے، جس کا مطلب ہے کہ وہ کبھی مر نہیں سکتا، اس لحاظ سے جو لوگ اب آسمان میں ہیں ان کی مستقبل میں موت کا ذکر کرنا بے معنی ہو گا۔ اگر کوئی جنت میں جانے کے بعد بھی مر سکتا ہے، تو پھر کوئی وہاں موت سے محفوظ کیسے ہو گا؟ کیا وہ لوگ جو جنت میں ہیں موت کے امکان کے ساتھ جیتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو پھر تو جنت نے اپنا مطلب کھو دیا۔ ایسا سب کچھ یقیناً قرآنی تعلیمات کے منافی ہے۔ اب یہ واضح ہو جانا چاہیے کہ عیسیٰؑ کی موت کا انکار کر کے ہم اپنے آپ کو ہر طرح کی مصیبت میں پھنسا رہے ہیں جس میں سے اپنے آپ کو نکالنا مشکل، بلکہ شاید ناممکن ہے۔

لیکن ایسا لگتا ہے کہ اس تجویز کے بارے میں کہ عیسیٰؑ دراصل مار دیے گئے تھے ایک عام کراہت محسوس کی جاتی ہے۔ کہ چونکہ یہودیوں نے انہیں نہیں مارا تو پھر کسی نے بھی انہیں نہیں مارا، اور عیسیٰؑ کبھی مرے ہی نہیں۔ یہ ایک بری تشریح اور بری منطق ہے، کیونکہ اس کا تو یہ مطلب بنے گا کہ عیسیٰؑ زندہ کرنے کے معنوں میں نہیں اٹھائے گئے تھے بلکہ جسمانی طور پر آسمان میں منتقل کر دیے گئے تھے۔ کچھ لوگوں کے لیے یہ بہت مقبول و محتمل بیان ہے کہ وہ مارے گئے تھے۔ عیسیٰؑ کی موت اور حیات بعد الموت کے نظریات رد کر دیے جاتے ہیں اور اس کی جگہ 'صعود' (جو عیسائی بھی درس کرتے ہیں) پر زور ڈالا جاتا ہے۔

لیکن یہ 'صعود' بذات خود بھی ایک منفرد معجزہ ہی ہے۔ ہر کوئی بلا آخر مر جائے گا اور پھر حیات بعد الموت میں اٹھالیا جائے گا، جیسا کہ قرآن واضح طور پر بتلاتا ہے، لیکن قرآن میں (یا اصل زندگی میں) کبھی کسی کو آسمانوں میں مجسم نہیں لے جایا گیا بغیر اس کے کہ وہ مر گیا ہو۔ ہم کرنا کیا چاہ رہے ہیں؟ عیسیٰؑ کی انفرادیت و شان کا درجہ نا قابل یقین حد تک بلند کر دیں؟ یا پھر کیا ان کو نیچے انسانی سطح پر لانے کی تمام کوششیں مخالف اثر کے باعث مزید ان کی بڑائی میں اضافہ کر رہی ہیں؟

یہ بیوقوفی ہے، اگر مضحکہ خیز نہیں ہے تو، کہ ایک نسبتاً معمولی موضوع یعنی کہ عیسیٰؑ کے آسمان میں جسمانی عروج کو نیچا کر کے دکھایا جائے۔ ایسا کرنے سے صرف فکری صلاحیتوں کا فقدان ہی نظر آئے گا جو ضروری معاملات کی اہمیت کا تدارک نہیں کر سکتا ہو گا۔ بے شک، ہم پر توجیہی بنیادوں پر حیران کن روحانی اور ذہنی کند یا بے وقوفی کی سطح پر پہنچ جانے کا الزام عائد ہو سکتا ہے

عیسیٰؑ کی موت سے متعلق سوال پر، قرآن یقینی طور پر زور دیتا ہے کہ یہودیوں نے ان کو قتل یا مصلوب نہیں کیا۔ لیکن ہم کیوں یہ خیال کر لیتے ہیں کہ 'یہودیوں' میں شامل یا ان سے مراد کل انسانیت ہے یہاں تک کہ اگر یہودی انہیں نہیں مار سکتے تو پھر کوئی بھی نہیں مار سکتا، یا مارا ہو گا؟ کیا قرآن کو اس انداز میں سمجھنا منطقی فقدان کی شرمناک سطح کی عکاسی کر رہا ہو گا؟

کیا عیسیٰؑ سے متعلق ہماری کراہت ان سے بے پناہ محبت کی وجہ سے ہے؟ یا پھر یہ اس وجہ سے ہے کہ عیسائیوں کا عیسیٰؑ کی ان کے لیے کفریہ موت کا عقیدے ہمارے لیے جارحانہ اور گھناؤنا ہے؟ کیا ہمیں ان کی موت کی نفی کر دینی چاہیے صرف اس وجہ سے کہ ہم ان کی موت کے بارے میں عیسائی عقیدے کی نفی کرتے ہیں؟ لیکن یہ منطقی دو مختلف موضوع ہیں۔ کیا یہ دونوں چیزیں ہمارے دماغوں میں اتنی ہم متوازی ہیں کہ ہم ان کی موت کے بارے میں عیسائی تعلیمات کا انکار کرتے کرتے ان کی موت کا ہی انکار کر دیتے ہیں اگرچہ یہاں اللہ کی طرف سے 'اس کو اپنی طرف اٹھا لیا' میں ایک اشارے سے زیادہ ہے (جو کہ بعثت بعد الموت ہے) جیسا کہ ہم دیکھیں گے جب ہم قرآن کے اگلے حصے پر غور کریں گے؟

یقیناً عیسیٰؑ کی صلیب پر موت کسی لحاظ سے بھی ہمیں عیسائی تفسیر کو ماننے پر مجبور نہیں کرتی جس کے مطابق ان کی موت کا مطلب 'غیر مباشر (متبادلی) گناہوں کا کفارہ ہے' (علی کا بیان گزشتہ حاشیے میں منقول ہے)۔ایک حقیقت اور اس حقیقت کی تفسیر دو مختلف چیزیں ہیں۔ مثلاً، یورپ اور شمالی امریکا کے لوگ عیسیٰؑ کی موت کو تاریخی حقیقت سمجھتے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ وہ اس کفریہ اہمیت پر بھی یقین رکھیں جو ان کو کلیسا نے بتلایا؛ ان میں سے بیشتر نہیں بھی مانتے۔

مثال کے طور پر یورپ اور شمالی امریکہ میں لوگ عیسیٰؑ کی صفات بطور تاریخی سچ قبول کرتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ آپؑ کی وفات کی بطور کفارہ دینے والی اہمیت پر بھی یقین رکھتے ہیں جیسا کہ چرچ نے تعلیم دی ہے۔ ان کا بڑا حصہ اس بات پر یقین نہیں رکھتا۔

قرآن کی آیت 19:33 کی طرف لوٹتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ شیر خوار عیسیٰؑ نے کہا "اور جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا مجھ پر سلام (و رحمت) ہے"۔ (19:33)

توجہ دیں کہ آپؑ کی وفات کا ذکر "اٹھایا جانے" سے پہلے ہے۔ بے شک، ان کو کیسے "دوبارہ زندہ کیا جا" سکتا ہے اگر وہ مرے ہی نہیں؟ ان الفاظ پر یوسف علی لکھتے ہیں، "وہ جو یقین رکھتے ہیں کہ آپؑ نے کبھی وفات نہ پائی اس آیت پر غور کریں"[15]۔ یہ ماننے کے لیے بالکل نہ تیار کہ بیان "وہ (یہودی) انہیں قتل نہ کر سکے" ایک مخصوص عیسائی فرقے کی طرف سے ہے (جسکا مطلب یہ ہے کہ یہ الفاظ اللہ کی طرف سے نہ ہیں بلکہ بندوں کے ہیں۔) کیا ہمیں یہ الفاظ اللہ کی طرف سے ہونے پر ثابت قدم نہ رہنا چاہیے؟ کیا یہ محمد ﷺ کے ذریعے اللہ کا عیسائیوں اور پوری دنیا کے لیے پیغام نہیں ہے؟ اس جامع پیغام کی اہمیت کو ہم صرف تب ہی سمجھ سکتے ہیں جب ہم تاریخ کا مطالعہ کریں گے۔ اس جامع مگر مختصر پیغام کے الفاظ تاریخی طور اہمیت کے حامل ہیں۔ اس بات کو تاریخ یا یورپی تاریخ کے تناظر میں دیکھنے پر معلوم ہو گا کہ یہ الفاظ ساتویں صدی کے پہلے حصے میں کہے گئے۔ عیسائیت اس وقت تک مغرب کا مذہب بن چکا تھا۔ 135 صدی عیسوی میں کی گئی رومیوں کے خلاف بغاوت کے باعث یہودی، عیسائیت کی دوسری صدی میں فلسطین میں اپنا علاقہ کھو چکے تھے۔ وہ ہر طرح سے منتشر تھے اور ان میں سے اکثر لوگ یورپ کے کچھ حصوں میں آباد ہو گئے اور کچھ بہتر زندگی گزارنے لگے۔

[15] جیسس کرائسٹ اینڈ میری، کال ٹو یونیٹی پبلیکیشنز، استنبول 2003، صفحہ نمبر 20این، 29 میں حوالہ دیا گیا ہے۔

لیکن ان کو کسی وجہ سے پسند نہیں کیا جاتا تھا۔ شاید ایسا ان کے لاغیرت پسندی، انفرادیت اور عجیب مزاج کی وجہ سے تھا۔اور چرچ میں اس خیال کی مقبولیت کہ ،یہودیوں نے عیسیٰؑ کو قتل کیااور ان کے مقدمے کی سماعت کے وقت رومی گورنر کے سامنے آپؑ کے خون اور آپؑ کو سولی پر لٹکانے کا مطالبہ اور آخر کار آپؑ کے قتل کا سبب بننے، نے اس صورتحال کو مزید بگاڑ دیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ چرچ کی یہودیوں کے لیے نفرت بڑھ گئی۔ مارٹن لوتھر نے جو کہ جرمنی میں بہت اثرورسوخ والا تھا۔ رومیوں پر اپنی تحریر کے دیباچے میں یہودیوں کے لیے اعانت کا اظہار کیا۔ چار صدیوں بعد ہٹلر کا جھنڈا یورپ کے بڑے حصے پر لہرایا۔ جھنڈا جس پر صلیب کی علامت تھی۔ دو مڑے ہوئے خطوط سے بنی صلیب کی علامت یعنی سواسٹیکا۔ اس جھنڈے کے سائے میں 6 ملین یہودیوں کو قتل کر دیا گیا۔ پس یہودیوں نے عیسیٰؑ کو قتل کیا کے نظریے کے ذریعے بویا گیا بیج انسانیت کے خلاف بدترین ظلم و جبر کا باعث بنا۔ ایسا ظلم و جبر جس کی انسانی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ یہ مظالم "عیسائی" ملکوں میں ڈھائے گئے۔ یہودیوں کے خلاف نفرت کا بیج کیونکہ انہوں نے عیسیٰؑ کو صلیب پر چڑھایا چرچ کے ابتدائی زمانے میں پرو دیا گیا اور آپ ﷺ کے زمانے میں پروان چڑھا۔ اللہ جو کہ عالم الغیوب اور سب چیزوں کو جانتا ہے، نے آپ ﷺ کے ذریعے دنیا کو پیغام دیا "یقیناً" انہوں (یہودیوں) نے آپؑ کو قتل نہ کیا"۔ یہودیوں کو پسند کرنا یا نہ کرنا ہمارا ذاتی فعل ہے لیکن اللہ کی اطاعت کرنے والا مردوں، عورتوں اور بچوں کو صرف نفرت کے باعث ایسے قتل نہیں کر سکتا۔ عیسائیوں اور انسانیت کی تاریخ کتنی مختلف ہو سکتی تھی اگر وہ اللہ کی انتباہ پر کان دھرتے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ انتباہ کبھی عیسائیوں تک پہنچی؟ بد قسمتی سے اسکا جواب نہیں میں ہے۔ لیکن کیوں؟ کیا اسکی وجہ تبلیغ کی بجائے جنگ اسلام کو پھیلانے کا طریقہ تھی؟ گیارہویں صدی عیسوی میں صلیبی جنگوں کے بعد اختلافات کے باعث فریقین میں بات چیت ممکن نہ تھی۔ کیا ان اختلافات کی وجہ سے انسانیت نے افسوسناک نتائج کا سامنا نہ کیا؟ ہم نے اس سے کیا سبق سیکھا؟

اس عداوت کی وجہ سے جو آج تک موجود ہے ہم عیسیٰؑ کی موت اور ان کے صلیب پر چڑھائے جانے کو لفظی جنگوں میں استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ یہ وفات انسانیت کو بچانے کے لیے تھی۔ انجیل رومیوں کو آپؑ کا قتل کا ذمہ دار ٹھہراتی ہے۔ (اس وقت رومیوں کا دنیا پر غلبہ تھا پس وہ انسانیت کی نمائندگی کرتے تھے۔) قرآن کو عیسائیوں کے خلاف استعمال کر کے صرف عداوت کو بڑھایا جا سکتا ہے اور لوگوں کو سچ کی طرف نہیں راغب کیا جا سکتا۔ اور صورتحال کو مزید بگاڑتے ہوئے، کسی شخص کے لیے یہ دیکھنا مشکل نہیں کہ "ان کو انہوں (یہودیوں نے قتل نہ کیا) کا خود بخود مطلب "کسی نے ان کو قتل نہ کیا" نہیں۔ اس بات پر اصرار کرنا ایسی مذہبی ہٹ دھرمی دیکھنا جانا ہے جو حقیقت کے قریب نہیں۔ ایسی ہی غلط تشریح اور قرآن میں بگاڑ ہے جس کے عیسائی انجیل کے متعلق ذمہ دار ٹھہرائے جاتے ہیں۔ کیا ہم اپنی منافقت نہیں دکھاتے اور خود کو ان الزامات جو ہم دوسروں پر لگاتے ہیں کا نشانہ نہیں بناتے؟

یہ صحیح ہے کہ قرآن عیسیٰؑ کی وفات کے متعلق کچھ نہیں کہتا۔ لیکن کیا قرآن انجیل کی تصدیق نہیں کرتا؟ چنانچہ کیا قرآن عیسیٰؑ کی وفات اور اس کی وجوہات جاننے کے لیے انجیل کی طرف اشارہ نہیں کرتا؟ اس سوالات کا جواب جاننے کے لیے انجیل کے بڑے حصے کا مطالعہ کرنا ضروری ہے جسکا مطلب ہے کہ انجیل کے بڑے حصے کو قرآن میں شامل کیا جائے۔ لیکن اس کی کیا ضرورت ہے جب آپ انجیل کو پڑھ کر اس میں جوابات تلاش کر سکتے ہیں۔

چناچہ قرآن پڑھنے والے کو انجیل کی طرف بھیجتا ہے۔اور قرآن کا انجیل کی تصدیق کرنے کا مقصد اور کیا ہو سکتا ہے ؟ اسی طرح کیا ہم ان لوگوں کو جو انجیل پڑھتے ہیں، قرآن کو پڑھنا پسند نہ کریں گے کیونکہ دونوں اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں۔

4:158 بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ بڑا زبردست اور پوری حکمتوں والا ہے؛-

ان دو جملوں میں میں تعلق عیسیٰ ؑ کو "اپنی طرف اٹھانا" اور اللہ کی دانائی اور طاقت کا اظہار ہے

یہ دیکھاتا ہے کہ اللہ تمام قوتوں والا دانا ہے اور عیسیٰ ؑ کو اٹھانا ایسا غیر معمولی کام ہے جو اللہ کے بلند مرتبے کا اظہار ہے۔

عیسیٰ ؑ کو اپنی طرف اٹھانا ان کو موت کے بعد اٹھانے جیسا غیر معمولی محسوس نہیں ہوتا۔آیت 3:26-27 میں نہایت خوبصورتی سے سچے مسلمانوں کو اللہ کی طاقت کا اعلان کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔("ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے")۔اللہ کی طاقت کی ایک اہم مثال" جاندار میں سے بے جان کو نکالتا ہے اور بے جان میں سے جاندار کو اور جسے چاہتا ہے، بے حساب رزق دیتا ہے"۔(3:27)

ہر چیز پر قادر ہونے کا مطلب موت پر بھی قوت ہونا ہے۔اور جس کے ہاتھ میں موت پر طاقت ہے وہ موت کو صرف علامت میں تبدیل کر سکتا ہے۔جیسا کہ انسان کا سایہ اسکی موجو گی کو ظاہر کرتا ہے اور اس کے اصل پن کو نہیں۔صرف اللہ کا موت سمیت ہر چیز پر زور ہے۔

4:159 اہل کتاب میں ایک بھی ایسا نہ بچے گا جو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لاچکے اور قیامت کے دن آپ ان پر گواہ ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کے عیسیٰؑ کو بطور پیغمبر بھیجنے اور اپنی طرف اٹھانے کے غیر معمولی فعل کے باعث ہر ایک کا عیسیٰؑ پر ایمان لانا ضروری ہے۔ لیکن اس آیت میں "موت سے پہلے" کا کیا معنی ہے؟ "ان" لوگوں، کتاب، یا عیسیٰؑ کی طرف اشارہ کر سکتا ہے۔ یہ سمجھنا کہ یہ عیسیٰؑ کی طرف اشارہ کرتا ہے مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ وہ کب فوت ہوئے؟ اگر وہ اپنے تین سالہ زمانے کے اختتام پر (جیسا کہ عیسائی کہتے ہیں) فوت ہوئے تو لوگوں کے پاس ایمان لانے کے لیے بمشکل وقت تھا۔ لیکن اگر وہ فوت نہ ہوئے تو ان پر ان کی موت سے ایمان لانے کو کہنے کا کیا مقصد ہے؟

چنانچہ ایسا لگتا ہے "اسکی موت سے پہلے" سے مراد ان میں سے ایک کی موت ہے جس نے "ان پر ایمان" لانے کی طرف بلایا۔ کیونکہ اگر وہ ان پر جب کہ وہ زندہ ہیں ایمان نہیں لاتے تو قیامت کے دن وہ اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے جب اللہ عیسیٰؑ کو "ان کے خلاف گواہ" ہونے کو حکم دیں گے۔

---

[16] لوگ کہتے ہیں کہ عیسیٰؑ فوت نہ ہوئے بلکہ آسمان ک طرف اٹھا لیے گئے وہ 4:159 میں "ان" سے مراد عیسیٰؑ لیتے ہیں۔ یوسف علی لکھتے ہیں "وہ کہتے ہیں کہ عیسیٰؑ جسمانی طور پر اٹھا لیے گئے اور وہ قیامت سے پہلے مہدیؑ کی آمد کے بعد آئیں گے۔ جب دنیا کو لادینی اور گناہ سے پاک کر دیا جائے گا۔ دوبارہ اٹھائے جانے سے پہلے ایک ایک آخری موت ہو گی مگر تمام لوگ اس موت سے پہلے ایمان لا چکے ہوں گے۔ (نوٹ 665)۔

یہاں یہ تصور کیا جا رہا ہے کہ عیسیٰؑ اس وقت وفات پائیں گے۔ تاہم یہ سب قرآن میں عیسیٰؑ کے متعلق کہیں نہیں آتا تو کیا یہ آیت 4:157 میں تذکرہ شدہ "قیاس" کی حد میں نہیں آتا؟ کیا ہمیں اس چیز سے جس سے قرآن روکتا ہے نہیں رکنا چاہیے؟ اور قیاس آرائی کرنے کی ضرورت ہے جب "ان کا" کو لوگوں کے مرنے سے پہلے ایمان لانے کی طرف

اشارہ کر کے صحیح طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ چناچہ پہلے بیان کے مخالف اسی نوٹ میں یوسف علی لکھتے ہیں "کچھ لوگ کہتے ہیں کہ "ان" سے مراد عیسیٰؑ کی بجائے "اہل کتاب میں سے کوئی نہیں" کی طرف اشارہ کیا جانا چاہیے۔

4:171 اے اہل کتاب! اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گزر جاؤ اور اللہ پر بجز حق کے اور کچھ نہ کہو، مسیح عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) تو صرف اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس کے کلمہ (کن سے پیدا شدہ) ہیں، جسے مریم (علیہا السلام) کی طرف ڈال دیا تھا اور اس کے پاس کی روح ہیں اس لئے تم اللہ کو اور اس کے سب رسولوں کو مانو اور نہ کہو کہ اللہ تین ہیں، اس سے باز آجاؤ کہ تمہارے لئے بہتری ہے، اللہ عبادت کے لائق تو صرف ایک ہی ہے اور وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو، اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا۔

"دین کی بات میں حد سے نہ بڑھو" پر یوسف علی لکھتے ہیں، "جیسا کہ ایک بیوقوف غلام اپنے جذبے میں حد سے بڑھ کر کوئی غلط کام کر سکتا ہے ایسے ہی مذہبی لوگ اپنے جذبے میں نہ صرف گستاخی کر سکتے ہیں بلکہ بالکل وہی کام بھی کر سکتے ہیں جن سے انکا مذہب روکتا ہے"۔

یہودیوں اور عیسائیوں کی حد سے بڑھنے کے تذکرے کے بعد یوسف علی لکھتے ہیں

"ہمارے مسلمانوں کو بھی خبردار رہنا چاہیے کہیں وہ اصولوں یا روایات میں حد سے آگے نہ نکل جائیں" (نوٹ 675) بے شک یہ دانائی کے الفاظ ہیں مگر کہنا آسان اور اس پر عمل کرنا مشکل ہوتا ہے۔ تعصب ایک ایسا حد سے بڑھنا ہے جس سے بچنا نہایت مشکل ہے۔ کیا یہ تعصب نہیں جو سچ سے وفا نہایت مشکل بنا دیتا ہے؟ کیونکہ ہم سچ کو اپنے تعصب سے بگاڑ سکتے ہیں مگر اپنے تعصب کو سچ سے درست نہیں کر سکتے۔

قرآن کی ان آیات کی تشریح ہمیں مثالیں عطا کرتی ہے۔ مثال کے طور پر آئیں آیت 4:171 کے الفاظ "عیسیٰؑ ابنِ مریم اللہ کے پیغمبر (سے زیادہ نہ) تھے" کا مطالعہ کریں۔ الفاظ سے زیادہ نہ مترجم کی طرف سے اضافہ کیے گئے۔ کیا ان

الفاظ کا مطلب اس پورے بیان کی اہمیت کو کم کرنا ہے ؟اگر ایسا ہے تو تعصب واضح ہو گیا۔ لیکن "رسول اللہ" آپ ﷺ کا ایک اہم خطاب ہے اور یہاں عیسیٰؑ کے یہ استعمال کے گئے الفاظ پچھلی سورۃ میں آپ ﷺ کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔

"محمد ﷺ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ بس اللہ کے رسول ہیں"۔(3:144) یقیناً کوئی یہ نہیں سوچے گا کہ ان الفاظ کا مقصد محمد ﷺ کی اہمیت کو کم کرنا ہے[17]؟

ان الفاظ "محمد ﷺ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ بس اللہ کے رسول ہیں" کو موت کے تناظر میں استعمال کیا گیا ہے۔ موت جو کہ تمام انسانیت پر لاگو ہوتی ہے۔(3:143-145 دیکھیں)

اگرچہ آپ ﷺ شہید کر دیے جاتے (آپ ﷺ کے جنگِ احد میں شہید ہونے کی افواہیں گردش کر رہی تھیں) تب بھی اللہ کا پیغام نہیں رک سکتا تھا(3:144)۔ کیا یہ ممکن ہے کہ عیسٰیؑ کے لیے استعمال کیے گئے الفاظ کا بھی یہی معنی ہو کہ وہ بھی انسان ہیں اور "ابنِ آدم" کی طرح وفات پا جائیں گے۔

لیکن اگر عیسٰیؑ کی وفات کو رد کیا جائے اور اس بات پر اصرار کیا جائے کہ عیسٰیؑ فوت نہ ہوئے[18] تو الفاظ "پیغمبر سے زیادہ نہیں" کو شامل کرنے کا کیا مقصد ہے؟ یا کہیں ہم اپنے تعصب کی بنا پر ان کی بطور رسول اہمیت کو کم کو نہیں کرنا چاہتے؟ ایسی تعصبیت قرآن میں کہیں نہیں ملتی اور قرآن کی تعلیمات کے مخالف ہے۔

لیکن یہ معاملہ اور سنگین بن جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ "زیادہ سے نہیں" آیت 4:171 میں موجود اگلے الفاظ پر بھی لاگو ہوتا ہے کہ یہ فقرہ ابھی ختم نہ ہوا بلکہ اس کے فوراً بعد "اللہ کے الفاظ" اور "ان کے بعد (ایک) روح" آتا ہے۔ چنانچہ خوامخواہ استعمال کیے گئے الفاظ "سے زیادہ نہیں" تین چیزوں کے لیے استعمال ہو سکتے ہیں 'رسول'، 'الفاظ' اور 'روح'۔ تو کیا اللہ کے الفاظ اور اس کی روح کا ذکر کرتے ہوئے 'سے زیادہ نہیں' کا استعمال گستاخی نہیں؟

[17] آیت 3:144 میں ہم پڑھتے ہیں "محمدؐ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں، اُن سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں، پھر کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ یاد رکھو! جو الٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا، البتہ جو اللہ کے شکر گزار بندے بن کر رہیں گے انہیں وہ اس کی جزا دے گا" یہ واضح ہے کہ اس آیت اور اس سے پہلی آیات (3:143) اور (3:145) موت کے متعلق ہیں۔

[18] یوسف علی (غیر یقینی طور پر کیونکہ 5:117 پر ان کا فوٹ نوٹ دیکھیں) اس خیال کو ظاہر کرتے ہیں کہ عیسیٰؑ فوت نہیں ہوئے۔ اگر ایسا ہے تو وہ 'سے زیادہ نہیں کو استعمال کرنے کی کوئی وجہ پیش نہیں کر سکتے کیونکہ 3:144 میں یہ الفاظ وفات کے متعلق ہے جو عیسیٰؑ پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

ہمیں دھیان سے قدم اٹھانے چاہیے کہ کہیں ہمارا تعصب ہمیں اتنا اندھا نہ کردے کہ ہم اللہ کے سچ سے منہ پھیر لیں اور جہنم کے گڑھے میں جا گریں۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ 'پیغمبر سے زیادہ نہیں 'آپ ﷺ کا اللہ کا رسول ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے کئی بار استعمال ہوا ہے اور آپ ﷺ کا بطورِ پیغمبر کام سننے والوں کو خبردار کرتا ہے۔ آپ ﷺ کی ذمہ داری صرف پیغام پہنچانا ہے۔ ایک مرتبہ وہ پیغام پہنچادیں تو آپ ﷺ کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے اور یہ سننے والوں پر منحصر ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں کہ نہیں۔ مثال کے طور پر آیت 11:12 "سن لیجئے! آپ تو صرف ڈرانے والے ہی ہیں اور ہر چیز کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہے" اور آیت 27:92 میں "اور یہ قرآن پڑھ کر سناؤں" اب جو ہدایت اختیار کرے گا وہ اپنے ہی بھلے کے لیے ہدایت اختیار کرے گا اور جو گمراہ ہو اُس سے کہہ دو کہ میں تو بس خبردار کر دینے والا ہوں" آیت 38:65 میں ہے "کہہ دیجئے! کہ میں تو صرف خبردار کرنے والا ہوں اور بجز اللہ واحد غالب کے اور کوئی لائق عبادت نہیں"۔ اسکے علاوہ آیت 79:45؛13:7 آیت 4:171 میں عیسیٰؑ کے "اللہ کا کلمہ "ہونے کے متعلق یوسف علی سوچتے ہیں کہ انہوں نے اپنی اس تحریر سے وضاحت کر دی ہے "وہ اللہ کے لفظ کن سے پیدا ہوئے" (نوٹ 676) لیکن اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وضاحت قابل قبول نہیں کیونکہ یہ متن سے تعلق نہیں رکھتی۔ کیا ہمیں قرآن کو خود اسکی تشریح نہیں کر دینی چاہیے بجائے اس کے کہ ہم اپنے خیالات کے مطابق اس کی تشریح کریں؟ کیا ہمیں متن کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے؟ متن یہاں کیا کہتا ہے؟ "عیسیٰؑ ابنِ مریم اللہ کے پیغمبر تھے اور اللہ کا کلمہ جو اس نے مریمؑ کو عطا کیا"۔ یہاں یہ مراد نہیں ہے: "عیسیٰؑ ابنِ مریم اللہ کے پیغمبر (سے زیادہ نہ) تھے، جن کو اللہ نے اپنے کلمہ سے پیدا کیا اور مریم کو عطا کیا"۔ پھر بھی یوسف علی متن کے اسی ترجمے کو چنتے ہیں۔

یہاں متن آپؑ کا اللہ کے کلمے سے پیدا ہونے کا ذکر نہیں کرتا (اگر اس بات کا اور جگہ تذکرہ ہے جیسا کہ یوسف علی نے حوالہ دیا ہے) مگر یہاں بیان سے مراد بالکل مختلف ہے۔

یہاں یہ تذکرہ ہے کہ عیسیٰؑ اللہ کا کلمہ تھے اور چونکہ اس چیز کا کہیں تذکرہ نہیں کہ اب وہ اللہ کا کلمہ نہیں رہے چناچہ وہ اب بھی اللہ کا کلمہ ہیں۔ اور اللہ کا کلمہ مریم کو اس ذریعے سے عطا کیا گیا کہ وہ ان کو دنیا میں لائی۔ کیا یہ کلمہ مریمؑ کو ان کی وجہ سے عطا کیا گیا؟ بے شک نہیں، کیونکہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کا کلمہ اللہ کا رسول ہوتا ہے جس کو اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے دنیا میں بھیجا جاتا ہے۔

اگر عیسیٰؑ "اللہ کا کلمہ "ہیں اور اس کلمے کا کچھ حصہ نہیں تو اس میں ضرور 'کن' بھی شامل ہو گا۔ اللہ کے تخلیق کرنے کا کلمہ مریم کو عطا کرنا عیسیٰؑ کی پیدائش کا سبب بنا ہے جو اللہ کا کلمہ بن کر اس دنیا میں آئے۔

یہی بات ہم آیت 19:35 میں پڑھتے ہیں، "اللہ کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے وہ پاک ذات ہے وہ جب کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا، اور بس وہ ہو جاتی ہے"۔

اللہ نے انسانوں کی طرح کسی بیٹے کو نہ جنا۔ انسانوں کے جنسی تعلقات کو اللہ سے منسوب کرنا نہایت شرمندگی کا باعث ہے۔ اس کے برعکس اللہ نے اپنا تخلیقی کلمہ مریم کو بھیجا پس عیسیٰؑ جن کو قرآن "اللہ کا کلمہ "کہتا ہے، دنیا میں آئے۔ کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ عیسیٰؑ اللہ کے پیغمبر اور پیغام بھی ہیں کیونکہ 'کلمہ' پیغام ہی ہوتا ہے۔ اللہ رحمٰن ورحیم اور قیامت کے دن کا مالک ہمیں اس کو سمجھنے کی توفیق عطا کرے۔

جیسا 'اسکے کلمے' کے لیے درست ہے ویسا ہی آگے بیان کیے گئے 'روح' سے متعلق جملے کے لیے بھی درست ہے[20]۔ مقصد یہ نہیں کہ عیسیٰؑ کیسے پیدا ہوئے بلکہ یہ ہے کہ وہ کیا ہیں: "وہ اللہ کا کلمہ ہیں اور اللہ کی روح ہیں"۔

یہ بیان قرآن میں دیکھنے والوں کے لیے واضح ہے۔ لیکن کیا اس بیان کو قبول کرنا ہمارے بس سے باہر ہے؟ کیا یہ ہماری روایات اور تعصب کے خلاف ہے؟ تو ہم اپنی حد سے آگے بڑھ کر نہ صرف قرآن کو نظرانداز کرتے ہیں بلکہ اس کی اہمیت کو کم کرنے کے راستے بھی ڈھونڈ لیتے ہیں۔

[20] صفحہ 248 پر عیسیٰؑ روح اللہ دیکھیں۔

عیسیٰؑ کے متعلق ان بیانات کو سمجھنا ہمارے لیے بہت مشکل ہے اور جب تک اللہ نہ چاہے گا ہم اس کو نہ سمجھ سکیں گے۔ لیکن یہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم ان کو نظر انداز کر دیں یا اسکی اپنے طریقے سے تشریح کرنے کی کوشش کریں۔

عیسیٰؑ کے متعلق ان بیانات کا کوئی بھی مطلب ہو، اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ خدا اللہ کے سوا کوئی اور بھی ہے۔

چناچہ آیت 4:171 میں ہے:

> 4:171 اے اہل کتاب اپنے دین (کی بات) میں حد سے نہ بڑھو اور خدا کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو۔ مسیح (یعنی) مریم کے بیٹے عیسیٰ (نہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے بلکہ) خدا کے رسول اور کا کلمۂ (بشارت) تھے جو اس نے مریم کی طرف بھیجا تھا اور اس کی طرف سے ایک روح تھے تو خدا اوراس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔اور (یہ) نہ کہو (کہ خدا) تین (ہیں۔اس اعتقاد سے) باز آؤ کہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔خدا ہی معبود واحد ہے اور اس سے پاک ہے کہ اس کے اولاد ہو۔جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔اور خدا ہی کارساز کافی ہے۔

عیسیٰؑ نے خود تعلیم دی کہ اللہ ایک ہے۔ مثال کے طور پر مرقس 12:29-30 میں ہے:

"یوسف اس بات کا خیال نہ کر۔اور (زلیخا) تو اپنے گناہوں کی بخشش مانگ، بے شک خطا تیری ہے اور شہر میں عورتیں گفتگوئیں کرنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتی ہے۔اور اس کی محبت اس کے دل میں گھر کرگئی ہے۔ہم دیکھتی ہیں کہ وہ صریح گمراہی میں ہے"۔

اور یوحنا 17:3 میں ہے،

"اور یہی ابدی زندگی ہے کہ آدمی تجھے جان سکے کہ تو ہی سچا خدا ہے اور یسوع مسیح کو جان سکے جسے تو نے بھیجا ہے"۔

کیا یہ الفاظ آیت 4:171 میں کہے پہلے حصے سے مطابقت نہیں رکھتے "اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ"؟ یوحنا میں عیسیٰؑ اپنے آپ کو" جسے (اللہ) نے بھیجا" کہتے ہیں۔اور پیغمبر بھیجا ہی جاتا ہے۔اور عیسیٰؑ اپنے بھیجنے والے کو"ایک سچا خدا " کہتے ہیں۔کیا اس سب میں کوئی ایسی چیز تلاش کر سکتا ہے جو قرآن سے مطابقت نہ رکھتی ہو؟

اس حقیقت کو نظر انداز کرنا کہ جہاں عیسیٰؑ موضوع کا بڑا حصہ ہیں، "اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ" سے مراد عیسیٰؑ نہیں ہیں، خود ساختہ اندھے پن کا اظہار ہے۔

تو قرآن میں اللہ اور اسکے رسولوں پر ایمان لانے کے حکم کے خلاف مفکرین اور عالم عیسیٰؑ کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کیوں کرتے ہیں؟ یہ عالم اور مفکرین عیسیٰؑ کو اور ان کے پیغام کو اس نقطے تک لے گئے ہیں جہاں ایمان لانے کے لیے کچھ نہیں بچا۔

اگر یہ بہانہ بنایا جائے کہ ایسا کرنا عیسائیوں کے تثلیث کے عقیدے کا ردِ عمل ہے تو یہ بہانہ اس سادہ وجہ سے نا قابل قبول ہے کہ عیسیٰؑ نے اس کی تعلیمات خود نہ دی۔ بعد کے زمانے میں عیسائیوں نے "تین" کے اصول کی تعلیم دی یعنی تین لوگ (جس کو عیسائی باپ، بیٹا اور روح کہتے تھے) ہیں جو خدا ہیں۔ مگر جلد ہی ان کو پتہ لگ گیا کہ اس اصول کو عقلی طور پر بیان کرنا ناممکن ہے۔

بعد کے زمانے کے عیسائی اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ عیسیٰؑ نے خدا کے ایک ہونے کی تعلیم دی۔ تو انہوں نے تین لوگوں کے ایک ہونے کی وضاحت اس طرح دی کہ وہ تین لوگ ایک ہی مادے کی طرح ہیں۔ چناچہ اس وضاحت سے خدا کا "مادہ" ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن خدا کی مادے سے تشبیح دینے نے معاملات کو مزید بگاڑ دیا ہے۔ ان کو چاہیے تھا کہ قرآن کی دانائی کو تسلیم کرتے اور اس پر عمل کرتے۔

خدا کے لیے "باپ" اور "بیٹا" جیسے الفاظ کے استعمال نے بہت سے عقلی مسائل کو جنم دیا۔ ان میں سے ایک مسئلہ یہ سوچ ہے کہ شائد خدا کو بیٹے کی ضرورت ہے۔ ضرورت سے مراد کسی کے لیے کسی چیز کی کمی ہے۔ آدمی بچے پیدا کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ خدا کا بیٹا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کو بھی بیٹے کی ضرورت محسوس ہوئی اور یہ بات خدا کو اسکے عالی مقام سے گرا کر انسانی مقام پر لے آتی ہے۔

خدا ہر شے سے پاک ہے چناچہ اس کو کسی بیٹے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے کہنے کا یہی مقصد ہے جو اللہ نے کہا" وہ بیٹے سے پاک ہے۔ زمین اور آسمان میں سب چیزیں اس کے لیے ہیں"۔ کیونکہ کائنات میں سب چیزیں اس کے لیے ہیں پس وہ کسی چیز کا محتاج نہیں۔

اگرچہ جنسی تعلقات پر بات نہ بھی کی جائے تو بھی دوسرے کئی اہم مسائل موجود رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر عیسائیوں کے اس عقیدے سے جو ایک اور مسئلہ پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بیٹا اپنے باپ سے پیدا ہوتا ہے یعنی وہ اپنے وجود کے لیے باپ کا محتاج ہے۔ باپ کا بیٹے سے پہلے موجود ہونا ضروری ہے تاکہ وہ بیٹے کو وجود میں لا سکے۔ لیکن کیونکہ خدا لافانی ہے اور بیٹا جو باپ کی وجہ سے ہے وہ لافانی نہیں ہے پس وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ چناچہ "بیٹے" کے لفظ کا استعمال عیسائیوں کے عقیدے کی وضاحت کرنا ناممکن بنا دیتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بحث و مباحثے کے دوران وہ "بیٹے" کا لفظ استعمال نہیں کرتے بلکہ مبہم خیالات مثلاً "لافانی نسل" کو استعمال کرتے ہیں۔ کچھ لوگ ان اصولوں کو سورج اور اسکی روشنی کی مثال دے کر واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ کوشش خیالات کا ابہام دور کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے لیکن یہ ساری اصطلاح کو غیر شخصی بنا دیتی ہے۔ اور یہ ایک مسئلہ ہے کیونکہ وہ لوگوں کے درمیان رشتے کی وضاحت کی کوشش کر رہے ہیں۔ بہتر ہی ہوتا کہ وہ ایسے خیال کو جس کو وہ خود بھی بیان نہیں کر سکتے ایک ایسے اصول میں تبدیل نہ کرتے جس پر ایمان لانا ہر کسی کے لیے ضروری ہے۔ بہتر ہوتا کہ وہ قرآن کی انتباہ پر کان دھرتے۔

ہمیں بھی قرآن کی عیسیٰؑ کے متعلق تعلیمات پر دھیان دینے کی ضرورت ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ یہاں عیسیٰؑ سے متعلق اہم چیزوں کو بیان کیا جا رہا ہے۔ اور اگر ہم سننے سے انکار کریں گے تو ہم ان لوگوں میں داخل ہو جائیں گے جنہوں نے "اللہ اور اسکے رسولوں پر ایمان لاؤ" کو ماننے سے انکار کیا۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اگر ہم ایمانداری سے اسکا مطالعہ کریں تو جان سکیں گے کہ قرآن عیسیٰؑ کا اللہ کے ساتھ خاص تعلق کو بیان کرتا ہے۔ صرف اللہ کے پیغمبر ہونے کا نہیں بلکہ "اسکا کلمہ "اور "اس سے آنے والی روح" کے طور پر بھی۔ کیا یہی آپ ﷺ کی تعلیمات نہیں جو اللہ نے ان پر اشکار کی اور ان کے ذریعے ہم پر اشکار کی۔

4:172 مسیح اس بات سے عار نہیں رکھتے کہ خدا کے بندے ہوں اور نہ مقرب فرشتے (عار رکھتے ہیں) اور جو شخص خدا کا بندہ ہونے کو موجب عار سمجھے اور سرکشی کرے تو خدا سب کو اپنے پاس جمع کرلے گا۔

"عار رکھنا" ایک ایسا لفظ ہے جو اونچے مرتبے کو لوگوں میں موجود تکبر کا اظہار کرتا ہے۔ یہ کسی کام یا چیز کو نچلے درجے کا محسوس کرنے کے خیال کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں اللہ کی اطاعت اور عبادت کے حوالے سے استعمال ہوا ہے۔ یہ بات ناقابل یقین ہے کہ اللہ کی عبادت کسی کے مرتبے سے نیچے ہوگی چاہے وہ کتنے ہی مرتبے والا کیوں نہ ہو۔ لیکن ابلیس نے اپنے اونچے مرتبے کے باعث اللہ کے حکم کی نافرمانی کرکے ایسا ہی نہ کیا؟

یہاں عیسیٰؑ کو اللہ کے قریب ترین فرشتوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ پچھلی آیت میں بھی عیسیٰؑ کا اللہ کے ساتھ خاص تعلق ہونے کا ذکر ہے۔ ہمیں یاد ہوگا کہ ان کی قربت کا آیت 3:45 میں پہلے ہی ذکر ہے "(وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب فرشتوں نے (مریم سے کہا) کہ مریم خدا تم کو اپنی طرف سے ایک فیض کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح (اور مشہور) عیسیٰ ابن مریم ہوگا (اور) جو دنیا اور آخرت میں باآبرو اور (خدا کے) خاصوں میں سے ہوگا" الفاظ "اللہ کے خاصوں میں سے" موجودہ آیت 4:172 میں بھی پائے جاتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک ترین لوگ اللہ کی اتنی خوشی سے عبادت کرتے ہیں تو ہمیں کتنی عبادت کرنی چاہیے۔ اور جو اپنے تکبر کی وجہ سے اس سے انکار کرتے ہیں اللہ ان سے خود جواب طلب کرے گا۔

"تو جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے وہ ان کو ان کا پورا بدلا دے گا اور اپنے فضل سے کچھ زیادہ بھی عنایت کرے گا۔اور جنہوں نے (بندوں ہونے سے) عاروانکار اور تکبر کیا ان کو تکلیف دینے والا عذاب دے گا۔اور یہ لوگ خدا کے سوا اپنا حامی اور مددگار نہ پائیں گے"۔(4:173)

عیسیٰؑ کا سورۃ 5 میں ذکر

5:46 پھر ہم نے ان پیغمبروں کے بعد مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ کو بھیجا توراۃ میں سے جو کچھ اس کے سامنے موجود تھا وہ اس کی تصدیق کرنے والا تھا اور ہم نے اس کو انجیل عطا کی جس میں رہنمائی اور روشنی تھی اور وہ بھی توراۃ میں سے جو کچھ اُس وقت موجود تھا اُس کی تصدیق کرنے والی تھی اور خدا ترس لوگوں کے لیے سراسر ہدایت اور نصیحت تھی۔

"پیغمبروں کے بعد" سے مراد موسیٰؑ اور وہ پیغمبر ہیں جن کا آیت 5:44 کے پہلے حصے میں ذکر کیا گیا تھا۔ عیسیٰؑ کو اللہ نے تورات اور یہودی قوانین اور صحیفوں کی تصدیق کے لیے بھیجا اور آپؑ کو انجیل بھی عطا کی گئی جس میں رہنمائی اور روشنی ہے۔ ان الفاظ پر نوٹ لکھتے ہوئے یوسف علی کہتے ہیں "رہنمائی سے مراد اعمال کی رہنمائی اور روشنی روحانی دنیا کے حوالے سے ہے"۔ (نوٹ 750)

5:47 ہمارا حکم تھا کہ اہل انجیل اس قانون کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں۔

لفظ "نازل" اسی چھوٹی سی آیت میں دو بار آیا ہے اور دونوں بار انجیل کے حوالے سے ہے کہ وہ اللہ نے نازل کی۔ "نازل" کا لفظ آیت 5:44 میں تورات کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ اللہ کی وحی کو نہ ماننا اس کے خلاف بغاوت ہے۔ لیکن یہاں ہمیں ایک مسئلے کا سامنا ہے کیونکہ بہت سے عالم کے مطابق تورات اور انجیل کی تعلیمات کو بگاڑ دیا گیا ہے اور اصل تعلیمات کھو گئی ہیں

اگرایسا ہوتا تولوگوں کا "جو اللہ نے نازل کیا ہے کہ مطابق فیصلہ" کیسے کیا جائے گا؟

موسیٰؑ پر نازل تورات کے بگاڑ پر بحث و مباحثے کے لیے یوسف علی کی دی ہوئی قرآن کی سورۃ 5 کی تشریح کے آخر میں ضمنی حصے نمبر 2 کا مطالعہ کریں۔ اور انجیل کے بگاڑ کے مطالعے کے لیے سورۃ 5 کے آخر میں ضمنی حصہ نمبر 3 دیکھیں۔ یہ دونوں ضمنی حصے بیسویں صدی کے پہلے حصے میں لکھے گئے۔ پھر بھی یوسف علی نے جو لکھا وہ آج کے تورات اور انجیل کے بارے میں عام خیالات کی نمائندگی کرتا ہے۔

یوسف علی تورات پر ضمنی حصے کے آخر میں لکھتے ہیں، "چناچہ تورات کا صحیح ترجمہ "قانون" ہے۔ اپنی اصل حالت میں اسکی موسیٰ کی طرف سے تشہیر کی گئی اور اس کو اسلام میں متاثر کن کتاب تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کی تعلیمات کو اسلام سے پہلے بگاڑ دیا گیا۔ آپ ﷺ کے زمانے یہودی جسے "قانون" کہتے تھے وہ روایتی لکھائی کا مجموعہ تھے جس کو ہم اس ضمنی حصے میں احاطہ کر رہے ہیں۔

"انجیل پر" ان کے ضمنی حصے میں ان کا نتیجہ اتنا ہی برا ہے۔ وہ یہ کہ انجیل کے کچھ ہی حصے نئے عہد نامے کی شکل میں بچ سکے۔ اور ان کے مطابق یہ سب آپ ﷺ کے زمانے سے بہت پہلے ابتدائی عیسائی زمانے میں ہوا۔

لیکن اس بحث سے دو سنگین مسائل ابھرتے ہیں۔ دوسرا پہلے سے زیادہ سنگین ہے۔ پہلا مسئلہ سائنسی مطالعے سے متعلق ہے اور اس کے نتائج کتابوں کی صورت میں عوام کے لیے موجود ہیں۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں یوسف علی کے ضمیمے آٹھ صدیوں پہلے لکھے گئے اور وہ یورپین ریسرچ پر مشتمل ہیں۔ بعد میں ہونے والی دریافتوں اور مطالعے نے اس پرانی ریسرچ کو فرسودہ ثابت کر دیا۔

مثال کے طور پر کسی بھی مطالعہ کرنے والے شخص نے ڈیڈ سی سکرول کے بارے میں سنا ہو گا جو تورات کی بہت سی کتا بوں پر مشتمل ہیں اور عیسیٰؑ کے زمانے سے پہلے کے ہیں۔ نئے دریافت شدہ مسودے، پہلے دریافت شدہ مسودوں کے سینکڑوں سالوں بعد ملے لیکن جب پرانے اور نئے مسودوں کا موازنہ کیا گیا تو سب کی اس سوچ کے بر عکس کہ ان میں فرق ہو گا، بہت کم فرق پایا گیا۔

آئیں اس دریافت کا یوسف علی کی تورات پر لکھے ضمنی حصے کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں:

"قدیم تورات یقیناً پرانی ہبرو میں ہو گی لیکن پرانے عہد نامے کے کوئی ہبرو مسودے نہیں ہیں جن کا 916 سن عیسوی سے پہلے کا ہونے کا یقین ہو"۔

یہ ان کی لکھائی کے وقت شاید درست ہو مگر ڈیڈ سی سکرول 1000 سال پرانے ہیں۔

کیا یہ یوسف علی کے نتیجے "یہودیوں کی تورات آپ ﷺ کے زمانے میں روایتی لکھائی کے مجموعے سے زیادہ نہ تھی جس کا ہم نے اس ضمنی حصے میں مطالعہ کرنے کی کوشش کی ہے" پر سوال نہیں اٹھاتا؟

لیکن ایک اور بات اس سے بھی زیادہ سنگین ہے۔ اگر قوانین صرف "روایتی لکھائی کا مجموعہ" رہ گئے تھے تو کیا آپ ﷺ اس سے بے خبر تھے؟ اگر موسیٰؑ کو دیے گئے قوانین آپ ﷺ کے زمانے تک ختم ہو چکے تھے تو اہل کتاب اس کی پیروی کیسے کرتے تھے؟ بے شک یوسف علی پرانی یورپین تعلیمات کو تسلیم کرتے نظر آتے ہیں جس کے مطابق موسیٰؑ کو دی گئی تورات آپ ﷺ کے زمانے سے 1200 سو سال پہلے غائب ہو چکی تھی۔ چنانچہ وہ ضمنی حصے نمبر 2 میں لکھتے ہیں۔ "622 قبل مسیح میں حجاشیہ کے زمانے میں پادریوں اور کاتبوں نے نئے اصول کی تشہیر شروع کر دی کہ انہیں یہ اصول عبادت گاہ میں ملے ہیں۔ یہ قوانین یہودیت کی بنیاد تھے اور یہ نیا مذہب فلسطین میں قائم ہوا"۔

دوسرا ایہی سنگین مسئلہ انجیل کے متعلق ان کے خیالات پر اثرانداز ہوتا ہے۔"انجیل پر" لکھے گئے اپنے ضمنے کے آخری الفاظ پر وہ لکھتے ہیں:

"جس انجیل کا قرآن میں تذکرہ ہے وہ نیا عہد نامہ نہیں۔ یہ وہ انجیل نہیں جس کو اب مذہبی حیثیت سے سمجھا جاتا ہے۔ اسلام جس واحد انجیل کی تعلیم دیتا ہے وہ عیسٰیؑ پر نازل کی گئی اور انہوں نے اسکی تعلیم دی۔ اس کے کچھ حصے ہی انجیل میں بچے ہیں"۔

یہ وہ نتیجہ ہے جو یوسف علی اپنے ضمنی حصے میں یورپی سکالروں کے حوالے سے اخذ کرتے ہیں۔ اوران سکالروں کی تحریروں کا "مستند عالم" کے حصے میں بھی حوالہ دیا گیا ہے اوراس میں 1820 سے 1936 تک لکھی گئی تحریروں کا حوالہ دیا گیا ہے۔

تب سے "واحد انجیل جس کی اسلام تعلیم دیتا ہے عیسٰیؑ پر نازل کی گئی اور انہوں نے اسکی تعلیم دی" کو ڈھونڈنے کے لیے بہت کام ہوا ہے۔ تیسری اور چوتھی صدی کے مسودوں کی دریافت نے اس کام میں بہت مدد دی ہے اور کچھ مسودے تو عیسٰیؑ کے زمانے کے بعد کے سینکڑوں سالوں کے اندر لکھے گئے۔ اس نے موجودہ انجیل اور پرانی انجیل کے درمیان موازنے کو ممکن بنادیا۔ اوران میں کوئی اہم فرق نہیں تھا۔

ایک اہم سنگین مسئلہ اس بات پر اصرار سے ابھرتا ہے کہ عیسٰیؑ کے پیروکاروں نے آپؑ کی تعلیمات کو بگاڑ دیا (اس اہم حقیقت کو مدنظر رکھیں کہ اس بات کا کوئی ثبوت بھی پیش نہیں کیا جاتا)۔ یہ ایک اخلاقی سوال اٹھاتا ہے: تبدیل کرنا یا بگاڑنا ایک ارادی عمل ہے، جس کا مطلب ہے کہ عیسٰیؑ کے پیروکاروں پر کسی وجہ سے فراڈ کا الزام لگایا جارہا ہے۔ کیا ہمیں یہ کرنا چاہیے؟

ہم کیا محسوس کریں گے اگر ایسے ہی الزامات قرآن لکھنے اور بعد میں اسکو نقل کرنے والوں پر لگائیں جائیں۔ کیا ہمیں عیسیٰؑ کے شاگردوں کے ساتھ وہ کرنا چاہیے جو ہم نہیں چاہتے کہ دوسرے ہمارے ساتھ کریں؟

اس کے علاوہ اس وقت کے تاریخی حالات فراڈ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں بیان کرتے۔ سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ عیسیٰؑ کے زمانے کے پہلے تین صدیوں میں رومیوں نے عیسائیوں کو غیر قانونی بنادیا۔ وہ اکثر یہودیوں اور رومیوں کے ہا تھوں نہایت شدید سزائیں پاتے تھے۔ یہ عام معلومات ہے کہ عیسیٰؑ کے بارہ میں سے گیارہ شاگردوں کو شہید کر دیا گیا۔ دوسرے کئی لوگوں کو بھی بہت شہید کر دیا گیا۔ شہادت پانے یا نہ پانے کی صورت میں بھی اس زمانے میں عیسیٰؑ کا پیروکار ہونا نہایت مشکل تھا۔

یہ بات درست ہے کہ غیر مستند انجیل میں آپؑ کے بارے میں قصوں کو دین داری کے غلط جذبے کی وجہ سے بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا اور یہی وجہ ہے کہ اسے عیسائیوں کی طرف سے تسلیم نہ کیا گیا۔ لیکن کوئی بھی مطالعہ کرنے والا بتا سکتا ہے کہ آپؑ کی تعلیمات کو نہ بدلا گیا بلکہ آپؑ کے زمانے میں ہوئے واقعات کو بدلا گیا۔

"واحد انجیل" کو ڈھونڈنے کا ایک اور طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ چاروں انجیل کا موازنہ کر کے مشترکہ اصل کا پتہ لگانے کی کوشش کی جائے۔ یہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ پہلی تین انجیلوں میں ایک ہی طرح کی تعلیمات اور الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ حقیقتاً ایک واحد انجیل تھی جس سے ان تینوں انجیلوں کو اخذ کیا گیا ہے۔ عالم اس اصل ذریعے کو Q کہتے ہیں (جرمن لفظ 'Quelle' جس کا مطلب ہے ذریعہ ہے)۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام "ایک واحد انجیل جو ایک عیسیٰؑ پر نازل کی اور جس کی انہوں نے تعلیم دی" کی صحیح شناخت کرتا ہے۔

اس سے یہ پتہ لگتا ہے کہ اس واحد انجیل کے صرف کچھ حصوں سے زیادہ ان چار انجیلوں میں محفوظ ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اس کے بڑے حصے محفوظ ہیں۔

لیکن اگر اس پر اصرار کریں کہ آپ ﷺ کے زمانے میں عیسیٰؑ کو عطا کی گئی انجیل کے صرف ٹکڑے ہی بچے تھے تو لوگ آپ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق اس میں اللہ کی طرف سے نازل کی گئی روشنی کی رو سے فیصلہ کیسے کر سکتے تھے؟ اور ان لوگوں سے جنہوں نے بغاوت کی کیسے نکل سکتے تھے؟ اور کیا یہ ہو سکتا ہے آپ ﷺ کا انجیل اور تورات کے بارے میں نقطہ نظر صدیوں پہلے کے یورپی عالموں سے مختلف تھا؟ اور کیا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یوسف علی نے آپ ﷺ کے مختلف نقطہ نظر کو محسوس کیا؟ ورنہ اس بات کو سمجھنا مشکل ہو سکتا ہے کہ اوپر تورات اور انجیل کے بارے میں منفی خیالات ہونے کے باوجود وہ اختتام ان مثبت الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں۔

"چناچہ مسلمان (a) موجودہ بائبل کی صحیح طور پر عزت کرتے ہیں۔ لیکن وہ کٹر عیسائیوں اور یہودیوں کی طرف سے خاص اصولوں کو رد کرتے ہیں۔"

اس بیان میں موجود مسائل کو واضح کرنے کے لیے سوالیہ نشان استعمال کیا گیا ہے۔ "چناچہ "ان کے بیان میں پہلے ذکر کیے گئے اصل انجیل کے "ٹکڑوں" کا جو نئے عہد نامے پائے جاتے ہیں، کا حوالہ دیتا ہے۔

تو کیا اس کی بناء پر اسکی عزت کی جا سکتی ہے؟ کوئی کیسے جان سکتا ہے کہ کونسے حصے سچے ہیں اور کونسے نہیں۔

اور اگر سچ اور جھوٹ کو علیحدہ نہیں کیا جا سکتا تو اسکی عزت کیسے کی جا سکتی ہے؟

کیا یہ بھی ممکن ہے کہ یوسف علی اپنے دو ضمنی حصوں میں حوالہ دی گئی یورپی تحریروں کے متعلق شش و پنج کا شکار ہیں۔

یا شاید ان کو آپ ﷺ کے تورات اور انجیل کے بارے میں اس طرح کے خیالات سے متفق نہ ہونے کا احساس تھا؟ یوسف علی کی طرف سے اوپر بیان کیے گئے خیالات ایک اور اہم مسئلے کو جنم دیتے ہیں۔ان خیالات کی بدولت قرآن کی تعلیمات کو سمجھنا ناممکن ہو جاتا ہے۔مثال کے طور پر آیت 5:65-66 میں ہم دیکھتے ہیں:

> اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور پرہیز گاری کرتے تو ہم ان سے ان کے گناہ محو کر دیتے اور ان کو نعمت کے باغوں میں داخل کرتے اور اگر وہ تورات اور انجیل کو اور جو (اور کتابیں) ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئیں ان کو قائم رکھتے (تو ان پر رزق مینہ کی طرح برستا کہ) اپنے اوپر سے پاؤں کے نیچے سے کھاتے ان میں کچھ لوگ میانہ رو ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جن کے اعمال برے ہیں۔

قرآن کی ان آیات کا مطالعہ کر کے یہ سوال پوچھا جا سکتا ہے، "اہل کتاب تورات اور انجیل کو قائم کیسے رکھ سکتے ہیں جبکہ وہ بہت پہلے بگاڑ دی گئی" کیونکہ یوسف علی نے یہی خیال پیش کیا ہے۔ چنانچہ قائم رکھنے کے لیے اصل تورات اور انجیل موجود ہی نہ تھیں۔اسکا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگوں کی غلطی نہیں ہے اور یہ قرآن سے اسکا معنی چھین لیتی ہے۔بے شک یہ اللہ کے حضور گستاخی ہے۔اس بات سے پتہ لگتا کہ تورات اور انجیل پر حملہ قرآن پر حملے کے مترادف ہے۔ چنانچہ ہمیں خیال رکھنا چاہیے کہ کب ہماری عیسائیوں کے خلاف عداوت، تورات اور انجیل کے خلاف عداوت میں نہ بدل جائے جو کہ "اللہ کی طرف سے بھیجی گئی تعلیمات ہیں"۔یہودیوں اور عیسائیوں کو اللہ کی نافرمانی پر پکڑا نہیں جا سکتا اگر ان کو دی گئی تعلیمات بہت پہلے مٹ گئی تھیں۔

چناچہ ضمنی حصے میں بیان کیے گئے خیالات گناہ گار عیسائیوں اور یہودیوں کو قرآن کی تعلیمات کے برعکس ان کے گناہوں سے بری کرتے ہیں۔ آیت 5:66 میں بیان وہ آیات کو بعد میں دوبارہ دہرایا گیا ہے۔

5:68 کہو کہ اے اہل کتاب! جب تک تم تورات اور انجیل کو اور جو (اور کتابیں) تمہارے پروردگار کی طرف سے تم لوگوں پر نازل ہوئیں ان کو قائم نہ رکھو گے کچھ بھی راہ پر نہیں ہو سکتے اور یہ (قرآن) جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے ان میں سے اکثر کی سرکشی اور کفر اور بڑھے گا تو تم قوم کفار پر افسوس نہ کرو۔

یہاں " قوانین، انجیل اور اللہ کی طرف سے تمام کتابوں کو قائم رکھو" ہی آیت 5:66 میں آیا ہے۔ یہاں آخری حصے "کتابوں کو جو تمہارے رب کی طرف سے آئیں ہیں" کو اگلے فقرے میں دہرایا گیا ہے اور اسکی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ کہیں اس چیز کا ذکر نہیں ہے کہ ان کتابوں کو بگاڑ دیا گیا ہے۔ اور اگر یہ سچ ہوتا تو یہ اپنے تکبر، بغاوت اور گستاخی کے باعث ان کتابوں کو جھٹلانے والوں کو ہر الزام سے بری کر دیتا ہے۔ اگر اللہ کی کتابوں اور قوانین کھو گئے ہیں تو ان کو نہ ماننے والے بے گناہ ہیں کیونکہ ماننے کے لیے کوئی کتاب ہے ہی نہیں۔ چناچہ ان کو بغاوت یا گستاخی کی سزا نہیں دی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ قرآن کی واضح تعلیمات کے خلاف ہے۔[21]

اگلی آیت میں اس بات کی تصدیق ہے کہ وہ لوگ جو اللہ کی کتابوں، چاہے وہ قرآن ہو یا یہودی صحیفے یا انجیل، پر ایمان لاتے ہیں اور سیدھے راستے پر چلتے ہیں ان کو قیامت کے دن کوئی خطرہ نہ ہو گا۔

---

[21] آیت 9:111 بھی دیکھیں جہاں قرآن انجیل اور قانون کا اکٹھا تذکرہ ہے۔

5:69 مسلمان، یہودی، ستارہ پرست اور نصرانی کوئی ہو، جو بھی اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے وہ محض بے خوف رہے گا اور بالکل بے غم ہو جائے گا۔

اس آیت سے واضح ہے کہ جو تورات اور انجیل کو بطور اللہ کی کتاب جھٹلاتے ہیں وہ قرآن کو جھٹلاتے ہیں۔ اور یہ سنگین جرم ہے چاہے یہ غیر ارادی طور پر سرزد ہی کیوں نہ ہو۔[22]

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انجیل کو جھٹلانے کی اہم وجہ یہ ہے کہ اس میں عیسیٰؑ کے خدا ہونے کی تعلیمات کے موجود ہونے کا خوف ہے۔ یہ خوف بے بنیادہ ہے کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ عیسیٰؑ نے چاروں انجیلوں میں کہیں بھی خدا ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ لیکن اگر کوئی یہ مطلب اخذ کرنا چاہے تو الگ بات ہے۔ عیسیٰؑ نے کہیں بھی نہیں کہا کہ وہ اللہ ہیں۔ چنا چہ اگر کوئی یہ کہے کہ وہ اللہ ہیں تو یہ انجیل کی واضح نافرمانی نہیں؟ اور کیا یہی ہم آیت 5:72 میں نہیں پڑھتے ؟

5:72 بے شک وہ لوگ کافر ہوگئے جن کا قول ہے کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے حالانکہ خود مسیح نے ان سے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل! اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا رب ہے، یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔

یہ بات واضح ہے کہ عیسیٰؑ کی خدائی کا اصول (عیسائی عقیدے کا لازم جزو جو اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ عیسیٰؑ خدا ہیں) انجیل میں کہیں بیان نہیں ہے۔ یہ بات یوحنا کے لیے بھی درست ہے جس کا عام طور پر ایسے اصولوں کو ثابت کرنے کے لیے حوالہ دیا جاتا ہے۔

[22] اس پر مزید تفصیل کے لیے ضمنی حصے نمبر 2 کا مطالعہ کریں۔

عیسٰیؑ کی خدائیت کا اصول، عیسٰیؑ کی وفات کے تین سو سال بعد عیسائیت کی تقلید کا پیمانہ بنا دیا گیا۔ یقیناً یہ کوئی اتفاق نہیں ہے کہ عیسائی چرچ اس وقت سے روحانی تنزل کی طرف گامزن ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ چرچ کی روحانی تنزلی کا واحد سبب نہ ہو لیکن یقیناً یہ ایک بہت بڑی وجہ ہے۔

اگر ہم عیسائیوں سے پوچھیں کہ وہ عیسٰیؑ کے خدا ہونے کا ذکر ان کی تاریخ میں موجود ہونے پر کیوں یقین رکھتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ عیسٰیؑ کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ انہوں نے وہ کام کیے جو عام انسانوں کے بس کی بات نہیں۔ اگرچہ یہ کہا گیا ہے کہ انہوں نے وہ کام اللہ کی اجازت سے کیے۔ مثال کے طور پر کسی پیدائشی اندھے کو بینائی عطا کرنے کا مطلب اسکی آنکھوں کو تخلیق کرنا ہے اور مٹی کے پرندوں کو زندگی بخشنا یقیناً تخلیق کا عمل ہے۔ یہ 'عام' معجزے نہیں جیسا کہ ہم آیت 3:49 میں پڑھتے ہیں۔

3:49اور بنی اسرائیل کی طرف اپنا رسول مقرر کرے گا" (اور جب وہ بحیثیت رسول بنی اسرائیل کے پاس آیا تو اس نے کہا) "میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندے کی صورت میں ایک مجسمہ بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں، وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتا ہوں اور مردے کو زندہ کرتا ہوں میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور کیا اپنے گھروں میں ذخیرہ کر کے رکھتے ہو اس میں تمہارے لیے کافی نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔

یہ غیر معمولی بیان موجودہ سورۃ جسکا ہم مطالعہ کر رہے ہیں میں دوبارہ آیا ہے۔ اس طرح کے بیانات انجیل میں بھی آئے ہیں جو عیسائیوں کے اس یقین کا باعث ہیں کہ اگرچہ عیسٰیؑ انسان ہیں مگر وہ عام سے بڑھ کر ہیں۔

لیکن اگرچہ عیسائی یہ کہیں کہ عیسیٰؑ کی خدائیت کے قانون کا انجیل اور نئے عہد نامے میں اظہار ہے۔اور انجیل اور نیا عہد نامہ خدا کی طرف سے ہے تو کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا صرف اشارہ دینا خدا کی مرضی تھی۔اگر وہ چاہتا تو اس کو واضح کر کے بیان بھی کر سکتا تھا۔

اور اگروہ اسے خدا کی منشاء کے بغیر عیاں کرتے ہیں تو کیا وہ خدا کے خلاف بغاوت کے مرتکب نہیں ہوتے؟ بے شک خدا کے خلاف بغاوت کے تمام اعمال خدا پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے: بے شک جو ایمان نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں: یسوع ابنِ مریم اللہ ہے۔

یہ بھی سچ ہے، جیسا کہ قرآن اسکی تصدیق کرتا ہے، کہ عیسیٰؑ نے کبھی خدا ہونے کا اعلان نہ کیا اور نہ ہی کبھی انہوں نے اصطلاح "خدا کا بیٹا" استعمال کی۔ اس کے بجائے وہ "ابنِ آدم" استعمال کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ حتیٰ کہ جب "خدا کا بیٹا" دوسروں نے استعمال کیا (مثال کے طور پر رومی افسروں نے متی 27:54 میں) تو بھی اس کا مقصد یہ نہ تھا کہ وہ خدا تھے بلکہ ایک نہایت پرہیزگار شخص۔[23]

عیسیٰؑ نے لوگوں کو اپنی عبادت کرنے کی تلقین نہ کی بلکہ اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا جیسا کہ ہم قرآن میں پڑھتے ہیں "عیسیٰؑ نے کہا: "اے بنی اسرائیل اللہ کی عبادت کرو جو تمہارا اور میرا رب ہے"

5:73 یقیناً کفر کیا اُن لوگوں نے جنھوں نے کہا کہ اللہ تین میں سے ایک ہے، حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اگر یہ لوگ اپنی اِن باتوں سے باز نہ آئے تو ان میں سے جس جس نے کفر کیا ہے اُس کو درد ناک سزا دی جائے گی۔

وہ لوگ جو یہ دعوٰی کرتے ہیں کہ "اللہ عیسیٰؑ ابنِ مریم ہے" (5:72) اور پھر کہتے ہیں کہ "عیسیٰؑ تین میں سے ایک ہیں" دراصل کہتے ہیں کہ "اللہ تین میں سے ایک ہے"۔ اسے تثلیت کہتے ہیں۔ وہ تثلیت کو تین لوگوں کا ملاپ کہتے ہیں۔ اگر تین لوگ ہیں اور وہ تینوں خدا ہیں تو کیا تین خدا نہ ہوئے"۔ کیا اس نتیجے سے بچا جا سکتا ہے؟

[23] جیسا کہ لوقا 43:27 سے بھی تصدیق ہوتی ہے

عیسائی اس بارے میں کوئی واضح تشریح نہیں دے سکتے چناچہ وہ صرف اتنا کہہ پاتے ہیں کہ یہ "راز" ہے جو اس بات کو ثبوت ہے کہ یہ عقلی طور پر نا قابل فہم ہے۔ لیکن پھر بھی اس نا قابل بیان راز کو عیسائی عقیدے کا لازم جزو بتاتے ہیں۔ اس "راز" پر جسے وہ "تثلیت کا اصول" کہتے ہیں عیسائی بننے کے لیے ایمان لانا ضروری ہے۔

لیکن کیا ایک اصول کو قابل فہم نہیں ہونا چاہیے؟ ایک نا قابل فہم راز کو "اصول" کیسے کہا جا سکتا ہے۔ ایک اصول جو کہ راز ہو، یقیناً اصول نہیں ہو سکتا! کم از کم ایک راز جس کو کوئی سمجھ نہیں سکتا کو اصول میں، جس پر ہر کسی کا بغیر سوچے سمجھے ایمان لانا ضروری ہو، نہیں بدلنا چاہیے۔

ایک راز پر بغیر سوچے سمجھے ایمان لانا ممکن ہے۔ مثال کے طور پر ہم بجلی کے اصولوں کو نہیں سمجھتے مگر ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کیونکہ ہم اس کو عمل میں دیکھتے ہیں۔ ہم اللہ کی شان اور ذات کے بارے میں بہت کم جانتے ہیں لیکن ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کیونکہ ہم اس کی نشانیوں کو دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن اگر ہم کو کسی ایسے اصول پر ایمان لانے کو کہا جائے جس کو ہم نہ جانتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں، تثلیت کا عقیدہ کہ خدا ایک اور تین ہے ایسا ہی ہے، تو ہم اس پر صرف اس وجہ سے ایمان لائیں گے کیونکہ اور لوگ بھی اس پر ایمان لاتے ہیں۔ مگر یہ اصول ہمارے دلوں میں نہ اترے گا۔ اس کا نتیجہ کیا ہو گا؟ اگر ہم ایک چیز کا بغیر ایمان کے اعلان کریں اور اس پر ایمان نہ لائیں تو ہم منافق بن جائیں گے جو ہمیں روحانی طور تباہ کرنے کا سبب بنے گا۔ اگر ہم دوسرے لوگوں کو بغیر سوچے سمجھے ایمان لانے پر مجبور کریں گے تو ہم انہیں منافق بننے پر مجبور کریں گے۔ چناچہ عیسائیت کے ساتھ یہی ہوا۔ عیسائیوں کو ان چیزوں پر ایمان لانے کو کہا جاتا ہے جن کے بارے میں انہیں کچھ علم نہیں۔

چناچہ وہ اپنے عقائد پر سچا ایمان نہیں لا سکتے۔ تو بات باعث حیرت نہیں کہ جب سے (چوتھی صدی عیسوی) عیسائیت میں ان چیزوں کو شامل کیا گیا ہے، عیسائیت روحانی زوال میں ہے۔

اس کے علاوہ عیسائیوں کو ایک طرف تثلیت کے عقیدے اور دوسری طرف عیسیٰؑ کی تعلیمات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ ایک ایسے جال میں پھنس جاتے ہیں جہاں سے عقلی تشریح کی بناء پر نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ یوسف علی مارک 12:29 کا حوالہ دیتے ہیں "تب یسوع نے کہا، ''سب سے اہم حکم یہ ہے اے بنی اسرائیلیوں سنو، خداوند ہمارا خدا ہی صرف ایک خداوند ہے۔(5:72 پر نوٹ 782)۔ عیسیٰؑ نے خود خدا کے ایک ہونے کی تصدیق کی ہے۔

5:75 مسیح ابن مریم سوا پیغمبر ہونے کے اور کچھ بھی نہیں، اس سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو چکے ہیں ان کی والدہ ایک راست باز عورت تھیں دونوں ماں بیٹے کھانا کھایا کرتے تھے، آپ دیکھیے کہ کس طرح ہم ان کے سامنے دلیلیں رکھتے ہیں پھر غور کیجیئے کہ کس طرح وہ پھرے جاتے ہیں۔

عیسیٰؑ کو رسول کہنا ان کی شان میں کسی کمی کا باعث نہیں کہ "رسول" آپ ﷺ کا خطاب بھی تھا۔ رسول کو اللہ کا خادم ہونے کا شرف ہوتا ہے کیونکہ اللہ اس پر اپنا سچ اشکار کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم 2:23 میں پڑھتے ہیں "اور اگر تم کو اس (کتاب) میں، جو ہم نے اپنے بندے (محمد ﷺ عربی) پر نازل فرمائی ہے کچھ شک ہو تو اسی طرح کی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ اور خدا کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں ان کو بھی بلالو اگر تم سچے ہو" یہاں محمد ﷺ کو بطورِ پیغمبر "ہمارا خادم" کہہ کر تذکرہ کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کو 48:29 میں رسول کہہ کر بلایا گیا ہے۔ "محمد اللہ کے رسول ہیں" اور 33:40 میں بھی۔ حیران کن طور پر آیت 3:144 میں موجودہ آیت 5:75 جیسی ہی تحریر ہے۔ آیت 3:144 میں ہے "محمدؐ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں، اُن

سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں"۔ یہ ہمیں اس سوچ سے خبردار کرتا ہے کہ ہم عیسیٰؑ کی شان میں ان الفاظ کے استعمال پر کسی کمی کا نہ سوچیں جب یہی الفاظ آپ ﷺ کے لیے بھی استعمال ہوئے ہیں۔

یقیناً عیسیٰؑ ایک انسان تھے نہ کہ کوئی خدائی کرشمہ جیسا کہ کچھ عیسائی فرقے کہتے ہیں۔ وہ ایک انسانی ماں سے پیدا کیے گئے جنہیں یہاں سچی عورت کہا گیا ہے۔ اور وہ انکی ماں عام انسانوں کی طرح کھانا کھاتے تھے۔

5:78بنی اسرائیل کے کافروں پر (حضرت) داؤد (علیہ السلام) اور (حضرت) عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کی زبانی لعنت کی گئی اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔

ان کی بداعمالیوں کی حد کو اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

5:79آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے روکتے نہ تھے جو کچھ بھی یہ کرتے تھے یقیناً وہ بہت برا تھا۔

داؤد کی گناہ گاروں کے لیے زبان کے استعمال پر یوسف علی لکھتے ہیں:

"زبور میں گناہ گاروں سے نفرت پر مشتمل کئی حصے ہیں۔حوالہ:زبور[109]17-18،[78]21-22"خداوند نے وہ سن لیا جو لوگوں نے کہا تھا۔یعقوب سے خدا بہت ہی غصّے میں تھا۔ اسرا ئیل سے خدا بہت ہی غصّے میں تھا۔کیوں؟ اِس لئے کہ لوگوں نے اِس پر بھروسہ نہیں رکھا تھا۔اُنہیں بھروسہ نہیں تھا، کہ خدا اُنہیں بچا سکتا ہے"زبور[69]22-28اورزبور[5]10"۔(نوٹ786آیت5:78 پر)

اور انجیل کی زبان کے لحاظ سے یوسف علی متیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔

"حوالہ:متیٰ[23]33"تم سانپوں کی طرح ہو۔اور تم زہریلے سانپوں کے نسل سے ہو! لیکن تم خدا کے غضب سے نہ بچ سکو گے۔تم سبھوں پر ملزم ہو نے کی مہر لگے گی اور سب جہنم میں گھسیٹے جاؤگے":اس کے علاوہ متیٰ[12]34۔ (5:78پر نوٹ787)

ملامت کے یہ الفاظ خاص طور پر کاتب نویسوں اور ظاہر پرستوں کے خلاف تھے جو کہ عیسیٰؑ کے زمانے میں یہودیوں کے مذہبی اور سیاسی رہنما تھے۔ اس پر یوسف علی لکھتے ہیں،

"ہر گروہ میں برے آدمی ہوتے ہیں لیکن اگر ان کے پیشوا عام لوگوں کو غلطیوں کو نظر انداز کردیں یا اس سے بھی برتر، وہ غلط کاموں میں خود بھی شریک ہوں، جیسا کہ یہودیوں کے پیشواؤں نے کیا اور جن کے خلاف عیسیٰؑ بولے، تو وہ گروہ تباہ ہو جاتا ہے" (5:79 پر نوٹ 788)

یہودیوں کے مذہبی اور سیاسی رہنماؤں کی اللہ کی نافرمانی کے خلاف عیسیٰؑ کی کھلے عام ملامت نے ان کے لیے نفرت کو جنم دیا۔ ان کی عیسیٰؑ کے خلاف نفرت اتنی بڑھ گئی کہ وہ آپؑ کو قتل کرنے مواقعے ڈھونڈنے لگے۔ اللہ کے رسولوں کے خلاف اس طرح کی عداوت کا قرآن میں کئی بار ذکر ہے۔ مثال کے طور پر آیت 2:61 میں،

یاد کرو، جب تم نے کہا تھا کہ، "اے موسیٰؑ، ہم ایک ہی طرح کے کھانے پر صبر نہیں کر سکتے اپنے رب سے دعا کرو کہ ہمارے لیے زمین کی پیداوار ساگ، ترکاری، کھیرا، ککڑی، گیہوں، لہسن، پیاز، دال وغیرہ پیدا کرے" تو موسیٰؑ نے کہا: "کیا ایک بہتر چیز کے بجائے تم ادنیٰ درجے کی چیزیں لینا چاہتے ہو؟ اچھا، کسی شہری آبادی میں جا رہو جو کچھ تم مانگتے ہو، وہاں مل جائے گا" آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ ذلت و خواری اور پستی و بد حالی اُن پر مسلط ہو گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے یہ نتیجہ تھا اس کا کہ وہ اللہ کی آیات سے کفر کرنے لگے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرنے لگے یہ نتیجہ تھا ان کی نافرمانیوں کا اور اس بات کا کہ وہ حدود شرع سے نکل نکل جاتے تھے۔

اور آیت 2:87 میں بھی،

ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی، اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے، آخر کار عیسیٰؑ ابن مریمؑ کو روشن نشانیاں دے کر بھیجا اور روح پاک سے اس کی مدد کی پھر یہ تمہارا کیا ڈھنگ ہے کہ جب بھی کوئی رسول تمہاری خواہشات نفس کے خلاف کوئی چیز لے کر تمہارے پاس آیا، تو تم نے اس کے مقابلے میں سرکشی ہی کی، کسی کو جھٹلایا اور کسی کو قتل کر ڈالا!

اسی طرح 3:21 میں،

جو لوگ اللہ کے احکام و ہدایات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں اور اس کے پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کی جان کے درپے ہو جاتے ہیں، جو خلق خدا میں عدل و راستی کا حکم دینے کے لیے اٹھیں، ان کو درد ناک سزا کی خوش خبری سنا دو۔

اس تحریر میں قابل توجہ بات یہ ہے کہ داؤدؑ اور عیسیٰؑ کا اکٹھا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اسرائیل کی کئی پیغمبر کے اپنے لوگوں کو گناہوں کے باعث سخت ملامت کی لیکن ان کا یہاں تذکرہ نہ آیا ہے۔ داؤدؑ اور عیسیٰؑ کے اکٹھے ذکر کے ذریعے ہم اللہ کے مقصد کو کیسے پہچان سکتے ہیں؟

داؤد اسرائیل کے عظیم بادشاہ تھے۔ اور کوئی دوسرا بادشاہ روحانی یا عسکری طور پر ان کے مقابلے کا نہ تھا۔ عیسیٰؑ، داؤدؑ کی نسل میں سے تھے تو جب انہوں نے اپنا زمانہ شروع کیا تو یہودیوں نے آپؑ کو "ابنِ داؤد" کہا اور وہ یہ توقع رکھتے تھے کہ آپؑ ان کے بادشاہ بنیں گے اور رومیوں کے خلاف جنگوں میں رہنمائی کریں گے۔ وہ بہت دل شکستہ ہوئے جب آپؑ نے انہیں بتایا کہ ان کی پیغمبریت روحانی ہے اور ان کا کوئی سیاسی یا عسکری مقصد نہیں۔ پھر بھی ان کے شاہی نسل سے ہونے پر رومیوں کو بہت پریشانی تھی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہودی بغاوت پر تیار ہیں اور ان کو صرف ایک اچھا رہنما چاہیے اور اگر عیسیٰؑ اپنے عظیم آباؤاجداد مثلاً داؤد کی طرح عسکری اور سیاسی رہنما بننے کا فیصلہ کر لیتے تو رومیوں کو بڑی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ اگرچہ عیسیٰؑ کی تعلیمات کا کوئی عسکری پہلو نہیں تھا مگر رومیوں کو حالات کے تبدیل ہو جانے کا خطرہ تھا۔ یہ ان کے لیے بہت خطرناک تھا خاص طور پر جب عیسیٰؑ لوگوں میں بہت مقبول بھی تھے اور وہ عیسیٰؑ کے کہنے پر کچھ بھی کرنے کو تیار تھے۔

5:82یقیناً آپ ایمان والوں کا سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے اور ایمان والوں سے سب سے زیادہ دوستی کے قریب آپ یقیناً انہیں پائیں گے جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں، یہ اس لئے کہ ان میں علما اور عبادت کے لئے گوشہ نشین افراد پائے جاتے ہیں اور اس وجہ سے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔

یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ سچے عیسائی جو عیسیٰؑ کی تعلیمات اور انجیل کے مطابق اپنی زندگی گزارتے ہیں، نہ صرف ان میں عداوت نہیں ہوتی بلکہ وہ "دوستی سے قریب" بھی ہوتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ اس طرح کے عیسائی اقلیت میں ہیں لیکن وہ آپ ﷺ کے زمانے کی طرح ابھی بھی موجود ہیں۔

سچے عیسائیوں کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ "سچ کو پہنچانتے" ہیں اور کھلے دل اور آنسوؤں کے ساتھ قبول کرتے ہیں ۔اس کو اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

5:83اور جب وہ رسول کی طرف نازل کردہ (کلام) کو سنتے ہیں تو آپ ان کی آنکھیں آنسو سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں اس سبب سے کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا، وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے پس تو ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ لے جو تصدیق کرتے ہیں۔

اللہ کی طرف سے کتابوں کو عاجزی کے ساتھ سننے کو ان لوگوں کی بنیادی خصوصیت بتایا گیا ہے جو "سچ کو پہنچانتے ہیں"۔ اور اس کو پہچان کر وہ اللہ سے اپنی بندگی کا اظہار "ہمارے مالک! ہم ایمان لائے" کے الفاظ سے کرتے ہیں۔

5:109 جس روز اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں کو جمع کرے گا، پھر ارشاد فرمائے گا کہ تم کو کیا جواب ملا تھا، وہ عرض کریں گے کہ ہم کو کچھ خبر نہیں تو ہی بے شک پوشیدہ باتوں کو پورا جاننے والا ہے۔

"قیامت کے دن کو لفظوں میں بیان کیا گیا ہے اور اللہ کے رسولوں کی ذمہ داری اور بساط کا دکھایا گیا ہے۔

(یوسف علی، 5:109 پر نوٹ 814)

اس پر جلال موقعے پر اللہ کی توجہ عیسیٰؑ پر ہونے کو دیکھا جا سکتا ہے۔اگلی آیت میں بیان ہے۔

5:110جب کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! میرا انعام یاد کرو جو تم پر اور تمہاری والدہ پر ہوا ہے، جب میں نے تم کو روح القدس سے تائید دی۔تم لوگوں سے کلام کرتے تھے گود میں بھی اور بڑی عمر میں بھی اور جب کہ میں نے تم کو کتاب اور حکمت کی باتیں اور تورات اور انجیل کی تعلیم دی اور جب کہ تم میرے حکم سے گارے سے ایک شکل بناتے تھے جیسے پرندہ کی شکل ہوتی ہے پھر تم اس کے اندر پھونک مار دیتے تھے جس سے وہ پرند بن جاتا تھا میرے حکم سے اور تم اچھا کر دیتے تھے مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے اور جب کہ تم مردوں کو نکال کر کھڑا کرلیتے تھے میرے حکم سے اور جب کہ میں نے بنی اسرائیل کو تم سے باز رکھا جب تم ان کے پاس دلیلیں لے کر آئے تھے پھر ان میں جو کافر تھے انہوں نے کہا تھا کہ بجز کھلے جادو کے یہ اور کچھ بھی نہیں۔

اس آیت میں "جب کہ" پانچ بار آیا ہے۔ہم اس آیت کے پہلے فقرے کو پڑھ کر اور اس کے بعد "جب کہ" کے بعد آنے والے فقروں کو پڑھ کر سمجھ سکتے ہیں۔

تب اللہ کہے گا، اے ابنِ مریم! میرا انعام یاد کرو جو تم پر اور تمہاری والدہ پر ہوا۔

"قیامت کے دن اللہ کے حضور عیسیٰؑ کو ان پر کیے گئے انعامات اور معجزے یاد کرنے کو کہا جائے گا تاکہ ان کے پیروکار ان کی تعلیمات کا بگاڑنے پر شرمندہ ہو سکیں جبکہ وہ ان کی روحانیت اور سچ کا بہت زیادہ فائدہ اٹھا سکتے تھے۔یہ بحث سورۃ کے آخر تک چلتی ہے۔(5:110 پر نوٹ 815)

اللہ نے عیسیٰؑ پر بہت انعامات کیے اور اللہ چاہتا ہے قیامت کے دن سب پیغمبر اس کو جان لیں۔

درحقیقت اس کا مطلب ہے کہ قیامت کے دن دنیا پر زندگی پانے والا ہر شخص عیسیٰؑ پر اللہ کے انعامات کے بارے میں سن لے گا۔ کیونکہ قیامت کے دن سب کو اکٹھا کیا جائے گا۔

جب کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! میرا انعام یاد کرو جو تم پر اور تمہاری والدہ پر ہوا ہے، جب میں نے تم کو روح القدس سے تائید دی۔ تم لوگوں سے کلام کرتے تھے گود میں بھی اور بڑی عمر میں بھی۔

آیت 3:46 میں ہم نے دیکھا "وہ لوگوں سے اپنے گھوارے میں باتیں کرے گا اور ادھیڑ عمر میں بھی اور وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا"۔ بچے اور بوڑھی عمر میں "انسان کی زندگی کو بیان کرنے کا ایک طریقہ معلوم ہوتا ہے جیسا کہ "گود سے گور تک"۔ اس تحریر کا مطلب واضح ہے: اللہ نے عیسیٰؑ کو روحانی طاقت بخشی اور وہ اپنے دور میں چین سے آکر تک اللہ منشاء کے مطابق بولتے رہے۔ ان الفاظ کا اور کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ عیسیٰؑ کے ہمیشہ اللہ کی مرضی کے مطابق بولنے کا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے ہمیشہ اللہ کی اطاعت کی۔ چنانچہ وہ ایک کامل مسلمان تھے۔

جب کہ میں نے تم کو کتاب اور حکمت کی باتیں اور تورات اور انجیل کی تعلیم دی۔

یہ پہلے ہی آیت 3:84 میں آیا ہے۔ اہم بات ہے کہ خود اللہ نے عیسیٰؑ کو سکھایا انہوں نے خود اسے دریافت نہ کیا اور نہ ہی سیکھا۔ کتنے لوگ یہ کہہ سکتے ہیں اللہ نے ان کو سب چیزیں سیکھائی۔ تو کیا ہم اس کو نظر انداز کر سکتے ہیں جو عیسیٰؑ نے تعلیم دی۔

اور جب کہ تم میرے حکم سے گارے سے ایک شکل بناتے تھے جیسے پرندہ کی شکل ہوتی ہے پھر تم اس کے اندر پھونک مار دیتے تھے جس سے وہ پرندہ بن جاتا تھا میرے حکم سے اور تم اچھا کر دیتے تھے مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے۔

اس تحریر میں آیت 3:49 میں بیان کیے گئے متن کو دہرایا گیا ہے اور اسکی تصدیق کی گئی ہے۔ اسکا مطلب ہے کہ یہ صرف ایک بار بیان نہیں ہوا ہے اور بار بار دہرایا جانا اس کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔ ہم نے آیت 3:49 میں دیکھا کہ مٹی کے پرندے بنا کر ان میں جان ڈالنا تخلیق کے عمل سے کم نہیں۔ کیونکہ اگر یہ آدمؑ کی تخلیق کی طرح تخلیق کا عمل نہیں تو آدمؑ، جو کہ مٹی سے بنائے گئے تھے اور اللہ نے ان میں اپنی روح پھونک کر جان بخشی، کی تخلیق کیسے تخلیق کہلا سکتی ہے؟ چناچہ ان لوگوں کو جو عیسیٰؑ کے ذریعے اللہ کے عمل کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں، محتاط رہنا چاہیے کیونکہ وہ اپنے آپ کو اللہ کو بدنام کرتا ہوا پائیں گے اور قیامت کے دن انہیں سنگین نتائج بھگتنا پڑیں گے۔

یہی متن انجیل میں بھی آیا ہے مگر قرآن کی تصدیق کے لیے انجیل میں ہونے کی ضرورت نہیں۔

اللہ کی عیسیٰؑ کے ذریعے عمل کرتی قدرت اور ان خداؤں (جن کی جاہل لوگ عبادت کرتے ہیں) کے درمیان فرق پر غور کریں جو کچھ بھی تخلیق نہیں کر سکتے اور بے قوت ہیں آیت 22:73 میں ہے۔

> لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسے غور سے سنو۔کہ جن لوگوں کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے اگرچہ اس کے لئے سب مجتمع ہوجائیں۔اور اگر ان سے مکھی کوئی چیز لے جائے تو اسے اس سے چھڑا نہیں سکتے۔طالب اور مطلوب (یعنی عابد اور معبود دونوں) گئے گزرے ہیں۔

ہمارے موجودہ متن (5:110) میں عیسیٰؑ کے پیدائشی اندھوں کو بھی بینائی عطا کرنے کا ذکر ہے۔

ایک پیدائشی اندھے کی آنکھوں میں بناوٹی نقص ہوتا ہے۔ یہ نقص دوائی یا جراحی سے ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ اس کی صحت یابی کے لیے آنکھ کی تعمیر ضروری ہے جس کے لیے تخلیقی قوت چاہیے۔ یہ زخم کے علاج جیسا نہیں۔ کوڑھ پن ایک خوفناک بیماری ہے جو ناک، ہاتھ یا پاؤں کے ضائع ہونے کا باعث بن سکتی ہے۔ اگر تندرستی کا مطلب کسی شخص کو اسکی اصلی حالت میں لانا ہے تو ہاتھ یا پاؤں کو اسکی حالت میں لانا تخلیقی عمل ہے۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اللہ نے کیسے دانائی سے ان تینوں چیزوں کا اکٹھا ذکر کیا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس آیت میں "میرے حکم سے" تین دفعہ آیا ہے۔ یہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ عیسیٰؑ جو بولتے تھے نہ صرف وہ اللہ کی مرضی کے مطابق ہوتا تھا بلکہ ان کا ہر کام بھی اللہ کی منشاء کے مطابق ہی ہوتا تھا۔

انہوں نے "گود سے گور تک" اور "بچپن سے جوانی تک" اپنی ساری زندگی اللہ کے حکموں کے مطابق گزاری۔ اب یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس عظیم دن اور اس عظیم مجمعے کے سامنے اللہ عیسیٰؑ کو کیوں مخاطب کرے گا۔

ہم پر یہ سب کچھ آپ ﷺ کے ذریعے پہنچایا گیا اور ہمیں اس چیز پر غور کرنا چاہیے کہ آپ ﷺ نے عیسیٰؑ کے متعلق تعلیمات میں سے کچھ چھپانے یا تبدیل نہ کیا۔ وہ عیسیٰؑ کو اپنے مدمقابل نہیں سمجھتے تھے۔ چناچہ انہوں نے اللہ کے عیسیٰؑ کے ذریعے شاندار کاموں کو چھپانے کی کوشش نہ کی۔ یہ ایک سچے پیغمبر کی نشانی ہے۔ آپ ﷺ کے عیسیٰؑ کے متعلق جذبات کا مندرجہ ذیل حدیث سے اظہار ہوتا ہے۔

ابوہریرہ آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں میں نے اللہ کے رسول کو فرماتے ہوئے سنا، "میں تمام لوگوں میں ابنِ مریم کے سب سے زیادہ نزدیک ہوں اور تمام پیغمبر بھائی ہیں اور میرے اور عیسیٰؑ کے درمیان کوئی پیغمبر نہیں" (صحیح بخاری 4.651)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا "اس دنیا اور آخرت میں عیسیٰؑ ابنِ مریم کے سب سے نزدیک ہو۔ تمام پیغمبر بھائی ہیں: ان کی مائیں مختلف ہیں لیکن ان کے مذہب ایک نہیں۔ (صحیح بخاری 4.652: صحیح مسلم 5835 اور 5836 بھی دیکھیں)

اس حدیث میں آپ ﷺ تمام انبیاء کو بھائی بتاتے ہیں (ایک ہی باپ سے پیدائش)، لیکن ان سب میں عیسیٰؑ کے نزدیک آپ ﷺ ہیں۔

حدیث 4.655 میں مزید آتا ہے "اگر ایک آدمی مجھ پر ایمان لائے اور عیسیٰؑ پر ایمان لائے تو اس کو دہرا اجر ملے گا"۔ کیا اسکا یہ ترجمہ کیا جا سکتا ہے: اگر کوئی عیسیٰؑ پر ایمان لائے اور پھر وہ ایمان ترک کر کے آپ ﷺ پر ایمان لائے تو اسکو دہرا اجر ملے گا؟ یقیناً یہ تشریح غلط ہوگی۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو کبھی بھی عیسیٰؑ پر ایمان لانے سے نہ روکا۔ جو دونوں انبیاء پر ایمان لائے گا وہی دگنا اجر پائے گا۔ یہ بات نہ صرف آپ ﷺ کے پچھلے پیراگراف میں بیان سے یا آپ ﷺ کی عیسیٰؑ سے قربت سے ثابت نہیں ہوتی ہے بلکہ یہ پوری حدیث سے نہایت واضح ہو جاتی ہے۔ پوری حدیث مندرجہ ذیل ہے ابو موسیٰ العشاری سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا "اگر کوئی اپنی خادمہ کو اچھے اخلاق سیکھائے، تعلیم دے، آزاد کرے اور پھر اس سے شادی کرے تو اسے دہرا اجر ملے گا۔ اگر ایک شخص عیسیٰؑ پر ایمان لائے اور مجھ پر ایمان لائے تو اسے دہرا اجر ملے گا۔ اگر ایک غلام اپنے مالک (اللہ) سے ڈرے اور اپنے آقاؤں کی اطاعت کرے تو اس دہرا اجر ملے گا"۔

یہاں دہرا اجر کمانے کے تین طریقے بتائے گئے ہیں۔ پہلے طریقے میں غلام عورت کو تعلیم دے کر آزاد کرنے اور شادی کرنے کی مشقت پر دہرا اجر ہے۔

اس آیت میں تیسرا طریقہ بھی بالکل واضح ہے۔ وہ شخص جو اللہ سے ڈرے اور اپنے دنیاوی آقاؤں کی اطاعت کرے دہرا اجر پائے گا۔ ان دونوں طریقوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ تیسرا طریقے کا ان کے درمیان میں ہونے کا مقصد اس کی وضاحت کرنا ہے اور وہ طریقہ یہ ہے: جو آپ ﷺ پر ایمان لائے اور عیسیٰؑ پر وہ دہرا اجر پائے گا۔

اسی بات کو حدیث 4.644 میں بھی دہرایا گیا ہے۔

عبیدہؓ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا" اگر کوئی اس چیز کی گواہی دے کہ صرف اللہ عبادت کے لائق ہے اور اسکا کوئی شریک نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور عیسیٰؑ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور وہ اس کا کلمہ ہیں جو مریمؑ کو عطا کیا گیا اور وہ اللہ کی تخلیق کردہ روح ہیں اور جنت سچ ہے جہنم بھی سچ ہے۔ تو اللہ اس کو اس کے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل کرے گا چاہے وہ اعمال کم ہی کیوں نہ ہو"۔ (جنیدہ جو کہ عبیدہؓ سے روایت کرتے ہیں نے کہا کہ عبیدہؓ نے کہا کہ ایسا شخص جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے گا)

اس سب سے واضح ہو جاتا ہے کہ آپ ﷺ کا رویہ ان پیر کاروں سے مختلف ہے جو قرآن میں عیسیٰؑ کے ذکر پر اسکی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اگرچہ وہ اس کو جھٹلا نہیں سکتے۔ انہوں نے قرآن میں کہیں وہ کام کرنے کا ذکر نہیں کیا جو عیسیٰؑ نے کیے اس کے باوجود انہوں نے عیسیٰؑ کے کاموں کا ذکر کیا۔

یہ آپ ﷺ کی دیانتداری، شان اور عاجزی کا ثبوت ہے۔

جب کہ تم مردوں کو نکال کر کھڑا کرلیتے تھے میرے حکم سے۔

ہم مردوں کو زندہ کرنے کے معجزے کے تذکرے کو باقی تین عظیم معجزوں کے ساتھ توقع کرسکتے تھے مگر اس کا علیحدہ تذکرہ کیا گیا ہے۔ شاید اس کی وجہ کو سمجھنا اتنا مشکل نہیں۔ ایک مردہ انسان مرنے کے بعد بھی انسان ہوتا ہے صرف اسکی روح پرواز کر جاتی ہے۔ چناچہ اس کے کسی حصے کی تعمیر ضروری نہیں، صرف روح لوٹانا باقی ہوتا ہے۔ اس طرح یہ معجزہ دوسروں سے علیحدہ ہے۔ اسکا مطلب یہ نہیں کہ یہ ان سے کمتر ہے بلکہ یہ صرف مختلف ہے چناچہ اس کا علیحدہ تذکرہ کیا گیا ہے۔

مردوں کو زندہ کرنے کا علیحدہ تذکرہ کرنے کی ایک اور وجہ ہو سکتی ہے۔ شاید یہ کہنا مقصد ہے کہ اس عمل کا اصل مطلب مرنے والے کو صرف اسکی پرانی روح لوٹا دینا نہیں بلکہ یہ کہ اللہ کی منشاء اور اس کے سچ کے اعلان کے ذریعے عاجز اور تابعدار دلوں کو نئی زندگی بخشی جاسکتی ہے۔ اتنی افضل چیز صرف "اللہ کے حکم" سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

جب کہ میں نے بنی اسرائیل کو تم سے باز رکھا جب تم ان کے پاس دلیلیں لے کر آئے تھے پھر ان میں جو کافر تھے انہوں نے کہا تھا کہ بجز کھلے جادو کے یہ اور کچھ بھی نہیں۔

"یہودی عیسیٰؑ کو صلیب پر چڑھانے سے بہت پہلے آپؑ کو قتل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔(لوقا29-28 دیکھیں) ہمیں دی گئی تعلیمات کے مطابق ان کی آپؑ کو صلیب پر چڑھانے کی کوششوں کو بھی ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا" Q [4]157(یوسف علی آیت5:110 پر نوٹ 821)

لوقا کے اس حصے میں بیان کیا گیا ہے کہ کیسے یہودی آپؑ کی تعلیمات کی وجہ سے بہت غصے میں تھے اور انہوں نے آپؑ کو پہاڑی سے نیچے پھینکنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اللہ کی حفاظت کی وجہ سے ہجوم سے گزر گئے اور اپنے راستے چلے گئے۔ لیکن جیسا کہ ہم اوپر بحث میں دیکھ چکے ہیں یوسف علی کی آیت 4:157 کی تشریح صحیح نہیں۔

قرآن میں بھی بیان کیا گیا ہے (2:87؛2:61) کہ اللہ کے پیغمبر اکثر غیبت کا نشانہ بنتے تھے اور قتل کر دیے جاتے تھے۔ یہاں عیسیٰؑ "کھلی نشانی" یعنی معجزے ادا کرتے ہیں تو ان پر جادو کرنے کا الزام لگایا جاتا ہے۔

"موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور محمد ﷺ سب پر ان لوگوں کی طرف سے جادو کرنے کا الزام لگایا گیا جو اللہ کی طاقت کو نہ سمجھ سکتے تھے"۔(یوسف علی نوٹ 822)

کھلی نشانیوں کو اللہ کی بجائے جادو سے منسوب کرنا اللہ کی توہین کے مترادف ہے۔

بے شک یہی بات ہم نے 2:87 میں دیکھی "اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی اور ان کے پیچھے یکے بعد دیگرے پیغمبر بھیجتے رہے اور عیسیٰ بن مریم کو کھلے نشانات بخشے اور روح القدس (یعنی جبرئیل) سے ان کو مدد دی۔تو جب کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسی باتیں لے کر آئے، جن کو تمہارا جی نہیں چاہتا تھا، تو تم سرکش ہو جاتے رہے، اور ایک گروہ (انبیاء) کو تو جھٹلاتے رہے اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے"۔

5:111 اور جب کہ میں نے حواریین کو حکم دیا کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ، انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور آپ شاہد رہیئے کہ ہم پورے فرماں بردار ہیں۔

ایمان کا مرکز اللہ اور اس کے رسول ہیں جو کہ متن کے مطابق عیسیٰؑ ہیں۔ یہ ایمان لانے کا حکم خود اللہ کی طرف سے دیا گیا۔ چناچہ انہوں نے اپنے ایمان لانے کا اعلان کیا اور عیسیٰؑ سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کے مسلمان ہونے کا یعنی جنہوں نے اللہ کے حکم کے آگے سر جھکایا، کے گواہ رہیں۔

اللہ کے حکم کے آگے سر جھکانے کے علاوہ کوئی سچا ایمان نہیں۔

5:112وہ وقت یاد کے قابل ہے جب کہ حواریوں نے عرض کیا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا آپ کا رب ایسا کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان ﴿دستر خوان﴾ نازل فرما دے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو۔

آیات 5:112-115 میں آسمان سے نازل کیے گئے دستر خوان کا ذکر ہے۔ یہ بیان صرف قرآن میں پایا جاتا ہے۔ انجیل میں شائد اس سے مماثلت رکھتی تحریر ہو جیسا کہ یوسف علی نے لکھا ہے۔

"مثال کے طور پر، پانی کا شراب میں بدلنا یوحنا[2]11-1؛ پانچ روٹیوں اور دو چھوٹی مچھلیوں کو 5000 آدمیوں کی خوراک میں بدلنا (یوحنا[6]13-5)؛ عیسیٰؑ کا گوشت کھانے اور خون پینے کی تمثیل لیکن یہ قرآن میں تعلیمات، جو اللہ نے نازل کرنے کو چنا، سے واضح مماثلت نہیں رکھتے۔

عیسیٰؑ نے اپنے شاگردوں کو ان الفاظ سے جواب دیا جو ان کی تعلیمات کا نچوڑ ہیں: "اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو"۔ اللہ کی طرف باادب رویہ اور اللہ کے حکموں کے مطابق زندگی گزارنا سچے ایمان کی بنیاد ہے۔ اور یہ معجزے دیکھنے سے بہت زیادہ اہم ہے۔ اللہ سے دل لگائے بغیر ایمان کا اعلان منافقت ہے اور اس منافقت کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ اللہ ہمیشہ عیسیٰؑ کی تعلیمات کا مرکز تھا۔

5:113وہ بولے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو پورا اطمینان ہو جائے اور ہمارا یہ یقین اور بڑھ جائے کہ آپ نے ہم سے سچ بولا ہے اور ہم گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں۔

شاگردوں کاایمان ناپختہ تھااورانجیل میں بیان ہے کہ وہ اکثر عیسیٰؑ کی تعلیمات کو سمجھنے سے قاصر رہتے تھے۔اپنی ناسمجھ اوراحساس کمتری کی وجہ وہ اکثر ضمانت مانگتے تھے"کہ تم (عیسیٰؑ) نے ہمیں دراصل سچ ہی بتایا ہے۔

5:114عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی کہ اے اللہ اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرما! کہ وہ ہمارے لئے یعنی ہم میں جو اول ہیں اور جو بعد کے ہیں سب کے لئے ایک خوشی کی بات ہوجائے اور تیری طرف سے ایک نشانی ہوجائے اور تو ہم کو رزق عطا فرمادے اور تو سب عطا کرنے والوں سے اچھا ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ عیسیٰؑ نے اپنے شاگردوں کے کمزور ایمان کاخیال کرتے ہوئے اللہ سے آسمان سے دستر خوان نازل کرنے کی سفارش کی۔ یہ دستر خوان ان شاگردوں کو سیکھاتا ہے کہ اللہ سب ضرورتوں کو پورا کرنے والا ہے چاہے وہ جسمانی ہو یا روحانی۔اس دستر خوان کے "عید بن جانے اوراگلے پچھلے لوگوں کے لیے نشانی" بن جانے کا بھی ذکر ہے۔یوسف علی (نوٹ826) کہتے ہیں" دعا کے الفاظ اس کے آخری کھانا ہونے کااشارہ دیتے ہیں"۔

یوسف علی اسی بات کے "انبیاء کے اعمال میں 'پیٹر کے خواب'"16-9[10] میں آنے کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔

(نوٹ826)

5:115حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں وہ کھانا تم لوگوں پر نازل کرنے والا ہوں، پھر جو شخص تم میں سے اس کے بعد ناحق شناسی کرے گا تو میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ سزا دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہ دوں گا۔

اللہ کی شاندار قدرت کو دیکھ کر بھی اسے جھٹلانا اپنے اوپر عذاب لانے کا باعث ہے۔ یہاں یہ الفاظ شاگردوں کے لیے ہیں مگر ہم انسان اپنی زندگی میں کسی بھی درجے میں چاہے وہ کم ہو یا زیادہ، اللہ کی رحمت سے مستفید ہوتے ہیں۔ چناچہ اس پر ایمان نہ لانے کی کوئی وجہ نہیں۔

5:116اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی علاوہ اللہ کے معبود قرار دے لو! عیسیٰ عرض کریں گے کہ میں تو تجھ کو منزہ سمجھتا ہوں، مجھ کو کسی طرح زیبا نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہیں، اگر میں نے کہا ہوگا تو تجھ کو اس کا علم ہوگا۔تو، تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتا ہے اور میں تیرے نفس میں جو کچھ ہے اس کو نہیں جانتا۔ تمام غیبوں کا جاننے والا تو ہی ہے۔.

"مجھے اور میری ماں کو معبود مقرر کرو" سے مماثلت رکھتے بیان کا انجیل میں کہیں بھی ذکر نہین۔اس کے برعکس انجیل میں اگلی آیت(5:117)میں بیان سچ کی تصدیق کی گئی ہے۔("میں نے اس سے کچھ نہیں کہا بجز اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا ہے")۔جیسا کہ ہم پہلے تذکرہ کر چکے ہیں عیسیٰؑ نے اپنی زندگی اللہ کے حکموں کے مطابق گزاری۔بے شک ان کی زندگی اس اصول کے مطابق گزری "تمام شان تیرے لیے"۔اس بات کی یوحنا میں تصدیق ہے۔جہاں عیسیٰؑ نے فرمایا"میں ہمیشہ اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں"(یوحنا8:29)

اللہ عالم الغیب ہے وہ تمام چھپی ہوئی چیزوں کو جانتا ہے خاص طور پر ان چیزوں کو جو لوگوں کے دلوں میں ہوتی ہیں۔ عیسیٰؑ "ابنِ آدم" نے سب چیزوں کو جاننے کا کبھی اعلان نہ کیا۔ متّی میں عیسیٰؑ یہ کہتے ہیں "وہ دن یا وہ وقت کب آ ئے گا کو ئی نہیں جانتا۔ بیٹے کو اور آسما نی فرشتوں کو وہ دن یا وہ وقت کب آ ئے گا معلوم نہیں۔ صرف باپ کو معلوم ہے" صرف "باپ" کو قیامت کے دن کا علم ہے۔ یہاں عیسیٰؑ اپنے آپ کو "بیٹا" کہہ کر حوالہ دیتے ہیں۔ لیکن یہاں یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ اللہ سے کوئی جسمانی تعلق کا اظہار نہیں کیا گیا ہے۔ ہم یہ کیسے جانتے ہیں؟ یہ متّی کی اگلی آیت میں جہاں "بیٹے" کو ابنِ آدم کہا گیا ہے آیت مندرجہ ذیل ہے "نوح کے زما نے میں جیسے حا لا ت پیش آ ئے تھے ویسے ہی حا لا ت ابن آدم کے آ نے وا لے زمانے میں بھی پیش آئیں گے"۔ (متّی 24:37)

صفحہ نمبر85

یہ بات قابل غور ہے کہ یہودیوں (اور دوسری تہذیبوں) میں استاد یا آقا کو ادب یا محبت کے باعث باپ کہنا ایک قدیم روایت تھی۔ لیکن اتنا مضبوط تعلق استوار کرنا ممکن تھا جس سے اللہ کے ساتھ تعلق کی اہمیت خطرے میں پڑ جاتی۔ چنا چہ عیسٰیؑ نے ایک عجیب اعلان کیا"اس دنیا میں تم کسی کو باپ کہہ کر مت پکارو۔اس لئے کہ تم سب کا ایک ہی باپ ہے اور وہ آسمان میں ہے"۔(متیٰ23:9)وہ انسان کے اللہ کے ساتھ تعلق کے بارے میں میں اتنے حساس تھے کہ وہ کسی اور تعلق کو ایسے کمزور کرنے کی اجازت نہ دے سکتے تھے۔ یہاں اس بات کا خیال کریں کہ صرف عیسٰیؑ نہیں بلکہ ہر کسی کو اللہ کو" باپ" سمجھنا چاہیے۔ یہ عیسٰیؑ کی سب سے زیادہ غیر معمولی اور غلط سمجھی گئی تعلیمات ہیں۔اس سب کو صحیح طور پر سمجھ کر ہم یہ سیکھ سکتے ہیں کہ " باپ "اور" بیٹا" برابر نہیں ہوتے۔ عیسٰیؑ" باپ" کو قیامت کے دن کا پتہ ہونے اور ان کو نہ پتہ ہونے سے کے بیان سے اس کی وضاحت کرتے ہیں۔ یہ بات اور واضح ہو جاتی ہے جب ہم متیٰ24:36کا متیٰ24:50 "اور وہ تیار بھی نہ رہیگا۔کہ غیر متوقع طور پر اسکا مالک آجائیگا"۔کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں۔ یہاں یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ خادم کو قیامت کی گھڑی کا نہیں پتہ صرف مالک کو پتہ ہے۔ چناچہ " بیٹے "اور خادم کا مالک کے ساتھ ایک ہی قسم کا تعلق ہے اگرچہ محبت اور ادب کے باعث وہ اسے "باپ" کہتا ہے۔

عیسیٰؑ کا یہ رویہ جس سے وہ خدا کے ساتھ اپنے تعلق کو ایک خادم کو ہونے پر زور دیتے ہیں قرآن میں بیان بڑے مسئلے کہ عیسیٰؑ کو مسلسل "خدا کا بیٹا" کہنا ان کا اللہ کے ساتھ برابری کا اظہار ہے کو جواب دیتا ہے۔ بلاشبہ ایک خادم کا درجہ آقا جیسا نہیں ہوتا لیکن بیٹا ایک ہی خاندان کا ہونے کی وجہ سے کسی حد تک برابر ہوتا ہے۔ اللہ کے ساتھ "بیٹے" کا تعلق ہونے سے یہی برابری مراد ہے اور اسکی مندرجہ ذیل آیت میں نفی کی گئی ہے

صفحہ نمبر86

19:88ان کا قول تو یہ ہے کہ اللہ رحمٰن نے بھی اولاد اختیار کی ہے۔

19:89یقیناً تم بہت بری اور بھاری چیز لائے ہو۔

19:90قریب ہے کہ اس قول کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہوجائے اور پہاڑ ریزے ریزے ہو جائیں۔

19:91کہ وہ رحمان کی اولاد ثابت کرنے بیٹھے۔

19:92شان رحمٰن کے لائق نہیں کہ وہ اولاد رکھے۔

19:93آسمان وزمین میں جو بھی ہیں سب کے سب اللہ کے غلام بن کر ہی آنے والے ہیں۔

اللہ کے بیٹے جننے کی دو جگہ تردید ہوئی ہے اور دونوں جگہ بیٹے کے جننے سے انسانوں کو اس کے برابر لا کر اسکے ایک خدا ہونے کی نفی ہونے کا ذکر ہے۔

1۔یہ الزام کہ خدانے بیٹے کو جناہے اس کو انسان کے مقام تک گرانے کے مترادف ہے کہ اس کی انسانوں جیسی جنسی خواہشات ہیں۔اللہ اور انسان کو ایک مقام پر لانا ایسی حیوانیت ہے(19:89)جو آسمانوں کے پھٹنے اور زمین کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کا باعث ہو سکتی ہے۔(19:90)

2۔بیٹا باپ کے ساتھ خونی رشتہ ہونے کی وجہ سے ایک خاص برابری رکھتا ہے۔ایک بیٹا خادم نہیں ہو سکتا۔اگرچہ ایسی کوئی وجہ نہیں جو ایک بیٹے کو باپ سے اتنی لگن سے روکے کہ وہ خادم کی طرح اس کی خدمت نہ کرے لیکن حقیقت میں چند ہی ایسے بیٹے ہوں گے جو بیٹا ہونے کی حیثیت کو ترک کر کے خادم کی طرح باپ کی خدمت کرنے کے لیے تیار ہوں گے۔لیکن آسمانوں اور زمینوں کے تمام جانداروں کا اللہ کا خادم ہونا ضروری ہے۔(19:93)

ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ جب عیسیٰؑ نے اللہ کے لیے باپ کا لفظ استعمال کیا(جیسے "مالک کی دعا" ان الفاظ "آسمانوں میں ہمارا باپ" سے شروع ہوتی ہے)تو انہوں نے کبھی اللہ کے ساتھ برابری کا اظہار نہ کیا۔

بلکہ اس کا مطلب لوگوں کو یہ سیکھانا تھا کہ وہ اللہ کو ان قدیم حکمرانوں کی طرح بلند و بالانہ سمجھیں جو عام لوگوں کی پہنچ سے باہر تھے۔ اگر اللہ کو دور اور عام لوگوں کی پہنچ سے باہر سمجھا جائے تو لوگ کیونکر اس کو اپنے دل میں جگہ دیں گے ؟

اگر عبادت کو صرف روایات تک نہ گھٹا دیا جائے تو کیا وہ اللہ قربت حاصل کرنے کے لیے ہی نہیں ؟

انجیل سے یہ بات واضح ہے کہ عیسیٰؑ کی تعلیمات میں "بیٹے" کا تصور اللہ کو ایک نئے طریقے سے سمجھنے کے لیے تھا۔ ایک پیار محبت والا پاک باپ۔ لیکن عیسیٰؑ کی تعلیمات میں "بیٹا" اللہ کا خادم ہی ہوتا ہے جو اللہ کی اطاعت خوشی سے کرتا ہے نہ کہ خادم کی سی ذمہ داری کی وجہ سے۔ عیسیٰؑ نے اپنی تعلیمات اور اپنی زندگی سے دکھایا کہ وہ اللہ کی منشاء کے مطابق عمل کرتے تھے۔ حتیٰ کہ گیٹسیمن کے باغ میں اپنے زمانے کے آخری وقت میں جب ان کو یقینی موت کا سامنا تھا ان کی یہی دعا تھی "میری منشاء نہیں بلکہ تیری منشاء پوری ہو گی"۔

تاہم عیسائی "بیٹے" کا لفظ ہمیشہ اللہ کے ساتھ برابری اظہار کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اور اگر "بیٹا" "باپ" کے برابر ہے تو اسکا صاف مطلب ہے وہ دونوں ایک ہی ہیں۔ اور اگر دونوں میں سے ایک خدا ہو تو اس نتیجے سے کیسے بچیں کہ ان میں سے دوسرا بھی خدا ہے۔ اسی بات کی قرآن مذمت کرتا ہے۔

عیسائی عیسیٰؑ کو "اللہ کا بیٹا" کہنا پسند کرتے ہیں۔ تاہم یہ بات قابل توجہ ہے کہ تینوں انجیلوں (لوقا، یوحنا، اور متی) میں کبھی آپؑ نے یہ لفظ اپنی زبان سے ادا نہ کیے۔ ہمیشہ دوسرے لوگ ہی آپکو اس خطاب سے نوازتے ہیں۔

متی (26:63) میں ہے کہ جب ان پر یہودیوں کی سپریم عدالت میں مقدمہ چل رہا تھا تو ان سے یہ سوال پوچھا گیا، "کیا تم خدا کے بیٹے ہو"، جس کا آپؑ نے جواب دیا، "یہ تمہارے الفاظ ہیں میرے نہیں"۔

لیکن لوقا میں آپؑ کے "میں ہوں" کہنے کا ذکر ہے (لوقا 22:70) لیکن وہ فوراً اپنے آپ کو ابنِ آدم کہتے ہیں۔

صفحہ نمبر88

یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ لوقا کے شروع میں وہ آدم کو "خدا کا بیٹا" کہتے ہیں۔(لوقا3:38)

یہ بات درست ہے کہ یوحنا میں عیسیٰؑ کو کئی بار "خدا کا بیٹا" کہا گیا ہے مگر یہ فرق کرنا مشکل ہے کہ کونسے جان کے اپنے الفاظ ہیں اور کونسے عیسیٰؑ کے۔ لیکن پہلی تین انجیلوں کی واضح روشنی میں (کہ عیسیٰؑ مسلسل اپنے لیے "ابنِ آدم" استعمال کرتے رہے ہیں اور کبھی اپنے لیے "خدا کا بیٹا" استعمال نہ کیا)۔ دیکھا جا سکتا ہے کہ یوحنا میں خدا کا بیٹا خود جان کی طرف سے تشریح کرنے کے لیے اضافہ کیا گیا۔

5:117"میں نے ان سے کچھ نہیں کہا بجز اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا ہے وہ یہ کہ تم خدا کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے اور جب تک میں ان میں رہا ان (کے حالات) کی خبر رکھتا رہا جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھا لیا تو تو ان کا نگران تھا اور تو ہر چیز سے خبردار ہے"۔

یوسف علی عیسیٰؑ کے الفاظ "اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا مالک ہے" کی انجیل میں مماثلت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

"حوالہ متی [4]10 جہاں عیسیٰؑ شیطان کی اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کرنے کی خواہش پر ملامت کرتے ہیں۔ یوحنا [20]17 جب عیسیٰؑ نے لیڈی میگڈالین سے کہا "میرے بھائیوں کے پاس جاؤ اور ان سے کہو، میں اٹھالیا جاؤں گا تمہارے باپ کی طرف اور میرے باپ کی طرح اور تمہارے خدا کی طرف اور میرے خدا کی طرف "(آیت 5:72 پر نوٹ 782)

آخری قول جہاں عیسیٰؑ انجیل میں کہتے ہیں "میں اٹھالیا جاؤں گا" کا قرآن میں موجود اس بیان "تو نے مجھے اوپر "اٹھالیا سے براہ راست تعلق نظر آتا ہے (4:158 بھی دیکھیں)۔ لیکن آیت 5:117 پر یوسف علی لکھتے ہیں،

"عیسیٰؑ یہاں تسلیم کرتے ہیں کہ وہ فانی ہیں اور ان کا علمِ فانی لوگوں کی طرح محدود تھا" (نوٹ 831)

صفحہ نمبر 89

یہ بات بالکل واضح نہیں کہ قرآن میں آیت کے کونسے الفاظ یوسف علی سے تشریح کروا رہے ہیں۔ کیا وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ الفاظ "جب تونے مجھے اٹھالیا تھا" عیسیٰؑ کی موت اور ان کی لافانیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں؟ لیکن کسی کی موت کو عام طور پر "لے لیا گیا" سے بیان جاتا ہے۔ اور کیا وہ "میرے خدا اور تمہارے خدا" کی طرف اشارہ کرر ہے ہیں جسکا مطلب ہے کہ آپؑ انسان ہیں اور لافانی ہیں۔

لیکن مسئلہ یوسف علی کی ان الفاظ کی تشریح سے پیدا ہوتا ہے "جب تونے مجھے اٹھالیا تھا" جو یہ اشارہ دیتے ہیں کہ عیسیٰؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے کا حوالہ دیتے ہیں۔ اس اشارے کی مزید تصدیق اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ آیت 5:72 پر ان کی نوٹ میں عیسیٰؑ کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کا حوالہ دیا گیا ہے۔ لیکن یہاں یہ واضح ہے کہ وہ (عربی) قرآن کے الفاظ (جس کا وہ "اٹھائے جانے" سے تشریح کرتے ہیں) کا کچھ مختلف مطلب لیتے ہیں۔

وہ ان الفاظ کو عیسیٰؑ کی موت کی طرف اشارہ کرتے سمجھتے ہیں۔ دوسرے مکاتبین کی ان الفاظ کی تشریح دیکھ کر فوراً واضح ہو جاتا ہے کہ ایسا کیوں ہے۔ پکتھل ان الفاظ کی "تونے مجھے لے لیا" سے تشریح کرتے ہیں۔ جبکہ شاکر "تونے میری موت کا سبب بنایا" سے واضح تشریح کرتے ہیں۔ این۔ جے۔ داؤد "تونے مجھے اپنے پاس بلالیا"۔ عربی الفاظ کا سادہ مطلب "تونے میری روح لے لی"[24] معلوم ہوتا ہے جو کہ موت کی طرف اشارہ کرنے کا واضح طریقہ ہے۔

یوسف علی کی تشریح کی ایک وجہ ہوسکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کا عیسیٰؑ کی موت سے متعلق جواب نہایت مبہم ہے۔ وہ عیسیٰؑ کے فانی ہونے کی تصدیق کرتے ہیں۔ لیکن وہ اس نظریے کی بھی پیروی کرتے نظر آتے ہیں کہ "عیسیٰؑ عام انسانی موت نہ مرے اور ابھی تک جنت میں زندہ ہیں" (آیت 4:158 پر نوٹ 664) جس کا مطلب ہے کہ وہ موت سے پہلے ہی جنت میں اٹھا لیے گئے۔[25]

---

[24] حوالہ دی قرآن، اے نیو ٹرانسلیشن پروفیسر ایم۔ اے۔ ایس عبدالحریم آکسفورڈ یونیورسٹی پریس 2004۔

[25] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علی اس نظریے کہ عیسیٰؑ نے وفات نہ پائی پر مکمل یقین نہ رکھتے تھے۔ آیت 19:33 میں شیر خوار عیسیٰؑ نے کہا" اور جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کرکے اٹھایا جاؤں گا مجھ پر سلام (ورحمت) ہے"۔ ان الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے یوسف علی لکھتے ہیں"جو اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ عیسیٰؑ فوت نہ ہوئے کو اس آیت پر غور کرنا چاہیے"۔(کوٹڈ ان جیسس کرائسٹ اینڈ میری، کال ٹو یونیٹی پبلیکیشنز، استنبول، (مئی)2003، صفحہ۔20، این۔29)

صفحہ نمبر 90

لیکن قرآن یہ نہیں کہتا کہ آپؑ سولی پر نہ چڑھائے گئے۔ قرآن یہ کہتا ہے کہ آپؑ کو سولی پر یہودیوں نے نہ چڑھایا۔ اور جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں بلاشبہ یہی سچ تھا۔ (آیت 4:157 اور اس پر بحث دیکھیں)

اگر یوسف علی یہ کہیں کہ عیسیٰؑ فوت نہ ہوئے تو ان کو یہ ثابت کرنے کے لیے، کہ عیسیٰؑ لافانی تھے ایسی آیات کا حوالہ دینا پڑے گا۔ لیکن فانی ہونے کا مطلب صرف انسان ہونا نہیں، بلکہ یہ ہے کہ انسان ہونے کا مطلب آخرکار مرنا ہے۔ اگر عیسیٰؑ فوت نہ ہوئے تو اس لفظ کے معنی کی روح سے فانی بھی نہ تھے۔ یہ کہنا کہ عیسیٰؑ قیامت سے کچھ وقت پہلے وفات پائیں گے محض قیاس آرائی ہے۔ قرآن کے مطابق اس قیاس آرائی کی کوئی بنیاد نہیں۔ صرف عیسیٰؑ کی موت سے ہمیں ان کے فانی ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ چناچہ یہ ساری بحث خود شکستگی کا باعث ہے۔

کیا ان کا صلیب پر مرنا ان کو فانی ثابت کرنے کا سب سے آسان طریقہ نہیں؟ عیسائی اس کے خلاف بحث نہیں کر سکتے کیونکہ وہ اسکو مکمل طور پر تسلیم کرتے تھے۔

اس کے علاوہ عیسیٰؑ کی موت کوئی خفیہ عمل نہ تھا۔ یہ ایک عوامی اجتماع میں فلسطین کے رومی گورنر کے زیرِ نگرانی ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم اور غیر عیسائی، جدید اور قدیم عالموں نے عیسیٰؑ کی سولی پر موت کی حقیقت کو جھٹلانے کی کوئی کوشش نہ کی۔

کچھ ہجر نگاروں نے تو عیسائیوں کا صلیب پر چڑھائے گئے خدا پر ایمان لانے پر مذاق بھی اڑایا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ کے کسی پیغمبر کا اس حالت میں مرنا مناسب نہیں تو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن میں ایسے کئی حوالے ہیں جہاں اللہ کے پیغمبروں کو جھٹلانے والوں پر ان کو قتل کرنے کا بھی مجرم ٹھہرایا گیا ہے۔(2:61،2:87،3:21)

کچھ لوگ جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ عیسیٰؑ فوت نہ ہوئے پھر بھی یہ سوچتے ہیں کہ آیت 4:159 میں الفاظ "انکی موت سے پہلے " سے مراد عیسیٰؑ ہیں۔ وہ قیاس پر مبنی یہ تشریح پیش کرتے ہیں کہ عیسیٰؑ قیامت سے پہلے وفات پائیں گے اور دوبارہ اٹھا لیے جائیں گے۔ اس نظریے سے یوسف علی اتفاق نہیں رکھتے اور اسکا آیت 4:159 میں نوٹ 665 پر ان کی طرف سے تذکرہ ہے۔ یہ قیاس آرائی قرآن کی روح کے مطابق نہیں۔

صفحہ نمبر 91

اگر ہم عیسائیوں کی دلیل کو غلط ثابت کرنا چاہیں کہ عیسیٰؑ خدا ہیں تو اس سے بہتر طریقہ کیا ہو سکتا ہے کہ ان کی اپنی تعلیمات استعمال کی جائیں۔ انکی تعلیمات یہ تصدیق کرتی ہیں کہ آپؑ سولی پر لٹکائے گئے، چناچہ وہ فانی تھے۔ عیسیٰؑ کے فانی اور خدا بھی ہونے کو سمجھنا ان کا کام ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ آرتھوڈاکس عیسائی، عیسیٰؑ کے انسان ہونے اور خدا ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ لیکن اگر آپ ان سے اس کی تشریح کرنے کو کہیں تو وہ نہ صرف لغویات کا سہارا لیں گے بلکہ یہ تسلیم کریں گے کہ وہ اس کی تشریح نہیں کر سکتے۔ یہ ان کو ایک کمزور اور خود کی نفی کرنے والی جگہ پر لا کھڑا کر دیتا ہے۔

عیسیٰؑ کا سورۃ 6 میں ذکر

6:83 اور یہ ہماری حجت تھی وہ ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے مقابلے میں دی تھی ہم جس کو چاہتے ہیں مرتبوں میں بڑھا دیتے ہیں۔بے شک آپ کا رب بڑا حکمت والا بڑا علم والا ہے۔

6:84 اور ہم نے ان کو اسحاق دیا اور یعقوب ہر ایک کو ہم نے ہدایت کی اور پہلے زمانہ میں ہم نے نوح کو ہدایت کی اور ان کی اولاد میں سے داؤد کو اور سلیمان کو اور ایوب کو اور یوسف کو اور موسیٰ کو اور ہارون کو اور اسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو جزا دیا کرتے ہیں۔

6:85 اور (نیز) زکریا کو اور یحیٰ کو اور عیسیٰ کو اور الیاس کو، سب نیک لوگوں میں سے تھے۔

6:86 اور نیز اسماعیل کو اور یسع کو اور یونس کو اور لوط کو اور ہر ایک کو تمام جہان والوں پر ہم نے فضیلت دی۔

6:87 اور نیز ان کے کچھ باپ دادوں کو اور کچھ اولاد کو اور کچھ بھائیوں کو، اور ہم نے ان کو مقبول بنایا اور ہم نے ان کو راہ راست کی ہدایت کی۔

عیسیٰؑ کا ذکرؑیا، الیاسؑ، اور یحییٰؑ کے ساتھ ذکر ہے اور ان سب کا "نیک لوگوں میں سے" ہونے کا ذکر ہے۔ آیت 9:4 میں ہم پڑھتے ہیں "اللہ کو نیکوکاروں سے محبت ہے"، اور 9:7 میں "اللہ متقین کو پسند کرتا ہے"۔

آیت 86-6:83 اللہ کے نزدیک عظیم ناموں کا ذکر ہے۔ آیت 6:85 میں ان عظیم ناموں کے درمیان عیسیٰؑ کا تین ناموں کے ساتھ ذکر ہے جو ان کے ساتھ قریبی تعلق رکھتے تھے۔

"زکریا، جان بپتسمہ دینے والے کے باپ تھے جو عیسیٰؑ کے نقیب تھے (47-3:37) اور عیسیٰؑ نے جان بپتسمہ والے کا بطورِ الیاس تذکرہ کیا: 'یہ الیاس ہے جس نے آنا تھا' (متی [11] 14): الیاس اور ایلیاہ ایک ہی ہیں" (یوسف علی، آیت 6:85 پر نوٹ 905)

صفحہ نمبر 93

اگرچہ الیاسؑ کا زمانہ جان بپتسمہ دینے والے سے بہت پہلے تھا لیکن الیاسؑ کی طرح جان کا اللہ کے لیے وہی جذبہ تھا جو الیاسؑ کے زمانے کا، ان کی شدید مخالفت کے باوجود، خصوصیت تھا۔ جان کو بھی اسی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی وجہ سے عیسیٰؑ نے جان کے متعلق کہا "یہ الیاس ہیں"۔ یہودی یہ یقین رکھتے ہیں کہ میسحا کی آمد سے پہلے وہ دوبارہ آئیں گے اور لوگوں کو نام دیں گے۔ قرآن جان کی الیاس سے اس شناخت کا، دونوں کا عیسیٰؑ کے ساتھ اس آیت میں تذکرہ کر کے تصدیق کرتا ہے۔

قرآن الیاسؑ کے بارے میں آیات (37:123-130) میں بہت کچھ بیان کرتا ہے۔

37:123 اور الیاسؑ بھی یقیناً مرسلین میں سے تھا۔

37:124 یاد کرو جب اس نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ "تم لوگ ڈرتے نہیں ہو؟

37:125 کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور احسن الخالقین کو چھوڑ دیتے ہو۔

37:126 اُس اللہ کو جو تمہارا اور تمہارے اگلے پچھلے آبا و اجداد کا رب ہے؟

37:127 مگر انہوں نے اسے جھٹلا دیا، سو اب یقیناً وہ سزا کے لیے پیش کیے جانے والے ہیں۔

37:128 بجز اُن بندگان خدا کے جن کو خالص کر لیا گیا تھا۔

37:129 اور الیاسؑ کا ذکر خیر ہم نے بعد کی نسلوں میں باقی رکھا۔

37:130 سلام ہے الیاسؑ پر۔

الیاس جن کا بطورِ اللہ کے سچے پیغمبر، موسیٰ اور ہارون سے موازنہ کیا گیا ہے، جان بپتسمہ دینے والے کے روپ میں عیسیٰؑ کے نقیب تھے۔ جیسا کہ یوسف علی نے تذکرہ کیا ہے۔ یہ عیسیٰؑ کا اللہ کے خادم ہونے کے ناطے عظمت کا اظہار ہے۔

6:83-86 پر غور کرنے سے ایک اور قابل توجہ چیز معلوم ہوتی ہے: ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں تذکرہ کیے گئے نام تاریخی ترتیب میں نہیں۔ مثلاً نوح کو ابراھیمؑ، اسحاق اور یعقوب کے بعد تذکرہ کیا گیا ہے۔

صفحہ نمبر 94

موسیٰ اور ہارونؑ کا تذکرہ داؤدؑ اور سلمانؑ کے بعد آیا ہے۔ اسی طرح لوطؑ کا تذکرہ اسماعیلؑ اور الیاسؑ کے بعد آیا ہے۔ لیکن عیسیٰؑ کا تذکرہ اسماعیلؑ، الیاسؑ، اور یونسؑ سے پہلے آیا ہے مگر ان کا زمانہ بہت بعد تھا۔ اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ ایک حقیقت واضح ہے: ان ناموں کی شروعات ابراھیمؑ سے اور اختتام لوطؑ پر ہوتی ہے۔ لوطؑ، ابراھیمؑ کے بھتیجے تھے۔ چناچہ ان ناموں کا اختتام، شروعات پر ہوتا ہے اور ایک دائرہ بن جاتا ہے۔

چناچہ یہ "اللہ کے قریب لوگوں" کا دائرہ بیان کرتا معلوم ہوتا ہے۔ آیت 3:45 میں دیکھتے ہیں

جب فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ تعالیٰ تجھے اپنے ایک کلمے کی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہے جو دنیا اور آخرت میں ذی عزت ہے اور **وہ میرے مقربین میں سے ہے**

"اللہ کے خاصوں" کا آیت 56:88، 56:11 اور 83:28 میں بھی تذکرہ ہے۔

یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور حکم (شریعت) اور نبوت عطا فرمائی تھی۔اگر یہ (کفار) ان باتوں سے انکار کریں تو ہم نے ان پر (ایمان لانے کے لئے) ایسے لوگ مقرر کردیئے ہیں کہ وہ ان سے کبھی انکار کرنے والے نہیں۔

بالکل یہی بات عیسیٰؑ نے بھی کہی" اسی وجہ سے میں تم سے جو کہتا ہوں وہ یہ کہ خدا کی بادشاہت تم سے چھین لی جائیگی اس خدا کی بادشاہت کو خدا کی مرضی کے مطابق کام کرنے والوں کو دی جائیگی"۔(متی 21:42-43)

اللہ نے عیسیٰؑ کو اپنے پیغام کے ساتھ یہودیوں کی طرف بھیجا مگر صرف چند لوگوں نے پیروی کی اور انہوں نے بطورِ قوم عیسیٰؑ کو جھٹلادیا۔ چناچہ اللہ کا پیغام غیر یہودیوں کو دیا گیا۔ لیکن وقت کے ساتھ عیسائیوں اور ان کی تعلیمات پر عمل چھوڑ دیا۔

عیسائیوں نے اب عملی طور پر عیسیٰؑ کی تعلیمات کو رد کر دیا ہے سوائے ان کے نام کے۔ وہ عیسائیت کے ان طریقوں کی پیروی کرتے ہیں جو پال کی تعلیمات پر مبنی ہیں اور انہوں نے عیسیٰؑ کی تعلیمات کی نظرانداز کر دیا ہے۔ آج کل کی عیسائیت بے شرمی سے مادی چیزوں اور ڈالروں کے حصول میں مصروف ہے۔ کیا اللہ اپنے الفاظ کو پورا کرے گا، " اگر یہ (کفار) ان باتوں سے انکار کریں تو ہم نے ان پر (ایمان لانے کے لئے) ایسے لوگ مقرر کردیئے ہیں کہ وہ ان سے کبھی انکار کرنے والے نہیں" کیا اللہ جلد ہی مغرب کی خراب اور نامزد عیسائیت کا اختتام کر دے گا اور ان کی جگہ اپنا ایمان نئے لوگوں کو عطا کرے گا؟

7:40 اگر یہ (کفار) ان باتوں سے انکار کریں تو ہم نے ان پر (ایمان لانے کے لئے) ایسے لوگ مقرر کردیئے ہیں کہ وہ ان سے کبھی انکار کرنے والے نہیں۔

اونٹ کو سوئی کے نکے میں گزارنا ایک کہاوت ہے جو ایک امیر لڑکے کی کہانی میں آئی ہے۔ جو آپؑ سے پہلے پوچھنے آیا کے وہ "ابدی زندگی" کیسے حاصل کر سکتا ہے۔ جب عیسیٰؑ نے اس سے اسکی جمع پونجی بیچنے اور رقم غریبوں کو دے کر آپؑ کی پیروی کرنے کو بولا تو وہ مایوس ہو کر لوٹ گیا کیونکہ وہ اپنے اثاثہ جات فروخت نہ کر سکتا تھا۔ عیسیٰؑ نے تب اپنے شاگردوں سے کہا" ہاں اور میں تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے نکے میں سے گزر جانا کسی مالدار کا خدا کی بادشاہت میں داخل ہونے کے بہ نسبت آسان ہے"۔

عیسیٰؑ کا سورۃ 9 میں ذکر

9:30 یہود کہتے ہیں عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی کہتے ہیں مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ قول صرف ان کے منہ کی بات ہے۔اگلے منکروں کی بات کی یہ بھی نقل کرنے لگے اللہ انہیں غارت کرے وہ کیسے پلٹائے جاتے ہیں۔

9:31 ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے اور مریم کے بیٹے مسیح کو حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔

اس بیان پر "یہودی عزیر کو اللہ کا بیٹا بلاتے تھے" یوسف علی لکھتے ہیں، " بداوی کے مطابق یہودیوں کا ایک فرقہ عزیزؑ کو اللہ کا بیٹا بلاتے تھے۔" (9:30 پر نوٹ 1283)۔ ہو سکتا ہے کہ پانچویں صدی عیسوی میں یہودیوں کے بابیولوں میں جلاوطنی کے بعد واپسی پر ان کی بحالی میں عزیزؑ کے اہم کردار کی وجہ سے انہیں اللہ کا بیٹا بلایا جانے لگا ہو۔

یہودی فرشتوں کے لیے اللہ کا بیٹا کی اصطلاح استعمال کرتے تھے کہ جیسا کہ جان 7.38 میں ہے "جب صبح کے ستارے اکٹھا گانے لگے تو اللہ کے بیٹے خوشی سے چلائے"۔ لیکن کیونکہ یہودی ایک اللہ پر سختی سے یقین رکھتے تھے۔ چنا چہ بیٹوں سے مراد اللہ سے کوئی جسمانی تعلق نہیں تھا۔اس کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ واضح نہیں کہ فرشتوں کو "بیٹا" کیوں کہا گیا جب کہ جسمانی تعلق ظاہر کرنا مقصد نہ تھا۔ یہاں "بیٹے" سے کیا مراد ہے؟

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "اللہ کا بیٹا" فرشتوں کی طرح ان چیزوں کے لیے استعمال کیا گیا جو کہ عام انسانوں سے زیادہ تھیں۔ 'زیادہ' سے مراد روحانی طور پر زیادہ ہے نہ کہ جسمانی طور پر۔

روحانی ہونے کی بناءپر وہ اللہ کے اور اسکی منشاء کے قریب ہیں۔ اگرچہ وہ کسی بھی طریقے سے اللہ کے برابر نہیں لیکن ان کو "اللہ کے بیٹے" کہا جاتا تھا (یہودیوں اور دوسرے لوگوں کی جانب سے) کیونکہ وہ اللہ کے نزدیک سمجھے جاتے تھے اور عام لوگوں کی نسبت زیادہ اللہ جیسے تھے۔

تاہم اس اصطلاح کا استعمال لوگوں کو یہ غلط سوچ سوچنے پر مجبور کر سکتا ہے کہ شائد اللہ سے کوئی جسمانی تعلق مراد ہے اور یہ سوچ توہین امیز ہے۔ بلاشبہ "عیسائی یسوع کو اللہ کا بیٹا"(9:30) اسی وجہ سے کہتے ہیں، کہ ان کا یہی مطلب تھا کہ عیسیٰؑ عام لوگوں سے بڑھ کر ہیں۔ لیکن اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے، "کتنے بڑھ کر ہیں"؟

عیسائی اس کا جواب یہ دیتے ہیں "فرشتوں سے بڑھ کر"۔ تو اگر فرشتے اللہ کے بیٹے کہلائے جاتے تھے تو جو ان سے اوپر ہے وہ کتنا بڑھ کر ہو گا؟ اس سے ایک اور سوال جنم لیتا ہے، "فرشتوں سے کتنا اوپر ہیں"؟۔ عیسائیت کی چوتھی صدی میں چرچ کا یہ جواب تھا کہ وہ "انسانی روپ میں خدا تھے" یعنی انسانی حالت میں خدا۔ چنانچہ "خدا کا بیٹا" "اب "بیٹا خدا

"بن گیا۔ یہ عیسائی چرچ کا دفتری اصول تھا اور جس عیسائی نے اسے قبول نہ کیا اس کو مرتد قرار دے دیا گیا اور اس کو چرچ سے خارج کر دیا گیا۔

مغربی چرچ کے رہنما اس اصول کو اس حد تک لے گئے کہ جو ان کی طرح عیسیٰؑ کا "خدا کا بیٹا" ہونے کا اعلان کرتے تھے ان کو بھی بدعت کرنے والا قرار دے دیا گیا کیونکہ وہ عیسیٰؑ کی والدہ مریمؑ کے لیے "خدا کی ماں" کے خطاب کو نامناسب سمجھتے تھے۔ یہ اس وجہ سے تھا کہ وہ مریمؑ کو آپؑ کی انسانیت کی ماں سمجھتے تھے اور ان کی خدائیت کی نہیں۔ لیکن کٹر عیسائی یہ کہتے تھے کہ ان کی انسانیت اور خدائیت ایک ہی تھی اور مریمؑ ایک حصے کی ماں ہوئے بغیر دوسرے کی ماں بھی نہ ہو سکتی تھیں۔ "خدا کی ماں" کا خطاب اسی شدت پسندی کا نتیجہ تھا اور یہ خدا کے حضور گستاخی سے کم نہ تھا۔ پھر بھی مغربی عیسائیوں کی طرف سے یہ خطاب "خدا کا بیٹا" سے "خدا بیٹا" کی تبدیلی کا "عقلی" نتیجہ تھا۔

صفحہ نمبر 99

مریمؑ کے لیے یہ خطاب آج بھی استعمال کیا جاتا ہے خاص طور پر کیتھولک چرچ میں۔

مشرقی چرچ کے ایک عظیم لیڈر نیسٹوریس نے مریمؑ کے لیے یہ خطاب استعمال کرنے سے انکار کیا اور نتیجتاً اُن کو مرتد قرار دیا۔ اور ان کو چرچ سے نکال دیا گیا۔ یہ نیسٹورین چرچ کی علیحدگی کی صورت میں نکلا اور انہوں نے مشرقی وسطی میں اپنا کام جاری رکھا اور ساتویں صدی عیسوی میں ٹینگ سلطنت کے زمانے میں چین میں عیسائیت کو پھیلایا۔ مشرقی اور مغربی عیسائیت کے درمیان فرق کو سمجھنا ضروری ہے۔ یہ بات ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ عیسیٰؑ یورپی نہ تھے بلکہ وہ ایشیائی تھے۔ وہ فلسطینی تھے جو کہ مغربی ایشیا میں تھے۔ یہ بات بھی ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ عیسیٰؑ کے پہلے پیروکار یہودی تھے جو ایک خدا کے ہونے پر یقین رکھتے تھے اور آج تک رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہودی آج تک عیسائی نہیں بن سکتے کیونکہ وہ مغربی عیسائیت کے "بیٹا خدا" پر ایمان نہیں لا سکتے، اگر اعتدال پسند یہودی ہوں جو یہودی عقیدے اور یہودی روایت سے جڑے نہ ہوں تو علیحدہ بات ہے۔

جبکہ دوسری طرف مغربی چرچ توحید پسند پسِ منظر سے تعلق نہ رکھتے تھے۔ یونانی اور رومی مشرکانہ خیالات رکھتے تھے اور وہ کئی خداؤں کو مانتے تھے۔ ان لوگوں کے لیے خدا کا ایک یا تین ہونا بہت زیادہ اہمیت نہ رکھتا تھا۔ چنانچہ "خدا کے

بیٹے "کو" بیٹا خدا" کہنا ان کے لیے نہایت آسان تھا۔ یہ ان سب لوگوں کے لیے درست ہے جو توحید پسند پسِ منظر سے تعلق نہیں رکھتے۔

لیکن یہ یہودیوں پر لاگو نہیں ہوتا تھا جو کہ توحید پر سختی سے یقین رکھتے تھے۔ چنانچہ نئے عہد نامے کے لکھاریوں، جو کہ سب یہودی تھے، کے لیے "خدا کا بیٹا" کی اصطلاح مغربی چرچ کے اصول "بیٹا خدا" میں نہ بدلتا تھا۔ کیونکہ "خدا کا بیٹا" کا بلاشبہ مطلب یہی ہے کہ خدا کے علاوہ اور لوگ بھی ہیں جو خدا کہلاتے ہیں جن کو مغربی عیسائی "باپ خدا" اور "مقدس روح خدا" کہتے ہیں۔

تب اگر تین "لوگ" ("تثلیت") ہیں تو کوئی ایک خدا کی بات کیسے کر سکتا ہے؟ان کا جواب یہ ہے کہ خدا ایک "مادہ" ہے۔اس کو کیسے سمجھا جائے؟ان کا جواب کچھ یوں ہوتا ہے: یہ تین لوگوں کے خاندان کی طرح ہے۔ تین مختلف لوگ ہونے کے باوجود وہ انسانیت کے شراکت دار ہیں۔ لیکن اگر تین "لوگ" ہیں جو خدا ہیں تو یہ کہنا درست نہیں کہ تین خدا ہیں کیونکہ لفظ "خدا" کا مطلب یہی ہے کہ وہ خدائیت میں شراکت دار ہیں۔ چنانچہ یہ کہنا کہ تین "لوگ" ہیں لیکن صرف ایک خدا ہے، لفظوں سے کھیلتا ہے کیونکہ اگر تین انسانوں کی مثال درست ہوتی تو ہمیں یہ کہنا پڑتا کہ تین لوگ ہیں لیکن صرف ایک آدمی یا انسان ہے۔اور اگر ہم یہ کہیں کہ خدا کے حوالے سے یہ بات مختلف ہے تو انسانی مثال بے بنیاد ہو گی۔ نتیجتاً کوئی مثال بنتی ہی نہیں۔

عیسائیوں کو یہ اقرار کر لینا چاہیے کہ "خدا کا بیٹا" کا استعمال یہ تسلیم کرنا ہے کہ ایک سے زیادہ خدا وجود رکھتے ہیں۔اور ایسا کرکے انکو واحدیت کے بائبل کے عقیدے سے بھی منحرف ہونے کا بھی اقرار لینا چاہیے۔اس نتیجے سے بچنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔اور اگر یہی حقیقت ہے تو قرآن کے یہ الفاظ ان پر لاگو ہوں گے۔

> 9:30یہود کہتے ہیں عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی کہتے ہیں مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ قول صرف ان کے منہ کی بات ہے۔اگلے منکروں کی بات کی یہ بھی نقل کرنے لگے اللہ انہیں غارت کرے وہ کیسے پلٹائے جاتے ہیں۔

یہ سب مغربی عیسائیوں پر لاگو ہوتا ہے جو اس وقت عیسائیت کی نمائندہ شکل بن چکے تھے۔ لیکن یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ عیسٰیؑ کے اول پیروکار عیسائی نہیں بلکہ یہودی تھے۔

وہ ایسے یہودی تھے جو "خدا ایک ہے" پر سختی سے ایمان رکھتے تھے۔ مثال کے طور پر یعقوبؑ کے خط میں (جو کہ عیسیٰؑ کے بھائی سمجھے جاتے ہیں) وہ لکھتے ہیں، "تم ایمان رکھتے ہو خدا ایک ہے؛ تم اچھا کرتے ہو۔ حتیٰ کہ شیطان بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں اور کپکپاتے ہیں۔ یعقوبؑ نے اعلان کیا کہ "خدا ایک ہے" ایسا سچ ہے جو کہ تمام روحانی دنیا، بشمول شیطان جو اس کی وجہ سے کپکپاتے ہیں، مانتی ہے۔ ہم پہلے مطالعہ کر چکے ہیں کہ اسی سچ کی عیسیٰؑ نے بھی تصدیق کی۔

درحقیقت پال، جس کے عام طور پر مغربی دنیا میں غلط تشریح کی جاتی ہے، نے بھی اس سچ کے علاوہ کسی بات کی تصدیق نہ کی۔ انہوں نے خدا کی واحدانیت اور عیسیٰؑ کی انسانیت کا صاف صاف لفظوں میں اعلان کیا: "صرف ایک خدا ہے اور خدا اور بندوں کے درمیان صرف ایک ثالث ہے اور وہ عیسیٰؑ ہیں"۔ (ٹموتھی کو پہلا خط 2:5) چنانچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ عیسیٰؑ کے ابتدائی پیروکار مضبوطی سے ایمان رکھتے تھے کہ "خدا ایک ہے"۔ تاہم یہ بھی درست ہے کہ عیسیٰؑ کو "خدا کا بیٹا" کہہ کر پال اور جان دونوں، عیسیٰؑ کا عام لوگوں سے زیادہ ہونے کا اظہار کرتے تھے۔ لیکن کتنا زیادہ کا جواب ان کی تحریروں میں نہیں ملتا۔ اسرائیلوں کو خط (نامعلوم لکھاریوں کی جانب سے) میں لکھا ہے کہ وہ فرشتوں سے اونچا درجہ رکھتے تھے۔ لیکن پال خود کہتے تھے کہ یہ ایک "راز" ہے اور اسکو صرف اس صورت میں سمجھا جا سکتا ہے اگر اللہ اس پر سے پردہ اٹھانا چاہے۔ لیکن اصطلاح "خدا کا بیٹا" نئے عہد نامے میں استعمال نہیں ہوئی ہے اور نہ ہی ابتدائی عیسائیوں کی لکھائی میں۔ یہ بعد میں ایجاد کی گئی۔

تاہم یہ بات قابلِ تسلیم ہے کہ پال اور جان، دونوں کی تحریروں سے یہ تاثر ملتا ہے کہ عیسیٰؑ کا خدا کے ساتھ کوئی خاص تعلق تھا، یا ان کے ذریعے کسی خاص طریقے سے خدا چھلکتا تھا۔ پرانے عہد نامے میں اسرائیل کے مصر سے اخراج کے قصے میں خدا کو زمین پر اتر کر لوگوں کی صحرا میں رہنمائی کرتا بیان کیا گیا ہے۔ اس کو ایک بادل کے مینار کی صورت میں

لوگوں کی رہنمائی کرتا بتایا گیا۔ یہ بادل کا مینار رات کو آگ کا مینار بن جاتا تھا۔ خود خدا کی اس مینار میں موجودگی کا ذکر بھی ہے اور اس مینار کے ذریعے خدا، ان کو صحرا سے اس زمین میں لے گیا جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔

یہ محسوس ہوتا ہے کہ جان اور پال یہ کہنا چاہتے تھے کہ خدا نے عیسیٰؑ کے ذریعے سے کچھ ایسا ہی کیا، تاکہ وہ لوگوں کو ایک نئی زندگی تک لے جائے، جس کو "ہمیشہ کی زندگی" کہا گیا ہے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قرآن بھی یہی تاثر دیتا ہے، باوجود اس کے کوئی اس تاثر کو کتنا بھی نظر انداز کرے، کہ جو کام عیسیٰؑ نے کیے، وہ ایک غیر معمولی انسان کے معلوم ہوتے ہیں۔ ہم قرآن میں عیسیٰؑ کے مٹی کے پرندے بنانے اور پھر ان میں روح پھونک دینے کے قصے کے دو مرتبہ تذکرے کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ چاہے ہم ان واقعات کی اہمیت کی جتنا بھی نظر انداز کریں، کیا کوئی عقل رکھنے والا شخص ان واقعات کو، کم اہمیت یا اہمیت نہ ہونے کی وجہ سے رد کر سکتا ہے؟ سادہ حقیقت یہ ہے کہ عیسیٰؑ کے علاوہ دنیا کی تاریخ میں کسی شخص نے کوئی ایسا عمل نہ کیا۔ اس کے علاوہ مردوں کو زندہ کرنا، پیدائشی اندھے کا بینائی عطا کرنا اور کوڑھے کو تندرستی دینا وغیرہ وغیرہ۔

بے شک آپؑ نے یہ تمام کام "اللہ کے حکم"[26] سے کیے، اور بے شک اللہ ہی یہ کام کر سکتا ہے۔ لیکن یہ بات قابل توجہ ہے کہ اللہ کے حکم سے کرنے کا بار بار تذکرہ ہے۔ کیا یہ حیران کن نہیں؟۔ کیا "حکم" کا مطلب "اجازت" نہیں؟ ۔ عیسیٰؑ نے ہر کام اللہ کی اطاعت میں کیے، چنانچہ عیسیٰؑ جو کچھ بھی کیا وہ اللہ کی اجازت کے بغیر نہ کیا۔ لیکن کیا زندہ پرندے بنانا، یا کچھ اور، صرف اللہ کی اجازت اور اسکی طرف سے تخلیقی قوت کے بغیر ہو سکتا ہے؟ عیسیٰؑ نے جو کیا وہ کس طاقت سے کیا؟ کیا یہ اللہ کی طرف سے طاقت کی وجہ سے نہیں تھا؟

[26] عربی میں لفظ اذھمن ہے جو کہ الفاظ ادھانہ سے ہے اور اسکا مطلب "سماعت دینا، اجازت دینا" اجازت، جواب یا سننا ہے۔ یہ تشریح ڈکشنری آف قران (عربی-انگلش) بائے عبدالمنان، عمر نور فاؤنڈیشن انٹرنیشنل کارپوریشن، دوسرا پرنٹ، جولائی 2004، صفحہ نمبر 18 پر ہے۔ صفحہ نمبر 190 پر اذھمن کی تشریح "چھوڑنا، اجازت" ہے۔ یہی تشریح انگلش میں ہے۔

یقیناً یہ اللہ کی تخلیقی قوت کے ذریعے کیا گیا ہو گا، مگر حیران کن طور پر قرآن میں اس کا تذکرہ نہیں ہے؛ صرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ اللہ کی اجازت سے تھا۔ کیا اسکی کوئی اہمیت نہیں؟ یا کیا یہ عیسیٰؑ کے بارے میں کسی راز کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کا ادراک صرف اللہ کی مرضی سے ہو سکتا ہے؟ اگر ہم لاپرواہی سے اس نتیجے کو نظر انداز کر دیں اور ارادی طور پر اسکی اہمیت میں کمی کریں تو کیا ہم اللہ کی عیسیٰؑ کے بارے میں قرآن میں وحی کو نظر انداز کرنے کے مرتکب نہ ہوں گے؟

تو کیا کوئی اللہ کی ایسی وحی ہے جو ہمارے دیکھنے کے لیے ہے مگر اس کو ہم بالکل نہ دیکھ سکتے ہیں؟ کیا عیسیٰؑ کے مٹی کے پرندے بنانا اور پھر ان میں روح پھونکنے کی کوئی حقیقی اہمیت ہے؟ اگر ہے تو وہ حقیقی اہمیت کیا ہے؟ دنیا میں پہلے ہی اتنے پرندے ہیں، ایک اور بنانے کا کیا مقصد تھا؟ کہا جاتا ہے کہ آپؑ کئی مرے لوگوں کو دنیا میں واپس لائے۔ لیکن روز کئی لوگ مرتے ہیں، چند لوگوں کو دوبارہ زندہ کرنے کیا اہمیت ہے؟ بہت سے لوگ اندھے ہیں۔ کچھ لوگوں کو بینائی عطا کرنے کی کیا اہمیت ہے؟

بلاشبہ اہمیت ان واقعات میں نہیں بلکہ اصل مقصد عیسیٰؑ کا ان کاموں کو کرنا تھا۔ اہمیت روحانی سچائی میں پائی جا سکتی ہے نا کہ ان واقعات میں بذاتِ خود۔ کیا اسکا یہ مطلب نہیں کہ جس کو اللہ کی طرف سے یہ کام کرنے کی طاقت بخشی گئی ہے، وہی ہے جو روحانی طور پر مردہ لوگوں کو نئی زندگی بخش سکتا ہے۔ اور اندھوں کو بینائی عطا کرنا کیا یہ نہیں بتاتا کہ عیسیٰؑ کے ذریعے، اللہ ان لوگوں کو جو روحانی طور پر، اس سچ سے اندھے ہیں جو اللہ نے آپ ﷺ کے ذریعے قرآن میں بیان کیا، سچ عطا کر سکتا ہے؟ کیا کوڑھوں کو تندرست کرنا یہ نہیں بتاتا ہے جو لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے روحانی کوڑھے بن

گئے ہیں، اللہ ان کو پاک صاف کر سکتا ہے؟ کیا یہ وجہ نہیں کہ ان معجزوں کو "نشانی" کہا جاتا ہے اور یہ ان معجزوں کے پیچھے اہم روحانی معانی کی طرف اشارہ کرتے ہیں؟

وہ اشارہ کرنے والے ہیں اور وہ انسانیت کے لیے نہایت اہم چیزوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

اگر یہ سچ ہے تو کیا قرآن میں ایک نئی زندگی اور امید کا پیغام نہیں جسکو لوگ ابھی نہ دیکھ سکے ہیں؟ بے شک یہ اللہ کی بڑائی اور اس کے شکر کا باعث ہے۔ عیسیٰؑ کا قرآن میں کئی بار تذکرہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ عیسیٰؑ صرف عیسائیت کے لیے نہیں۔ در حقیقت آپ ﷺ کے زمانے سے بہت پہلے عیسائیت روحانی گراوٹ کا شکار ہو چکی تھی۔ عیسیٰؑ کی تعلیمات کی پیروی کرنے کی بجائے وہ بے وقوفانہ توہم پرستی میں پڑ گئے۔ مثلاً لکڑی یا دھاتی صلیب، جس کو وہ اپنے گھروں یا گردن میں لٹکاتے تھے اور اسکو برے شگون کے خلاف حفاظت سمجھتے تھے۔ اور وہ اللہ کی بجائے عیسیٰؑ کے شاگردوں، جن کو وہ "بزرگ" کہتے تھے کی عبادت کرنے لگے۔

آج کل عیسائیوں کی اکثریت نام نہاد ہے۔ یعنی وہ صرف زبان کے عیسائی ہیں۔ وہ چرچ بھی نہیں جاتے یا صرف روایتی طور پر جاتے ہیں۔ ان کو عیسائیت کی اصل کی کوئی خبر نہیں۔ یہی قرآن میں لکھا ہے "وہ کس طرح سچ سے الگ ہو گئے ہیں؟"۔

چنانچہ یہ بات حیران کن نہیں کہ مغرب میں لوگ اور مذاہب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، جس میں ایک اسلام بھی ہے۔ کیونکہ عیسیٰؑ کے متعلق تعلیمات کا قرآن میں ذکر ہے تو کیا یہ اچھا نہیں کہ عیسائی پسِ منظر سے لوگوں کو قرآن میں موجود عیسیٰؑ کے بارے میں سچ کو دکھا کر اسلام کی طرف راغب کیا جائے۔ لیکن ہم نے ابھی تک پہلے اٹھنے والے سوال کا جواب نہیں دیا ہے: عیسیٰؑ نے یہ تمام کام "اللہ کے حکم" سے کیے۔ کیا کوئی یہ کام صرف اللہ کے اجازت ہونے پر کر سکتا ہے؟ پہلے تو یہ کیسے یقین کیا جائے کے کسی کے پاس کام کرنے کی اجازت ہے، دوسرا زندگی عطا کرنے کا یہ عمل اللہ

کے حکم سے ہی کیے جا سکتے ہیں، تو عیسٰیؑ یہ کام کیسے کرتے تھے جو صرف اللہ کر سکتا ہے۔ یا اللہ کی طاقت عیسٰیؑ کے ذریعے کیسے کارفرما ہے کہ آپؑ کو صرف اللہ کی اجازت کی ضرورت ہوتی ہے اور ہو جاتے ہیں؟۔

پہلے سوال کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ عیسیٰؑ کے اللہ کے ساتھ نہایت قریبی راز و نیاز تھے، کتنے قریبی؟ اتنے قریبی کہ ہمیشہ اللہ کی منشاء معلوم ہونے کے۔ اور یہ قریبی راز و نیاز، اللہ اور عیسیٰؑ کی منشاء ایک ہونے سے ہو سکتے تھے۔ کیا اس سے بہتر کوئی وضاحت ہے؟ اگر یہی حقیقت ہے تو دوسرے سوال کا جواب واضح ہو جاتا ہے، کیونکہ اگر عیسیٰؑ کی کامل بندگی کی وجہ سے اللہ اور عیسیٰؑ کی منشاء ایک ہوگئی تھی تو "اللہ کے حکم"، "اللہ کی منشاء" بن گیا تھا۔ اور اللہ کی منشاء تو پوری ہونی ہی تھی۔ یہ منشاء عیسیٰؑ بطورِ اللہ کے چنے گئے خادم سے پوری ہوئی۔

لیکن منشاء کی یہ وحدانیت کسی کے خواہش کرنے سے ہو سکتی ہے؟ انسانی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ممکن نہیں۔ چنا چہ اسکا مطلب یہ ہے کہ "اللہ کے حکم" نہ صرف جو آپؑ نے کیا اس پر لاگو ہوتا ہے بلکہ خود عیسیٰؑ پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ اور آپؑ کی معجزاتی پیدائش اس بات کی گواہ ہے، کیا اسکا یہ مطلب نہیں کہ ان کی زندگی اس دنیا میں اللہ کی منشاء کی ایک شکل تھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان کو "اللہ کا کلمہ" اور "اسکی روح" (4:171) کہا گیا ہے؟ وہ "زیادہ نہ تھے" (بقول یوسف علی) اور کم بھی نہ تھے!

قرآن کی عیسیٰؑ سے متعلق تعلیمات کا ہمارے لیے عملی روحانی پہلو کیا ہے؟ اس کا جواب دینے ہم اس نقطے غور کر سکتے ہیں: کسی کے لیے جو اللہ کی سچے دل سے بندگی کرنا چاہتا ہے۔ ایک عملی مسئلہ یہ ہے کہ عبادت کیا جانے والے کا ذاتی تصور نہایت مشکل ہے۔ مثال کے طور پر قرآن میں بار بار ذکر کیے گئے اور خوبصورت حوالے، کہ اللہ نہایت مہربان اور بڑا رحم کرنے والا ہے، کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ لیکن کیا یہ وضاحت مبہم نہیں۔ جب تک یہ عملی شکل میں بیان نہ کی جائے؟ کیا اللہ کے باقی عظیم 99 ناموں کے لیے بھی یہ درست نہیں؟ اگر اللہ کے متعلق ہمارے خیالات مبہم رہیں گے تو کیا اس کا خطرہ نہیں کہ ہم اسکی عبادت کر رہے ہیں جو ہماری پہنچ سے باہر دور آسمانوں میں ہے۔ اور اسی وجہ سے ہم

نماز پڑھتے ہوئے اس سے رابطے میں مشکلات کا سامنا کرتے ہیں؟ کیا ہم جب آیت پڑھتے ہیں تو ہم اس کا مطلب سمجھتے ہیں، "اور ہم (اللہ)اس کی رگ جان سے بھی اس سے زیادہ قریب ہیں"(50:16)

قرآن میں عیسیٰؑ کے متعلق تعلیمات مسئلے کو کیسے حل کرتی ہیں؟ہم دیکھ چکے ہیں کہ انکے معجزات "کھلی نشانیوں" (43:63)ہیں وہ اہم روحانی سچائیوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔تو وہ کس طرف اشارہ کرتے ہیں؟آئیں "نشانی" کو سمجھیں، ہم نے دیکھا کہ وہ تمام، زندگی عطا کرنے والی ہیں: مردوں کو زندہ کر دیا جاتا ہے، کوڑیوں کو زندگی کی طرف واپس ملتی ہے وغیرہ وغیرہ۔(3:49) کیاان سب اعمال سے رحم اور ہمدردی کا اظہار نہیں ہوتا؟اور کیونکہ یہ سب اللہ کی منشاءاور طاقت کا اظہار ہے، تو کیااس سے بالکل واضح نہیں ہو جاتا کہ اللہ کا رحم اور مہربان ہونا مبہم تصور نہیں بلکہ اس نے اپنے کلمے اور اپنی روح عیسیٰؑ کے ذریعے ظاہر کر دیا ہے؟ کیا قرآن میں عیسیٰؑ کی تعلیمات کی اہمیت کو سمجھنے کا کوئی اور طریقہ ہے؟

9:31انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا حالانکہ اُن کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ خدائے واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔اور وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔

ہم نے تھوڑا پہلے عیسائیوں کے روحانی زوال کا تذکرہ کیا۔ بالکل یہی بات اس آیت میں بیان ہے۔ یہ آپ ﷺ کے زمانے اور آج بھی موجود چرچ کے زوال کی حد دیکھاتی ہے۔ پادریوں اور عابدوں کی توہم پرستی کے باعث عزت کی جاتی تھی تاکہ وہ خدا سے رحم کی وصولی کا سبب بن سکیں۔اور عیسیٰؑ کی توہم پرستی پر مبنی عبادت کرنے لگے تاکہ وہ ان کو محبت، خوشیاں اور آفات سے حفاظت عطا کریں۔ شمالی امریکہ میں "کرشمائی"چرچ آج بھی ان لوگوں سے بھرے ہیں جو "خوشحالی کی انجیل" کی وجہ سے چرچ میں آتے ہیں۔ یہ خوشحالی کی انجیل خدا پر ایمان لانے سے امیر ہونے، بیماریوں

سے نجات پانے،اور خواہشات پوری ہونے کا درس دیتی ہے۔ان چرچوں میں جانے والے اکثر غریب نہیں ہوتے بلکہ وہ امیر ہوتے ہیں جو مزید امیر ہونا چاہتے ہیں۔

یہ "انجیل" لالچی کو اپنے لالچ بڑھانے کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔اس "ایمان" کا مقصد اللہ کی کامل پیروی نہیں، بلکہ اللہ کو استعمال کر کے اپنی خواہشات کی تکمیل کرنا ہے۔ یہ مذہب لوگوں کی طمع اور لالچ کو پورا کرتا ہے۔ وہ کتنے دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں!

اور اس فقرے، "اور (وہ بطورِ اپنے آقا سمجھتے ہیں) مسیح ابنِ مریم؛ پھر بھی انہیں ایک خدا کی عبادت کا حکم دیا گیا۔ اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں" کے متعلق ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ عیسائیت کی چوتھی صدی تک "ابنِ مریم"، جس کو وہ "خدا کا بیٹا" کہتے تھے، کو آفیشل طور پر "خدا کا بیٹا" کہا جانے لگا۔ تمام عیسائیوں کا یہ ایمان لانا ضروری ہے کہ "عیسیٰؑ" خدا ہیں یعنی "خدا کا بیٹا"۔ حقیقت یہ ہے کہ یونانی اور رومی جو اس وقت چرچ کا بڑا حصہ تھے، کو عیسیٰؑ کو "خدا یسوع مسیح" کا خطاب عطا کرنے میں کوئی دقت محسوس نہ ہوئی ہوگی کیونکہ وہ اپنے بہادروں کی بڑھ چڑھ کر تعریفیں کرنے کے عادی تھے۔ اور جیسا کہ یہ مشہور ہے کہ ان کے بہت سے خدا اور آقا تھے۔ چناچہ خطاب "سیزر خدا" ان کے لیے عام ہوگا۔ عیسیٰؑ کو ان کے خداؤں کی فہرست میں شامل کرنا ان کے لیے آسان ہوگا اور یہی کام رومیوں کے بادشاہوں نے کیا۔ اس صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے، غیر یہودیوں کی طرف سے عیسیٰؑ کی پرستش نہ صرف عین ممکن تھی بلکہ متوقع بھی تھی۔ اور یہ اس حقیقت کے باوجود کہ خود عیسیٰؑ نے یہودیوں کے بنیادی عقیدے "سنو بنی اسرائیل! تمہارا آقا خدا ایک ہے" کا اعلان کیا۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ رومیوں اور یونانیوں کا خدا کا تصور یہودیوں سے بنیادی طور پر مختلف تھا۔ رومیوں اور یونانیوں کے خیال میں "خدا" ایک انسان ہوتا ہے جو کہ انسانوں کے ذریعے ہی پلا بڑھا ہوتا ہے اور اتنی عزت والا ہوتا ہے کہ عبادت کیے جانے کے قابل ہوتا ہے۔ بنیادی طور پر خدا کے اس تصور کا محور انسان ہے: خدا انسان بناتا ہے۔ یہودیوں کا تصور اس کے بالکل الٹ تھا، یعنی خدا نے اپنی کامل دانائی، طاقت، اور مقصد سے انسان کو

بنایا۔اس تصور کا محور خدا ہے۔آدمی کو کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ کسی کو عبادت کیے جانے کے قابل اعلان کرے،اور کسی کو خود خدا کہنا اور پھر دوسرے لوگوں کو بھی اس پر لاگو کرنا تو دور کی بات ہے۔

صرف خدا ہی اپنے آپ کو ظاہر کر سکتا ہے اور خدا ہونے کا اعلان کر سکتا ہے۔ در حقیقت اس نے تورات میں یہی کہا۔ ہم خدا کو صرف اسکی وحی سے جان سکتے ہیں۔

اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے: عیسائیت کی چوتھی صدی میں چرچ کے یونانی اور رومی رہنماؤں (یا جیسا کہ وہ بشپ کہلاتے تھے) کا خدا کی ذات کے بارے میں کیا تصور تھا؟ کیونکہ وہ سب مشرکانہ پسِ منظر سے تھے، تو ہم صرف یہ سوچ سکتے ہیں کہ ان کی ثقافت اور تعلیم کا خدا کے بارے میں ان کے خیالات پر کتنا اثر تھا۔ اور جب انہوں نے نئے خدا کے ،انجیل اور تورات میں تصور کو قبول بھی کر لیا، تو ان کے پرانے خیالات، خدا کے بارے میں ان کے خیالات پر کتنا اثر انداز ہوتے تھے۔ عیسیٰؑ نے کبھی اپنے خدا ہونے کا اعلان نہ کیا۔ یہ درست ہے کہ انجیل میں ایک یا دو واقعات ہیں جہاں آسمان سے آواز کے ذریعے خدا کو عیسیٰؑ کو "میرا پیارا بیٹا" کہہ کر مخاطب کرنا بیان کیا گیا ہے۔ لیکن یہ کیسے ثابت کیا جائے کہ "بیٹا" سے مراد قربت کے اظہار کے لیے خطاب کے علاوہ کچھ اور بھی ہے۔ یاد رہے کہ یہودی فرشتوں کو "خدا کے بیٹے" کہتے تھے۔

اس سوال کا پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ اگر عیسیٰؑ کو صلیب پر چڑھایا گیا تو ایک فانی انسان خدا کیسے ہو سکتا ہے؟ فنا انسان کے لیے ہے، خدا کے لیے نہیں۔ عیسائیوں کا سادہ جواب یہ ہے کہ عیسیٰؑ خدا اور انسان دونوں تھے، اور انکے انسانی حصے نے وفات پائی۔ لیکن اس آسان جواب کو ان کے اپنے اصولوں کی بنیاد پر بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ کیا وہ یہ دلیل نہیں دیتے تھے کہ مریم "خدا کی ماں" اس وجہ سے ہیں کہ عیسیٰؑ کے دو حصے، انسانی اور خدائی متحد ہیں۔ انسانی حصے کی ماں ہونے کو مطلب دوسرے حصے کی بھی ماں ہونا ہے؟ تو موت کی صورتحال میں یہ لاگو کیسے نہیں ہوتا؟ صرف انسان پیدا ہوتے ہیں خدا پیدا نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ خدا مریم سے پیدا ہوا، تو یہ دلیل کس طرح دی جا سکتی ہے کہ عیسیٰؑ

فوت ہوئے مگر خدا فوت نہ ہوا؟ اگر خدا فوت نہ ہوا تو وہ پیدا بھی نہ ہوا۔ یعنی مریم "خدا کی ماں" نہیں ہو سکتی۔ اگر خدا کی موت کا ذکر گستاخی تو اس کی پیدائش کا ذکر کیوں نہیں۔ پھر بھی کسی قسم کی پریشانی اور خوف کے بغیر، ماضی قریب میں ہی شائع شدہ کتاب، جو کہ ایک مشہور لکھاری کی طرف سے تھی، کا عنوان "صلیب پر چڑھایا گیا خدا" تھا۔ یہ ایک مشکل سوال پوچھنے پر مجبور کرتا ہے: عیسائی عیسیٰؑ کی تعلیمات اور ارادوں سے کتنا دور ہیں؟

انجیل سے واجبی طور پر متعارف ہر شخص کو یہ معلوم ہو گا کہ ہر انجیل کا بڑا حصہ عیسیٰؑ کی موت کے متعلق ہے۔انجیل پر بگاڑ آگیا جانے کا جتنا بھی الزام لگایا جائے، عیسیٰؑ کی گرفتاری، مقدمہ اور ان کی موت کو انجیل کو تباہ کیے بغیر نہیں مٹایا جا سکتا۔انجیل کا دوسرا بڑا حصہ عیسیٰؑ کی تعلیمات پر مشتمل ہے۔اور ان تعلیمات میں آپؑ کی موت کی طرف کئی اشارے ہیں چاہے وہ مخفی ہوں یا واضح الفاظ میں۔اگر ان کو بھی مٹا دیا جائے تو انجیل میں کچھ باقی نہیں رہ جاتا۔

چناچہ مقصد یہ ہے: انجیل کے بڑے مواد کا تعلق عیسیٰؑ کی موت سے ہے۔دوسرے الفاظ میں انکی موت (پس ان کی انسانیت) کو انجیل میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے نہ کہ ان کے خدائی کے اعلان کو۔در حقیقت اس کا واضح طور پر انجیل میں کہیں بھی ذکر نہیں ہے۔نئے عہد نامے یا انجیل میں بھی یہ نہیں لکھا کہ "نجات" پانے کے لیے عیسیٰؑ کے خدا ہونے پر ایمان لانا ضروری ہے۔چناچہ بعد میں چرچ نے کس بنیاد پر عیسیٰؑ کی خدائیت پر ایمان لانے کو لازم قرار دے دیا ؟

تاہم اگر ہم ان کے فوت نہ ہونے پر اصرار کریں تو ہم ان کے فانی ہونے کی دلیل کو کمزور کر دیتے ہیں اور ان لوگوں کی دلیل جو یہ کہتے ہیں کہ آپؑ خدا ہیں، مضبوط کر دیتے ہیں۔یہ کہنا کہ ان کو لازوال زندگی اللہ کی طرف سے عطا کی گئی یہی کہنا ہے کہ اللہ کا ان کے ساتھ نہایت قریبی تعلق تھا۔اس کے علاوہ ان کو یہ لازوال زندگی ملنے کی کوئی وجہ نہیں۔اور یہ دلیل کہ وہ دوبارہ آنے سے پہلے وفات پائیں گے ایک جبراً دلیل ہے اور اسکا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

اس کے علاوہ ہم نے دیکھا کہ قرآن آپؑ کی موت کی تردید نہیں کرتا۔ قرآن اس بات کی تردید کرتا ہے کہ آپؑ کو یہودیوں نے قتل کیا۔ اگرچہ ان میں کچھ آپؑ کو قتل کرنے پر فخر کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن، انجیل کا اللہ کی کتاب ہونے کا بار بار تذکرہ کرتا ہے۔ یہ کہنا کہ عیسائیوں کی طرف سے انجیل اس حد تک بگاڑ دی گئی کہ یہ نہ ہونے کے برابر ہے بھی درست نہیں، کیونکہ قرآن میں ایسا کوئی بیان نہیں۔ یہ سوال بھی پوچھا جا سکتا ہے: اللہ نے اپنی کتاب کی حفاظت کیوں نہ کی۔ کیا اس نے قرآن کی حفاظت نہیں کی؟

عیسیٰؑ کا سورۃ 19 میں ذکر

19:16اور اے محمدؐ، اس کتاب میں مریم کا حال بیان کرو، جبکہ وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر شرقی جانب گوشہ نشین ہو گئی تھی۔

19:17اور پردہ ڈال کر اُن سے چھپ بیٹھی تھی اس حالت میں ہم نے اس کے پاس اپنی روح کو (یعنی فرشتے کو) بھیجا اور وہ اس کے سامنے ایک پورے انسان کی شکل میں نمودار ہو گیا۔

19:18مریم یکایک بول اٹھی کہ "اگر تو کوئی خدا ترس آدمی ہے تو میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔

19:19اُس نے کہا "میں تو تیرے رب کا فرستادہ ہوں اور اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں"۔

یہاں اللہ تعالٰی کی طرف سے آپ ﷺ کو مریمؑ کا قصہ دہرانے کو کہا گیا ہے۔ ہم اس قصے کو آیت 3:42-51 میں دیکھ چکے ہیں، لیکن یہاں اس قصے کو خود مریمؑ کے ذاتی تجربے کی بنیاد پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس قصے کو یہاں دہرائے جانے کے باعث اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مریمؑ اپنے خاندان سے علیحدہ ہو کر مشرق میں کسی مقام پر چلی گئیں۔ علیحدہ ہونے پر یوسف علی لکھتے ہیں

"ایک ذاتی مشرقی چوبارے میں، شاید عبادت گاہ میں، وہ اپنے خاندان اور عام لوگوں سے علیحدہ ہو کر عبادت کے لیے تنہائی میں چلی گئیں۔اس پاکیزہ حالت میں فرشتہ آدمی کی شکل میں انکے پاس آیا۔وہ ڈر گئیں اور اس سے ان کی تنہائی میں مداخلت نہ کرنے کی اپیل کی"(آیت 19:16 پر نوٹ 2471)

اللہ نے انکی قسمت میں اپنے پیغمبر عیسیٰؑ کی ماں بننا لکھا تھا اور ان کو یہ بتانے کا وقت آگیا تھا(19:19 پر نوٹ 2473)

فقرے "پاکیزہ بیٹے کا تحفہ" میں پاکیزہ سے مراد "معصوم" اور مقدس بھی ہے جیسا کہ قرآن کی اور تشریح میں دیکھا جا سکتا ہے۔

19:20 کہنے لگیں بھلا میرے ہاں بچہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مجھے تو کسی انسان کا ہاتھ تک نہیں لگا اور نہ میں بدکار ہوں۔

19:21 اس نے کہا بات تو یہی ہے۔ لیکن تیرے پروردگار کا ارشاد ہے کہ وہ مجھ پر بہت ہی آسان ہے ہم تو اسے لوگوں کے لئے ایک نشانی بنا دیں گے اور اپنی خاص رحمت، یہ تو ایک طے شدہ بات ہے۔

19:22 پس وہ حمل سے ہو گئیں اوراسی وجہ سے وہ یکسو ہو کر ایک دور کی جگہ چلی گئیں۔

اس پاکیزہ بیٹے کی پیدائش سے متعلق سب سے زیادہ تعجب خیز بات یہ تھی کہ اس کسی جسمانی تعلق کے بغیر پیدا ہونا تھا۔ یعنی کسی باپ کے بغیر۔ انسانی طور پر یہ نہایت ناممکن ہے، چناچہ مریمؑ حیرت زدہ رہ جاتی ہیں اور دریافت کرتی ہیں "میرے پاس بیٹا کیسے ہو گا جب مجھے کسی مرد نے چھوا ہی نہیں اور میں تو بانجھ ہوں"؟ اللہ نے ان کو اپنے فرشتوں کے ذریعے تسلی دی کہ ایسا اللہ کی تخلیقی قدرت کے باعث ہو گا۔ یہ ایسا معاملہ ہے جسکا فیصلہ خود اللہ نے کیا۔ "یہ ایسا معاملہ ہے جسکا اللہ نے حکم دیا"۔ ان وجوہات کی بناپر جو صرف وہ اپنی کامل دانائی کی بناپر جانتا ہے۔ یہ اہم وجہ یہاں واضح ہے "اور ہم نے ان کو لوگوں کے لیے نشانی اور ہماری رحمت بنا کر بھیجی"

یہ دیکھتے ہوئے کہ اللہ نے اپنی دانائی اور حکمت سے اس کا حکم دیا، اس بے مثال پیدائش کی اہمیت کو کم کرنا نہایت بے وقوفی ہے۔ ایسا کر کے کیا ہم اس کی منشاء کے خلاف ورزی نہیں کرتے تھے؟ کیا ہمیں اس کی وجہ جاننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، بجائے اس کے کہ ہم اسے نظر انداز کر دیں؟ کیا عیسائیوں کے لیے ہمارا تعصب ہمیں اللہ کی منشاء سے اندھا کر دے گا؟ کیا یہ واضح نہیں کہ "وہ لوگوں پر نشان اور ہماری رحمت بنا کر بھیجے گئے"

عیسیٰؑ کے نشان اور رحمت ہونے کا کیا مطلب ہے؟ "رحم اور نشانی" کا جڑے ہونا ثابت ہے: ایک کو پانا، دوسرے کو پانے کے برابر ہے۔ اور ایک کو جھٹلانا دوسرے کو جھٹلانے کے برابر ہے۔

نشان میں ایک پیغام ہوتا ہے اور پیغام کو بھی ہم جھٹلاتے یا قبول کرتے ہیں۔ چناچہ ہمارا جواب اس کے حق میں یا مخالف ہوتا ہے۔ ان کی بے مثال پیدائش کا مطلب یہ تھا کہ اللہ نے ان کو نشان بنا کر بھیجا ہے۔ اور اسکا مطلب یہ ہے کہ عیسیٰؑ کے لیے ہمارا مثبت یا منفی جواب، اللہ اور اسکی منشاء کے بھی ہے۔

لیکن یہاں ہمیں ایک مشکل مسئلے کا سامنا کرنا پڑتا ہے: کیا یہ حقیقت کہ ہم عیسیٰؑ کو بگاڑی گئی عیسائیت کے تناظر میں پہنچانتے ہیں ہمارے لیے ان پر ایمان لانا اور بھی مشکل بنا دیا ہے، اور یہ اللہ کی زندگی اور اسکے پیغام کو سمجھنے کے لیے ہمارا امتحان بن جاتا ہے؟ لیکن کیا ہم ان عیسائیوں کو یہ اجازت دے سکتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کی "ہم پر رحمت" جو اس نے اپنی قدرت اور دانائی سے ہمیں عطا کرنے کا فیصلہ کیا سے محروم کر دیں؟ لیکن کیا یہ سچ نہیں کہ پہلے ہمیں اللہ کی منشاء کی تابعداری کے اس سخت امتحان کو پار کرنا ہے؟ اور کیا یہ بھی سچ نہیں ہے کہ اللہ کی رحمت کو پانے کے لیے ہمیں صرف اس کی منشاء کو پورا کرنے کا عزم رکھنا ہو گا۔

یہ ہمیں اس معاملے تک لے جاتا ہے جو بہت اہمیت کا باعث ہے۔ عیسیٰؑ کا قرآن میں نمایاں ذکر ہونے کی وجہ سے (جو خود آپ ﷺ کا اللہ سے وفا کا مضبوط ثبوت ہے کہ انہوں نے حسد اور تعصب کے بغیر اللہ کے پیغام کو، جیسے دیا گیا ویسے ہی آگے پہنچایا) اسلام کے کچھ عالم لوگوں کی قرآن کو پڑھنے کی حوصلہ افزائی کرتے نظر نہیں آتے۔ وہ مسلمان جو قرآن کو توجہ سے پڑھتے ہیں عیسیٰؑ کی انفرادیت کو محسوس کرتے ہیں، تب وہ ایسے سوال پوچھتے ہیں جن کا جواب دینے سے عالم گھبراتے ہیں۔ چناچہ وہ عالم اس موضوع پر بات کرنا پسند نہیں کرتے۔ لیکن جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ قرآن میں موجود اللہ کی تعلیمات سے بے وفائی کرنے کے نہایت سخت نتائج ہیں۔ خود آپ ﷺ نے عیسیٰؑ کے بارے میں تعلیمات کو بیان کرنے میں کسی ہچکچاہٹ کا اظہار نہ کیا۔

اس کے برعکس یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ عیسیٰؑ کے پیروکاروں کی جانب سے آپؑ کے سچے شاگردوں کی طرح زندگی نہ گزارنے پر برہم تھے۔ وہ انجیل جو اللہ نے عیسیٰؑ کو عطا کی، کے مطابق زندگی نہ گزار سکے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے خراب عیسائیوں کی، آپؑ کی پیروی نہ کرنے پر سخت مذمت کی۔ عیسیٰؑ اور انجیل کی مخالفت کے بجائے، آپ ﷺ نے اللہ کی تعلیمات کے مطابق، ان کو قرآن میں نمایاں جگہ دی، اس بات کا لحاظ کیے بغیر کہ خود ان کی اہمیت میں کمی کا کوئی خدشہ ہو سکتا ہے۔ یہ اسلام کے عالموں میں موجود خطرے کے بالکل الٹ ہے۔ آپ ﷺ کا بے لوثی اور اللہ کی تابعداری میں ہر وہ بات کہنا جن کا ان کو حکم دیا گیا ہے آپ ﷺ کے سچے پیغمبر ہونے کا واضح ثبوت ہے۔

عیسیٰؑ کی بے مثال پیدائش کی روشنی میں ہم آپ ﷺ کے بارے میں کس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں؟ یہ ان کے اللہ کے سچا پیغمبر ہونے سے کم نہیں ہو سکتا۔ اور ہر سچے پیغمبر کا کیا کام ہے؟ کیا وہ اللہ کی طرف بلانا نہیں؟ کیا یہی آپ ﷺ کا کام نہیں تھا؟ اس کو مد نظر رکھتے ہوئے دو سچے پیغمبروں کے درمیان کوئی "مقابلہ" نہیں ہو سکتا بلکہ ان کے درمیان "تعاون" ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ اور عیسیٰؑ کے درمیان مقابلے کا کوئی سوال ہی نہیں اور نہ ہی قرآن میں اس کا کوئی تذکرہ ہے۔ اگر کوئی مقابلہ ہوتا تو وہ ایک پیغمبر کے سچا نہ ہونے کی طرف اشارہ کرتا مگر کوئی مقابلہ نہیں۔ اس بات کا کوئی نشان بھی نہیں کہ آپ ﷺ نے خود کو عیسیٰؑ سے بلند درجے والا کہنے کی کوشش کی ہو۔ آپ ﷺ کے بعد پیروکاروں نے ایسا کرنے کوشش کی جو اس بات کا اظہار ہے کہ اونچے یا نچلے درجے کے لیے کوئی مقابلہ ہے۔ ایسا کرنا اللہ کی کتابوں کو نہ سمجھنے اور اللہ کے سچے پیغمبروں کے درمیان تعلق کو سمجھنے میں ناکامی ہے۔

کچھ عالم تو اس حد تک جاتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں عیسیٰؑ کے قرآن میں قصے، خاص طور پر آپؑ کی پیدائش کے قصے، محمد ﷺ پر عیسائیت کے مضبوط اثر کا اظہار ہیں۔ کیا وہ کہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ قصے اللہ کی طرف سے نہیں اور خود آپ ﷺ نے داخل کیے؟

اگرایسا ہو تو ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ کونسا قصہ اللہ کی طرف سے ہے اور کونسا خود آپ ﷺ کی طرف سے شامل کیا گیا۔ اگر ہم اس طرح سوچنا اور بولنا شروع کر دیں تو ہم قرآن کی بنیاد پر حملہ کریں گے، اور کیا یہ بے ایمانی کا شیطانی عمل نہیں؟

یہ سوال ابھی بھی باقی ہے کہ تمام پیغمبروں میں عیسیٰ ؑ کی پیدائش ہی بے مثال کیوں تھی۔ کیا ایسا ہے کہ اللہ پہلے ہی دیکھ چکا تھا کہ اس کا یہ پیغمبر ایسے دھوکے اور جھٹلائے جانے کا سامنا کرے گا، جس کا سامنا اور کسی پیغمبر نے نہ کیا؟ ان کو انکے اپنے لوگوں، یہودیوں کی طرف سے جھٹلا دیا گیا۔ عرب اور مسلمان عام طور پر شاید ہی ان کو پسند کرتے ہیں (آپ ﷺ، جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، اس میں شامل نہیں)، اور انہیں عیسائیوں کی طرف سے بھی دھوکا دیا گیا، جو جوڈس کی طرح ان کی اپنے ذاتی فائدے، چاہے وہ روحانی، مادی، ذہنی یا جسمانی ہو، کے لیے پیروی کرتے ہیں۔ جوڈس نے آخر میں کم از کم افسوس اور تاسف کا اظہار کیا، عیسائیوں میں ابھی تک اس ندامت کا نشان نہیں ملتا۔

اس حقیقت کی روشنی میں کہ آپ ﷺ اور عیسیٰ ؑ کے درمیان کوئی مقابلہ نہیں، ہم سچے پیغمبروں کے درمیان تعلق کو کیسے سمجھیں (مثلاً موسیٰ، الیاس ؑ، عیسیٰ ؑ اور آپ ﷺ)؟ کیونکہ وہ سب لوگوں کو اللہ کی بندگی کی طرف بلاتے ہیں تو کیا ایک پیغمبر کی پیروی کرنا، تمام انبیاء کی پیروی کرنے جیسا نہیں؟ پس موسیٰ ؑ کا سچا پیروکار آپ ﷺ کا بھی پیروکار ہے اور قرآن اسے مسلمان کہتا ہے، صرف ایک قائم شدہ مذہب سے جڑے ہونے کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس کی بندگی کی بنیادی وجہ سے کیونکہ موسیٰ ؑ کے زمانے میں اسلام قائم نہ ہوا تھا۔ تو اس اصول کو بنیاد بناتے ہوئے کیا عیسیٰ ؑ کا سچا پیروکار، آپ ﷺ کا پیروکار نہیں؟ اور اسی طرح آپ ﷺ کا سچا پیروکار، عیسیٰ ؑ کا پیروکار نہیں؟ بے شک قرآن آپ ﷺ کے زمانے سے پہلے اللہ کی اطاعت اور بندگی کرنے والوں کو مسلمان کہہ کر بلاتا ہے۔

یہ سوال ابھی بھی باقی ہے کہ عیسیٰؑ کو تمام لوگوں کی طرف سے منفی رویے کا سامنا کیوں کرنا پڑتا ہے؟ حتیٰ کہ عیسائیوں کی طرف سے بھی، جو ان کو محض زبانی عبادت کے علاوہ بھی ادا کر چکے ہیں۔ قرآن زیرِ غور آیت (19:21) میں عیسیٰؑ کو "نشانی" کہتا ہے۔ اسکا کیا مطلب ہے؟ کیا وہ ایک روحانی کسوٹی یا معیار ہیں جس پر قیامت کے دن اللہ کی تابعداری یا نافرمانی کو پرکھا جائے گا؟ کیا وہ ایسا نشان ہیں جس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا کہ کسی شخص نے آپ ﷺ کی پیروی کی یا نہ کی؟ اگر ایسا ہے تو کوئی شک نہیں کہ یہ نشان ایک روحانی اسرار ہے جس پر تمام انسانوں کو پرکھا جائے گا، اور یہ اس طرح چھپا ہوا ہے کہ اللہ کی مدد کے بغیر اس کو حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ کیا اس نشانی کی اس سے بہتر وضاحت ہے؟ شاید اس وقت بھی ہم، اللہ جو تمام قدرت اور طاقت والا ہے، کی جانب سے پرکھے جا رہے ہیں۔ اس آیت کے آخری حصے "اسی وجہ سے وہ یکسو ہو کر ایک دور کی جگہ چلی گئیں" (19:22) پر یوسف علی لکھتے ہیں:

"ان پر اعلان اور آشکار، ہم کہہ سکتے ہیں، یروشیلم سے جنوب کی طرف 65 میل دور نزراتھ میں ہوا"۔ اور ولادت یروشیلم کے شمال میں 6 میل دور بیتھلیم میں ہوئی۔ یہ ایک دور دراز جگہ تھی، نہ صرف 71 میل دور ہونے کی وجہ سے بلکہ خود بیتھلیم میں پیدائش ایک ویران کونے میں درخت کے نیچے ہوئی۔ اس کے بعد شاید بچے کو اصطبل کے نگران کو دیا گیا۔ (نوٹ 2475)

19:23 پھر دردِ زہ ایک کھجور کے تنے کے نیچے لے آیا، بولی کاش! میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی اور لوگوں کی یاد سے بھی بھولی بسری ہو جاتی۔

"وہ ایک انسان تھیں، اور حاملہ ماں ہونے کے درد کو کسی بھی مدد کے بغیر برداشت کر رہی تھیں۔ مخصوص حالات کی وجہ سے ان کو اپنے لوگوں سے بہت دور جانا پڑا۔ (یوسف علی نوٹ 2476)

19:24اتنے میں اسے نیچے سے ہی آواز دی کہ آزردہ خاطر نہ ہو، تیرے رب نے تیرے پاؤں تلے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔

19:25اور اس کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا، یہ تیرے سامنے تروتازہ پکی کھجوریں گرا دے گا۔

"غیبی قدرت نے اسکا خیال رکھا کہ آپ کو بھوک پیاس سے تکلیف نہ ہو۔اوران کو طہارت و غسل کے لیے پانی کا نالہ عطا کر دیا گیا"(یوسف علی نوٹ2477)

19:26اب چین سے کھا پی اور آنکھیں ٹھنڈی رکھ، اگر تجھے کوئی انسان نظر پڑ جائے تو کہہ دینا کہ میں نے اللہ رحمٰن کے نام کا روزہ مان رکھا ہے۔میں آج کسی شخص سے بات نہ کروں گی۔

آنکھوں کو ٹھنڈا کر کا مطلب "اپنے آپ کو تسلی دو اور پر سکون ہو جاؤ" ہے۔ لیکن لغوی معنی کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے۔ان کو نالے کے پانی سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک دینا تھی اور اس بات پر خوش ہونا تھا کہ ان کے ہاں ایک بے مثال بچے کی پیدائش ہوئی ہے۔اوران کو ارد گرد بھی دیکھنا تھا اور کسی سے بات نہ کرنی تھی۔یہ بالکل سچ تھا:انہوں نے قسم کھائی تھی اور وہ کسی سے بات نہ کر سکتی تھیں۔(نوٹ2478)

"ان کو تمام لوگوں سے بات چیت کی نفی کرنا تھی کیونکہ انہوں نے اللہ کے لیے روزہ رکھا تھا"۔"روزہ" سے مراد کھانے پینے سے رکنا نہیں بلکہ ان کو صرف کھجوریں اور نالے سے پانی پینے کی تلقین کی گئی تھی۔اسکا مطلب عام گھر کی اشیاء سے ممانعت اور انسانی جنسی تعلق سے رکنا تھا۔(یوسف علی نوٹ2479)

19:27اب حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو لئے ہوئے وہ اپنی قوم کے پاس آئیں۔سب کہنے لگے
مریم تو نے بڑی بری حرکت کی۔

یوسف علی کی اصل تشریح میں "انوکھی حرکت" تھا جس کو بعد میں تبدیل "عجیب حرکت" کر دیا گیا۔عجب سے مراد غیر معمولی بھی ہو سکتا ہے۔

"لوگوں کے تعجب کی کوئی حد نہ رہی۔کسی بھی صورتحال میں وہ مریمؑ کے خلاف بدترین خیال سوچ چکے تھے۔وہ اپنے ہجرے سے کچھ عرصہ پہلے غائب ہوئی ہیں اور اب وہ ایک بچہ اٹھائے بے شرمی سے چلی آرہی تھیں۔کیسے انہوں نے ہارون کے گھر کو کیسے بدنام کر دیا۔ہم سوچ سکتے ہیں کہ یروشیلم یا نزارتھ میں کیا واقعات پیش آئے۔(یوسف علی2480)

19:28اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی۔

"موسیٰ کا بھائی ہارون یہودی پادریوں کی صف میں اول تھے۔مریم ان کی چچازاد الزبتھ (یحییٰ کی ماں) ایک پادری گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں، چناچہ وہ "ہارون کی بہنیں" یا عمران (جو کہ ہارون کے باپ تھے) کی بیٹیاں تھیں۔ مریمؑ کو ان کے گھرانے کے وقار اور ان کے والدین کے اخلاق کو یاد کروایا جاتا ہے۔انہوں نے کہا کہ کیسے وہ اپنے مقام سے گر گئیں اور اپنے آباؤاجداد کی رسوائی کا باعث بنیں"۔یوسف علی نوٹ 2481)

19:31اور اس نے مجھے بابرکت کیا ہے جہاں بھی میں ہوں، اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک بھی میں زندہ رہوں۔

مریم کیا کر سکتی تھیں؟ وہ کیسے اس سب کو بیان کر سکتی تھیں؟ وہ اپنے عیب جو ذہن سے انکی وضاحت کو کیسے قبول کر سکتے تھے؟ وہ صرف اس بچے کی طرف اشارہ کر سکتی تھیں جس کو وہ جانتی تھیں کہ وہ کوئی عام بچہ نہیں۔اور بچے نے ان کی مدد کی۔ معجزاتی طور پر وہ بچہ بول اٹھا، اپنی ماں کو طرف داری کی اور تبلیغ کی۔ دیکھیں[3]46اور388(یوسف علی نوٹ2482)

19:30بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے اپنا پیغمبر بنایا ہے۔

"وحی" کو قرآنی تشریحات میں "کتاب" کہا گیا ہے (شاکر، زیدان اور کئی) اور "صحیفے" (پکتھل)۔ یہ وحی یا کتاب انجیل کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے جیسا کہ قرآن میں تذکرہ آیا ہے؟ اور جیسا کہ ہم پہلے نوٹ کر چکے ہیں کہ اگر انجیل قرآن کی طرح عیسیٰؑ کو عطا کی گئی تھی تو اللہ اسے انسانی بگاڑ سے بچاتا ہے۔ لیکن انسانوں نے (اس معاملے میں عیسائیوں نے) انجیل کی نافرمانی کر کے خود کو بگاڑا۔ قرآن ان پر ہی الزام لگاتا ہے۔ خاص طور پر ان کے رہنماؤں پر جنھوں نے انجیل کو اپنی ذاتی دولت میں اضافے کا سبب بنایا۔ یہ الزام مندرجہ ذیل آیات میں لگایا گیا ہے۔

مومنو! (اہل کتاب کے) بہت سے عالم اور مشائخ لوگوں کا مال ناحق کھاتے اور (ان کو) راہ خدا سے روکتے ہیں۔اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کے رستے میں خرچ نہیں کرتے۔ان کو اس دن عذاب الیم کی خبر سنادو جس دن وہ مال دوزخ کی آگ میں (خوب) گرم کیا

جائے گا۔ پھر اس سے ان (بخیلوں) کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور کہا جائے گا)
کہ یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا سو جو تم جمع کرتے تھے (اب) اس کا مزہ
چکھو۔(9:34-35)

"عالم" اور "مشائخ" سے مراد مذہبی رہنما ہیں جنہوں نے اپنے عہدے کو اپنی ذاتی دولت میں اضافے کے لیے استعال کیا۔ بینک نہ ہونے کے باعث سونے اور چاندی کو زیر زمین دبانا، ان کو چھپانے یا ذخیرہ کرنے کا عام طریقہ تھا۔ یہ ایک عام حقیقت ہے کہ بہت سے عیسائی اداروں اور چرچ نے غریب لوگوں کو نقصان پہنچاتے ہوئے بہت سی دولت جمع کر لی۔ تبلیغ کرنے والے عالموں نے ایمان کو دولت پانے کا طریقہ بنا دیا اور جبکہ خود انہوں نے اپنی وزارتوں کے ذریعے خوب دولت اکھٹی کی۔

> 19:31 اور اس نے مجھے بابرکت کیا ہے جہاں بھی میں ہوں، اور اس نے مجھے نماز اور زکٰوۃ کا حکم دیا ہے جب تک بھی میں زندہ رہوں۔

عیسیٰؑ نے تعلیم دی کہ خدا کے دو سب سے عظیم احکامات، "اللہ سے اپنے دل، دماغ، روح اور پوری طاقت سے محبت کرنا ہے" اور "اپنے پڑوسی سے اپنے جتنی محبت کرنا ہے"۔ یہ الفاظ "نماز قائم کرنے کا حکم" پہلے حکم یعنی اللہ سے کامل محبت کا اظہار ہیں اور "زکوۃ" (یا صدقہ جو کہ غریبوں کے ساتھ محبت ہے) پڑوسی سے محبت کا ذریعہ ہے۔

> 19:32 اور اس نے مجھے اپنی والدہ کا خدمت گزار بنایا ہے اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں کیا۔

"سرکش" تکبر والے رویے کا اور ان لوگوں کے لیے جو دوسرے لوگوں پر ٹھونستے ہیں، کا اظہار ہے۔

یہ کہنا کہ میں سرکش نہیں اصل میں یہ کہنا ہے کہ میں "عاجز اور حلیم" ہوں[27]۔ صدقے کا مقصد غریب، بیوہ، بیمار اور مظلوموں کی مدد کرنا ہے۔ "بدبخت" سے مراد جس پر رحمت نہ کی گئی ہو۔ یہاں شائد اسکا مطلب "ناخوش" ہے۔ اس کے خوش نہ ہونے کا واضح مطلب ہے کہ بطورِ خادم وہ اللہ سے خوشی پاتا تھا۔ اللہ ہی اسکی خوشی کا مرکز تھا۔ کہ یہاں یہ کہا گیا ہے "میں جہاں کہیں بھی ہوں مجھ پر اسکا شکر ہے"، بے شک یہ خوشی کا باعث ہے! اور اس رحمت کے بارے میں اگلی آیت میں مزید تشریح ہے۔

19:33 اور مجھ پر میری پیدائش کے دن اور میری موت کے دن اور جس دن کہ میں دوبارہ زندہ کھڑا کیا جاؤں گا، سلام ہی سلام ہے۔

تھوڑا پہلے یہی الفاظ جان بپتسمہ دینے والے (یحییٰ) کے بارے میں بھی کہے گئے تھے۔ "اور جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن وفات پائیں گے اور جس دن زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے۔ ان پر سلام اور رحمت (ہے)" (19:15)۔

"اس کی پیدائش پر اس پر رحمت اور کرم کیا گیا اور اس وقت تک کیا گیا جب تک وہ ظالم کے ہاتھوں غیر مصنفانہ موت نہ پا گئے۔ اور ان کو قیامت کے دن صاف صاف دکھا دیا جائے گا" (یوسف علی، آیت 19:15 پر نوٹ 2469)

یہاں عیسیٰؑ کی وفات اور قیامت کے متعلق صاف ذکر ہے۔ کوئی دلیلِ باطل اسے قرآن سے نہیں مٹا سکتی۔

[27] خدا کی خیر خواہی کی طرح انسان میں تحمل اور عاجزی کا عنصر اسلامی اخلاقیات کا بنیادی جزو ہے۔ اگر تمام نہیں تو اکثر اخلاقی ذمہ داریاں اسی پاکیزہ خیر خواہی سے اخذ شدہ ہیں۔ ایمان والوں پر ہر ممکن موقعے پر رحمت کی جاتی ہے۔ تمام انسانی اور عائلی معمالات میں رحمدلی ہی بنیادی اصول ہونا چاہیے۔ ایتھیکو ریلیجیس کونسیپٹ اِن قرآن توشیکیو، ایم۔سی گل قوئین یونیورسٹی، پریس 2002، پی 8-67۔

ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ عیسیٰؑ کو یہودیوں نے صلیب پر نہ چڑھایا اور اسکا یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے کبھی وفات نہ پائی۔ جان بپتسمہ دینے والے کے لیے آیت 19:15 اور عیسیٰؑ کے لیے آیت 19:33 میں استعمال کیے گئے الفاظ کے درمیان مماثلت[28] پر غور کریں۔ یہ الفاظ بالکل ایک جیسے اس لیے ہیں کیونکہ عیسیٰؑ اپنے لیے یہی الفاظ استعمال کرتے ہیں: "جس دن وہ مرے" جیسے الفاظ کے لیے "جس دن میں مرا" ہی استعمال کیے گئے ہیں۔ جان نے کیسے وفات پائی؟ یوسف علی اوپر اسکا جواب دیتے ہیں: جان ایک ظالم کے ہاتھوں بے انصاف موت مرے۔ جب عیسیٰؑ پر یہ الفاظ لاگو کئے جاتے ہیں تو اس کی اور کیا اہمیت ہو گی؟ بلاشبہ اتنے واضح اور تشابہ علم کو ارادی طور پر ہی نظرانداز کیا جاسکتا ہے۔

یہ خاص طور پر عیسیٰؑ کی وفات ہی ہے جس نے عیسائیوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ عیسیٰؑ اور آپ ﷺ نہایت مختلف ہیں، کیونکہ بہت سے عالم یہ اصرار کرتے ہیں کہ عیسیٰؑ نہ صرف یہودیوں کے ہاتھوں قتل نہ ہوئے بلکہ انہوں نے وفات بھی نہ پائی۔ عیسائی یہی قرآن کی تعلیمات سمجھتے ہیں (ہم دیکھ چکے ہیں یہ حقیقت نہیں)، چنانچہ اسلام کے ساتھ بات چیت کو ناممکن سمجھا جاتا ہے۔

کیا محمد ﷺ اور عیسیٰؑ مخالف ہیں؟ وہ کیسے مخالف ہو سکتے ہیں جب کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ہر سچا پیغمبر اللہ کی منشاء اور سچ کا اعلان کرتا ہے۔ لیکن عیسائی فوراً یہ اعتراض کریں گے قرآن عیسیٰؑ کی موت یا دوبارہ اٹھایا جانے کو رد نہیں کرتا مگر وہ اس کا بمشکل تذکرہ کرتا ہے۔ اور انجیل کا بنیادی نقطہ یہی ہے۔ اس کا دو حصوں پر مشتمل جواب ہے۔

1۔ یہ درست ہے قرآن میں عیسیٰؑ کی وفات سے زیادہ زندگی کا ذکر ہے لیکن یہ آپؑ کی وفات کی نفی نہیں کرتا۔

2۔ قرآن کئی بار انجیل کا آپ ﷺ کی طرف سے تصدیق کیا گیا بتاتا ہے۔

[28] یوسف علی عیسیٰؑ اور یحییٰ کے قصوں میں بھی مماثلت دیکھتے ہیں (آیت 19:31 پر نوٹ 2483)

صفحہ نمبر 123

لیکن عیسائی تب اصرار کرتے ہیں کہ قرآن عیسٰیؑ کے موت سے دوبارہ اٹھائے جانے کے بارے میں بہت کم تذکرہ کرتا ہے۔اسکا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ کیونکہ قرآن انجیل کی تصدیق کرتا ہے تو عیسٰیؑ کا دوبارہ اٹھایا جانا بھی اس حد تک تصدیق شدہ ہے۔اس کے علاوہ دوبارہ آمد کوئی نئی یا نامعلوم حقیقت نہیں،ان کی آخری آمد کا خاص طور پر تذکرہ ہے۔ اور عیسٰیؑ کے لوگوں کو اللہ کے حکم سے زندہ کرنے یعنی دوبارہ اٹھانے کا بھی کئی بار تذکرہ ہے۔اگر اللہ، عیسٰیؑ کے ذریعے مردوں کو زندہ کر سکتا ہے،تو یہ ماننا کیوں مشکل ہے کہ وہ خود عیسٰیؑ کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا۔

قرآن کہتا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو مسیحا کو موت دیتا۔

(5:17)۔ کیا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عیسٰیؑ کی موت اسی نقطے کا عملی اظہار ہو؟اگر اللہ مسیحا کو قتل کر سکتا ہے یا قتل کرنے کی اجازت دے سکتا ہے(اپنی دانائی کی وجہ ہے کیونکہ اللہ سب سے بڑا دانا ہے)تو کیا وہ اپنی دانائی سے اسے دوبارہ نہیں اٹھا سکتا؟اگر مسیحا کی موت اللہ کی طاقت کا اظہار ہے(5:17)تو عیسٰیؑ کو اٹھانا اس کی طاقت کا اظہار نہیں؟اس کے علاوہ قرآن عیسٰیؑ کا اللہ کی طرف اٹھایا جانے کا تذکرہ کرتا ہے،تو کیا یہ اٹھایا جانا ان کی دوبارہ آمد کی طرف اشارہ نہیں کر سکتا؟ لیکن ناقدین دوبارہ سوال اٹھاتے ہیں:انجیل میں عیسٰیؑ کی موت کی یہ اہمیت بیان کی گئی ہے کہ وہ لوگوں کو، جو اللہ سے منہ موڑ چکے ہیں، واپس اللہ کی طرف لانے کا فدیہ ہے۔قرآن میں ایسی کسی چیز کا تذکرہ نہیں۔دوبارہ اس کے جواب کے دو حصے ہو سکتے ہیں۔

1۔ ہمیں یہ ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ قرآن انجیل کے سچ کی تصدیق کرتا ہے۔

2۔ اگرچہ انجیل میں آپؑ کی موت اور اس کے اسباب اور واقعات کا کافی تذکرہ ہے، کہیں بھی یہ تذکرہ نہیں کہ یہ ایمان کا جزو ہے، دوسرے الفاظ میں عیسیٰؑ کی پیروی مطلوب ہے اگرچہ ہم ان کی موت کی اہمیت سے بے خبر بھی کیوں نہ ہوں۔

اصل معاملہ عیسیٰؑ کو تسلیم کرنے اور پیروی کرنے میں اللہ کی تابعداری کرنا ہے۔ایسا کر کے ہم قرآن اور آپ ﷺ پیروی کریں گے۔اور جب ہم آپ ﷺ کی سچی پیروی کریں گے ہم عیسیٰؑ کی بھی پیروی کر رہے ہوں گے۔یہ ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں اور گواہی دیتی ہیں اور صراطِ مستقیم پر چلاتی ہیں۔کیا قرآن سے اسکے علاوہ کوئی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے؟

19:34یہ ہے صحیح واقعہ عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کا، یہی ہے وہ حق بات جس میں لوگ شک وشبہ میں مبتلا ہیں۔

قرآن میں عیسیٰؑ کے متعلق بیان اللہ کی طرف سے سچ ہے۔اس سے جھگڑا کرنا بے وقوفی اور فالتو ہے۔

19:35اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد کا ہونا لائق نہیں، وہ تو بالکل پاک ذات ہے، وہ تو جب کسی کام کے سر انجام دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا، وہ اسی وقت ہو جاتا ہے۔

ان الفاظ پر یوسف علی لکھتے ہیں

"بیٹا جننا ایک جسمانی عمل ہے جو کہ انسان کی حیوانی جبلت کے تابع ہے۔اللہ ان تمام ضروریات سے پاک ہے اور ان چیزوں کو اس سے منسوب کرنا گستاخی اور شان میں کمی ہے"(نوٹ 2487)

اللہ کے بیٹا جننے کا ذکر کرنا اللہ کو اس کی شان سے نیچے لا کر انسانوں کے مقام پر لانا ہے۔اور اگر یہ انسانوں کی بیوقوفی کی وجہ سے نہ ہوتا تو یہ گستاخانہ تصور کیا جاتا۔اللہ انسانوں کی طرح نہیں جنتا، وہ اپنے امر کے ذریعے جس شے کو چاہتا ہے وجود میں لے آتا ہے۔

19:36میرا اور تم سب کا پروردگار صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔تم سب اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔

کیونکہ اللہ سب سے زیادہ طاقتور اور دانا ہے اور اس نے ہمیں پیدا کیا، پس وہ "میرا مالک اور تمہارا مالک ہے"۔اور کیونکہ وہ ہمارا مالک ہے، اسکی اطاعت کرنا ہم پر فرض ہے، ہمارا اس دنیا میں زندگی گزرانے کا یہی ایک طریقہ صحیح ہے۔اور ایسا کرنا قیامت کے دن کی وجہ سے بھی ضروری ہے۔(اگلی آیت دیکھیں)

19:37پھر یہ فرقے آپس میں اختلاف کرنے لگے، پس کافروں کے لئے ویل ہے ایک بڑے (سخت) دن کی حاضری سے۔

کیا یہ بات اہمیت نہیں رکھتی کہ عیسٰیؑ کے تذکرے کے فوراً بعد قیامت کا تذکرہ کیا گیا ہے؟ کیا یہ نہیں بتاتا ہے کہ قرآن میں عیسٰیؑ کے تذکرے کی طرف ہمارا رویہ، اللہ کی طرف ہمارا رویہ ہے کیونکہ اس نے قرآن عطا کیا، اور یہی رویہ قیامت کے دن پرکھنے کی کسوٹی نہ ہو گا؟

"فرقے "لوگوں کا ایک گروپ ہوتے ہیں (چاہے مسلمان ہو یا عیسائی) جو اپنے خیالات، جو کہ قرآن کے منافی ہوتے ہیں، پیش کر کے جھگڑا کرتے ہیں۔یا وہ قرآن کی تعلیمات کو موڑ کر اپنے خیالات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔دوسرے الفاظ میں وہ قرآن، جب وہ ان کی روایات سے متفق ہو، کو قبول کرتے ہیں، وگرنہ ردِ کر دیتے ہیں۔ان میں اتنی عاجزی نہیں ہوتی کہ قرآن کو ان کے عقائد کے خلاف بات کرنے پر بھی قبول کریں۔چنانچہ وہ قرآن کو اپنے آپ کو بیان کرنے دینے کی بجائے اس پر فیصلے سناتے ہیں۔یقیناً ایسے لوگ "نافرمان "ہیں جن کی قیامت کے دن پکڑ کی جائے گی۔

عیسائیت کو روایتی تعلیمات کے ذریعے بگاڑ دیا گیا۔ مثال کے طور پر مریم کی "خدا کی ماں" ہونے کی تعلیمات۔

انجیل میں ایسی کوئی تعلیمات نہیں ہیں۔ مریم بطورِ عاجز اور ایماندار عورت جانی جاتی تھیں۔ لیکن جب چرچ نے اس بات پر اصرار کیا کہ ہر عیسائی کے لیے عیسیٰؑ کا "انسانی روپ میں خدا" ہونے پر ایمان لانا ضروری ہے وگرنہ وہ چرچ سے نکال دیا جائے گا تو مریمؑ کا "خدا کی ماں" کہلانا منطقی نتیجہ معلوم ہوا۔ جب مشرقی چرچ کے عظیم لیڈر نیسٹوریس نے اسے قبول کرنے سے انکار کر کیا کہ مریمؑ ایک انسان عیسیٰؑ کی ماں ہیں نہ کہ عیسیٰؑ کے روحانی حصے کی (وہ دوسرے لوگوں کی طرح یقین نہ رکھتے تھے کہ عیسیٰؑ صرف انسان ہیں) تو چرچ نے ان کو اور ان کے پیروکاروں کو نکال دیا۔ آج کل پروٹیسٹینٹ عیسائی اس کو استعمال نہیں کرتے مگر کیتھولک ابھی تک استعمال کرتے ہیں۔ ہمیں روایتی تعلیمات کو قبول کرتے ہوئے نہایت احتیاط سے کام لینا چاہیے کیونکہ اگرچہ وہ تعلیمات نسل بہ نسل منتقل ہوتی ہیں لیکن ان کے قرآن مخالف ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ ایک پیغام لمبے عرصے سے موجود ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہو سکتا۔ یہ صرف قرآن سے تصدیق کیے جانے کے بعد ہی درست ہو سکتا ہے۔

ہمیں ہر پیغام اور تعلیم پر غور کرنا چاہیے اور جس کو ہم بطورِ سچ قبول کر لیتے ہیں صرف اس وجہ سے کہ ہمیں اسے سچ بتا دیا جاتا ہے اور اس پر ایمان لانے کو کہا جاتا ہے۔ مذہب کا بگاڑ اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ کچھ معتبر عالم تعلیمات کو اگلی نسل تک منتقل کرتے ہیں، یہ تعلیمات کافی حد تک، مگر مکمل طور پر نہیں، درست ہوتی ہیں۔ بعد کے علماء بھی اس میں تھوڑی تھوڑی تبدیلی کرتے ہیں اور نتیجہ ایسی چیز کی صورت میں نکلتا ہے جو قرآن سے بہت مختلف ہوتی ہے۔ ہر عالم جانتا ہے کہ ایسا قرآن میں عیسیٰؑ کے متعلق اہم تعلیمات کے ساتھ ہوا ہے۔ قرآن میں عیسیٰؑ کے بارے میں تعلیمات سے دوری، عیسائیوں کے اپنے اعمال یعنی ہزاروں سال پہلے صلیبی جنگوں کی وجہ سے ہوئی۔ دونوں اطراف میں عداوت میں اس تمام لمبے عرصے کے بعد بھی کمی نہیں ہوئی ہے۔

لیکن یہ ہمارا ہی نقصان ہو گا اگر ہم اس عداوت کو ہمیں اللہ کی عیسیٰؑ کے متعلق تعلیمات سے دور کرنے دیں گے۔ عیسیٰؑ کا ان واقعات سے بلاشبہ کوئی تعلق نہیں، وہ بلاشبہ صلیبی جنگوں کے کرداروں کی بیوقوفی پر ان کی مذمت ہی کرتے۔

19:38 کیا خوب دیکھنے سننے والے ہوں گے اس دن جبکہ ہمارے سامنے حاضر ہوں گے، لیکن آج تو یہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

موت کے بعد حساب ہو گا اور تمام نافرمانوں اور ناانصافی کرنے والوں کو خوفزدہ ہونا چاہیے اور ان کو صحیح طریقے سے خبردار کر دیا گیا ہے۔ چناچہ ہم آیت 50:19 میں پڑھتے ہیں "پھر دیکھو، وہ موت کی جاں کنی حق لے کر آ پہنچی، یہ وہی چیز ہے جس سے تو بھاگتا تھا" یوسف علی اس پر لکھتے ہیں "اس آزمائشی زندگی کی بے حسی کا اندازہ اگلی دنیا میں آنکھیں کھول کر معلوم ہو گا، کہ جس کو وہ نظرانداز کرتا تھا اور بہت دور سمجھتا تھا وہ کتنا نزدیک ہے۔ اور جو چیزیں بن نہایت اہمیت کی حامل معلوم ہوتی تھیں، وہ اب سائے کی طرح بھاگ چکی ہیں۔ جن چیزوں سے ہم بچنا چاہتے تھے، اب ہمیں انہی سے گزرنا پڑ رہا ہے۔ اچھے اور برے دونوں لوگ سچ کو پہچان لیں گے۔ (آیت 50:19 پر نوٹ 4955) آیت 50:20 میں مزید لکھا ہے "اور صور پھونکا جائے گا۔ یہی (عذاب کے) وعید کا دن ہے"۔ "صور پھونک کر اعلان کی جانے والا حساب اگلہ مرحلہ ہو گا، ہر روح آگے بڑھے گی" (یوسف علی، نوٹ 4956)

اس کا آیت 45-50:41 میں تذکرہ ہے۔

50:41اور سنو جس دن پکارنے والا نزدیک کی جگہ سے پکارے گا۔

یہاں "دن" سے مراد ہے:

"محشر کا دن، جب قبروں سے اٹھنے اور حساب دینے کے سوال کا فوراً جواب دیا جائے گا اور وہ اٹھ کر آگے بڑھیں گے" حوالہ[36]53-49"۔(یوسف علی نوٹ4980)

یہ واضح ہے کہ دوبارہ اٹھایا جانا اور حساب ایک ہی عظیم واقعے کے دو حصے ہیں۔

الفاظ "نزدیک کی جگہ سے" کی یوسف علی تشریح کرتے ہیں، "دنیا کی زندگی میں یہ سب نہایت دور معلوم ہوتا ہے۔ اٹھائے جانے کے بعد نئی زندگی میں یہ سب نہایت نزدیک ہو گا۔ کیونکہ وہاں وقت اور جگہ کا کوئی تصور نہ ہوگا"(4981)

50:42جس دن لوگ چیخ یقیناً سن لیں گے۔وہی نکل پڑنے کا دن ہے۔

لفظ "اَلصَّيۡحَةَ"(یہاں) محشر کے لیے استعمال ہوا ہے یا گناہ گاروں کے لیے ناگہانی عذاب، جیسا کہ [11]67 میں ہے۔ (یوسف علی نوٹ4982)

50:43ہم ہی تو زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے۔

"زمین پھٹ جائے گی": یہ قبروں کے کھلنے کی طرف اشارہ کرتا ہے اور لوگ اس میں فوراً نکلیں گے۔

آیت 36:51-54 میں یہی مرکوز ہے:

تو صور کے پھونکے جاتے ہی سب کے سب اپنی قبروں سے اپنے پروردگار کی طرف (تیز تیز) چلنے لگیں گے کہیں گے ہائے ہائے! ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا۔یہی ہے جس کا وعدہ رحمٰن نے دیا تھا اور رسولوں نے سچ سچ کہہ دیا تھایہ نہیں ہے مگر ایک چیخ کہ یکایک سارے کے سارے ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے پس آج کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور تمہیں نہیں بدلہ دیا جائے گا، مگر صرف ان ہی کاموں کا جو تم کیا کرتے تھے۔

"جمع کرنا ہمارے لیے آسان ہے"

"ہمارے مادی خیالات کے مطابق دنیا کی تمام روحوں کو اکٹھا کرنا مشکل کام معلوم ہو سکتا ہے، یہ ایک مختلف زندگی ہو گی،اور اللہ کے لیے تمام چیزیں ممکن بلکہ آسان ہیں"(یوسف علی نوٹ 4984)

50:45 یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں ہمیں خوب معلوم ہے اور تم ان پر زبردستی کرنے والے نہیں ہو۔پس جو ہمارے (عذاب کی) وعید سے ڈرے اس کو قرآن سے نصیحت کرتے رہو۔

"لوگ قیامت اور اس کے بعد کے واقعات کے بارے میں ہر قسم کے شک وشباہت پھیلا سکتے ہیں۔آپ ﷺ کا کام ان کو ماننے پر مجبور کرنا نہیں۔ان کا کام قرآن کا پیغام پہنچانا ہے اور متنبہ کرنا ہے ان لوگوں کو جو روحانی طور پر صحیح ہیں اور نصیحت کو سننے کے لیے تیار ہیں اور نئی زندگی کے لیے بھی تیار ہیں۔(یوسف علی نوٹ 4985)

19:39 تو انہیں اس رنج وافسوس کے دن کا ڈر سنا دے جبکہ کام انجام کو پہنچا دیا جائے گا، اور یہ لوگ غفلت اور بے ایمانی میں ہی رہ جائیں گے۔

"رنج وافسوس" کے دن پر مزید روشنی ڈالنے کے لیے ہم سورۃ 50 کی طرف جاتے ہیں: " جس دن ہم دوزخ سے پوچھیں گے کیا تو بھر چکی؟ وہ جواب دے گی کیا کچھ اور زیادہ بھی ہے؟"۔

"کیونکہ جزا بے شمار دی جاسکتی ہے تو سزا بھی بے شمار دی جاسکتی ہے۔ جہنم کو زبان دی جائے گی اور اس سے پوچھا جائے گا" کیا تو بھر چکی ہے؟ وہ کہے گی 'کچھ اور زیادہ بھی ہے؟' وہ بھری نہ ہو گی" (یوسف علی نوٹ 4967)

"قیامت کے دن سزا کو کامل انصاف کہا گیا ہے یہ بدلا نہ جائے گا اور اس کو بدلنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ گناہوں کی سزا ضرور ملے گی اور رحم کا وقت گزر چکا ہے" (یوسف علی، آیت 50:29 پر آیت 4966)

اللہ قیامت کی کرسی پر بیٹھ کر بہترین انصاف اس لیے کر سکتا ہے کیونکہ وہ انسان کو، اس کے خیالات کو مکمل طور پر جانتا ہے۔"ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں ان سے ہم واقف ہیں اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں"۔

"اللہ انسان کی خواہشات اور اسکے ارادوں کو انسان سے بہتر جانتا ہے۔ وہ انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ شہ رگ گردن کی دونوں طرف ایک بڑی رگ ہوتی ہے جو دل سے دماغ تک خون پہنچاتی ہے۔

کیونکہ خون کی روانی سے ہی زندگی کی گاڑی رواں ہے، "شہ رگ سے" سے زیادہ قریب کا مطلب کا یہ ہے کہ اللہ حقیقی طور انسان کی سب سے چھپی خواہشات کو انسان سے زیادہ جانتا ہے۔(یوسف علی، آیت 50:16 پر نوٹ 4952)

اور جنت پرہیزگاروں کے لئے بالکل قریب کر دی جائے گی ذرا بھی دور نہ ہوگی یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہر اس شخص کے لئے جو رجوع کرنے والا اور پابندی کرنے والا ہوجو رحمٰن کا غائبانہ خوف رکھتا ہو اور توجہ والا دل لایا ہو۔(50:31-31)

اس حصے کی یوسف علی بہترین تشریح کرتے ہیں:

ان عظیم آیات میں پرہیزگاروں کی 4 نشانیاں بتائی گئی ہیں۔ 1۔ وہ مخلصانہ طور پر برائی سے پرہیز کرتے ہیں۔ 2۔ وہ جنکی نئی زندگی اچھی اور پرہیزگار تھی۔ 3۔ جن کے دل کی گہرائیوں اور خفیہ کاموں میں خوفِ اللہ کا عنصر غالب ہوتا ہے، یہ خوف، اللہ کو "سب سے مہربان" یاد رکھنے کی محبت کا ہی دوسرا نام ہے۔ 4۔ جو اس کی اپنی روح اور دل سے تابعداری کر تے ہیں۔(آیت 50:32 پر نوٹ 4969)

یہ چار قسم کے لوگ نہیں بلکہ یہ ان لوگوں کو جن کو "پرہیزگار" کہا گیا ہے کی خصوصیات ہیں۔ وہ جو برائی سے بچتے ہیں، وہی جو ایک نئی اور پرہیزگار زندگی گزارتے ہیں۔ ایسی زندگی جو اللہ سے خوف والی محبت پر مبنی ہوتی ہے۔ اور جو دل وجان سے اسکی عبادت کرتے ہیں۔

عیسیٰؑ کا سورہ 21 میں ذکر

غیر معمولی طور زیادہ تر لوگ (چاہے وہ مسلمان ہوں یا عیسائی) یہ نہیں سمجھتے کہ قرآن (پرہیزگار لوگوں کی خصوصیات اور قیامت کے متعلق) اور انجیل کی تعلیمات میں بنیادی طور پر فرق نہیں۔ تو اسکا مطلب ہے کہ الفاظ اور لکھائی میں تو فرق ہے، جو کہ مختلف زمانے اور سامعین ہونے کی وجہ سے لازم ہے، لیکن ان کی تعلیمات میں کوئی فرق نہیں۔ چناچہ یہ حیرانی کی بات نہیں کہ قرآن بار بار انجیل کی تصدیق کرتا ہے اور اس کی غلط تشریح کرنے والوں کی ملامت کرتا ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ پھر بھی اسلامی عالم اور محققین انجیل کی تعلیمات کے بگڑ جانے پر اصرار کرتے ہیں۔ اگر یہ در حقیقت بگاڑ دی گئیں تو وہ قرآن کے ساتھ مطابقت کیسے رکھ سکتی ہیں؟ وہ لوگ جو بگاڑا جانے کا الزام لگاتے ہیں، قرآن، اور انجیل کی تعلیمات میں کوئی فرق دکھا سکتے ہیں؟ حتیٰ کہ یوسف علی جو کہ انجیل کے بارے میں بہت علم رکھتے ہیں، قرآن اور انجیل کے درمیان کوئی اختلاف نہیں دکھا سکے، اگرچہ وہ انجیل کے الفاظ کے بگاڑے جانے کا الزام لگاتے ہیں۔ (پرانی تحقیقات کے مطابق جو کہ نئی تحقیقات کے باعث فرسودہ ثابت ہو چکی ہیں ، جیسا کہ ہم نے پہلے دیکھا)

پہلی تین انجیل سے تعارف رکھنے والا کوئی بھی شخص (انہیں "ہم آہنگ انجیلیں" کہا جاتا ہے کیونکہ وہ عیسیٰؑ کی تعلیمات اور زندگی ایک ہی زاویے سے دیکھتی ہیں) قرآن کی تعلیمات سے مطابقت پائے گا۔ چوتھی انجیل (یوحنا) آپؑ کی زندگی کو مختلف پہلو سے دیکھتی ہے اور اسی کی زیادہ تر غلط تشریح کی جاتی ہے۔ چرچ، عیسیٰؑ کی خدائیت یعنی "انسان کے روپ میں خدا" کو ثابت کرنے کے لیے اسی انجیل کا سہارا لیتے ہیں۔ ایسا زیادہ تر اس وجہ سے ہے کہ یوحنا میں عیسیٰؑ خدا سے اپنی وحدانیت کا بار بار ذکر کرتے ہیں۔ اس وحدانیت کی چرچ مادی معنوں میں تشریح کرتے ہیں جس کا مطلب ہے کہ اللہ کے ساتھ مادی وحدانیت۔

تاہم یوحنامیں عیسیٰؑ کے بیانات کی طرف دیکھتے ہوئے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی منشاء سے واحدانیت کا اظہار کرتے تھے۔یعنی عیسیٰؑ نے خود کو اللہ کا اتنا تابعدار بنا دیا تھا کہ وہ اللہ کی منشاء کے بغیر کچھ نہ کرتے تھے،اور اس طرح اللہ اور عیسیٰؑ کی منشاء میں واحدانیت تھی۔مثال کے طور پر عیسیٰؑ یوحنامیں کہتے ہیں"یسوع نے کہا، ‘‘میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ بیٹا اپنے آپ سے کچھ نہیں کرسکتا بیٹا وہی کرتا ہے جو وہ اپنے باپ کو کرتے دیکھے۔(جان 5:19)"یہاں"باپ"کی یہ تشریح نہیں کرنی چاہیے کہ عیسیٰؑ نے اللہ کے بیٹا جننے کے مشرکانہ خیال کو قبول کرلیا تھا، بلکہ وہ اللہ کی ایسے پیروی کرتے تھے جیسے بیٹا اپنے باپ کی کرے گا۔یوحنا سے عیسیٰؑ کی تعلیمات کے متعلق یہ تو واضح ہے ۔لیکن کیا اس انجیل کا مقصد اس سے زیادہ بھی بیان کرنا تھا؟چرچ نہ صرف اسکا جواب ہاں سے دیتا ہیں بلکہ اس کو ایسے اصول میں تبدیل کردیتا ہیں جس کو نہ ماننے پر انہیں چرچ سے نکال دیا جاتا ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ انجیل عیسیٰؑ کی اللہ سے واحدانیت کے بارے میں مزید کہنا چاہتی ہو۔کچھ عیسائیوں عالموں مثلاً البرٹ سچوٹزر جو کہ فقیہ،گلوکار اور طبیب تھے(انہوں نے تینوں عنوانات پر اعلیٰ تعلیم حاصل کی)نے یہ خیال پیش کیا ہے چوتھی انجیل میں بیان کی گئی اللہ سے واحدانیت"بعید الفہم واحدانیت"ہے۔یہ ایسی واحدانیت ہے جس میں صوفی لوگ داخل ہوتے ہیں۔یہ واحدانیت نہ صرف منشاء کی ہوتی ہے بلکہ کسی حد تک مادی بھی ہوتی ہے۔اس واحدانیت کو بعض اوقات اس مثال سے بیان کیا جاتا ہے کہ جیسے ایک پانی کا کپ سمندر میں ڈال دیا جائے اور وہ اس سے مل جائے۔ لیکن کیا یوحنا اس سے بھی کچھ زیادہ کہنا چاہتی تھی؟یہ پڑھنے والے کی اپنی سوچ پر منحصر ہے۔لیکن یہ فیصلہ چرچ نہیں کرسکتا اور نہ اسکو جبراًاگو کرسکتا ہے۔اگر کوئی عیسیٰؑ کی خدائیت کو صرف اس وجہ سے قبول کرتا ہے کہ اس کو چرچ کی طرف سے زور دیا جاتا ہے تو ایسے ایمان کا کوئی فائدہ نہیں۔

یہ بے معنی ایمان ہی عیسائیت کا عام اصول نظر آتا ہے۔ اگر زور عیسیٰؑ کی منشاء کا اللہ کی منشاء سے واحدانیت پر دیا جائے، جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ یوحنا میں اور "ہم آہنگ انجیلوں" میں دبایا گیا ہے، تو اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ عیسیٰؑ نے ایسی زندگی گزاری جو اللہ کی منشاء پر مبنی تھی۔ اور لفظ "مسلمان" کا یہی مطلب نہیں؟ چناچہ کیا یہ کہنا غلط ہو گا کہ انجیل کے مطابق عیسیٰؑ سچے مسلمان تھے؟

19:40خود زمین کے اور تمام زمین والوں کے وارث ہم ہی ہوں گے اور سب لوگ ہماری ہی طرف لوٹا کر لائے جائیں گے۔

"مادی خوشحالی ایک شخص سے دوسرے شخص تک منتقل ہوتی ہے: جب ایک مرتا ہے تو دوسرے کو وراثت میں مل جاتی ہے۔ اللہ نے زندگی اور موت عطا کی اور جسمانی موت کے بعد جو بچ جاتا ہے وہ واپس اللہ کے پاس ہی جاتا ہے، جو تمام چیزوں کا مالک ہے" (یوسف علی نوٹ 2492)

متی میں عیسیٰؑ کی تعلیمات میں سے ایک مشہور کہاوت ہے "مسکین خوش نصیب ہیں کہ ان کو وراثت میں دنیا ملے گی" لیکن ان کو دنیا وراثت میں کیسے مل سکتی ہے جب تک اللہ جو تمام چیزوں کا مالک ہے ان کو خود وراثت میں نہ دے؟ عیسیٰؑ کی تعلیمات میں "دنیا" سے مراد "بہشت" ہو سکتی ہے جیسا کہ قرآن میں سکھایا گیا ہے۔ کیونکہ کیا "مسکین" در حقیقت دنیا کو وراثت میں پانا چاہتے ہیں؟ لیکن بہشت ہے جس کا اللہ وعدہ کرتا ہے۔ چناچہ ہم دیکھ چکے سکتے ہیں کہ "دنیا" کو سمجھنے کے لیے قرآن ہماری مدد کر سکتا ہے۔

تب عیسیٰؑ کی تعلیمات میں "مسکین" کون ہیں یا کیا وہ عیسیٰؑ کیطرح وہی لوگ نہیں جنہوں نے اللہ کی منشاء اور محبت کو پورے دل کے ساتھ قبول کیا؟ انجیل میں عیسیٰؑ فرماتے ہیں کہ جو اللہ کی اطاعت کرے گا "وہ میرا بھائی، باپ اور ماں ہے"۔(متی 12:50)

سورہ 33 میں ذکر عیسیٰؑ

اور وہ پاک دامن عورت جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی، ہم نے ان کے اندر اپنی روح پھونک دی اور خود انہیں اور ان کے بیٹے کو تمام جہانوں کے لیے نشانی بنا دیا (21:91)

"بلاشبہ وہ جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی" سے مراد عیسیٰؑ کی ماں مریم ہے۔ پاکیزگی ان کی ایک خاص صفت تھی: کنوارہ ہونے کا باوجود بیٹے کی پیدائش نے انہیں اور ان کے بیٹے کو تمام لوگوں کے لیے معجزہ بنا دیا۔ (یوسف علی، نوٹ 2748) آیت 66:12 میں دوبارہ اسی چیز کا ذکر ہے۔

اور عمران کی بیٹی مریم، جنھوں نے اپنی عصمت کی حفاظت کی اور ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی اور وہ اپنے رب کے کلام اور اس کتابوں کو برحق سمجھتی تھیں اور فرمانبرداروں میں سے تھیں۔

ہم "نشان" (واحد، آیت 21:91) کو کیسے سمجھیں جب یہ مریم اور عیسیٰؑ (جمع)[29] کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کو سمجھنے کا ایک ہی طریقہ ہے: "نشان سے مراد مریم یا عیسیٰؑ نہیں بلکہ یہ مریم کے کنوارہ ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ بلاشبہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ عیسیٰؑ (نہ کہ مریم) اللہ کے پیغمبر ہیں۔ "نشانی" ہونا پیغمبر کے بارے میں کسی چیز کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

29 آیت نمبر 19:21 میں صرف عیسیٰ کو "نشان" کہا گیا ہے۔ ہم ان کو گوں کے لیے نشان چاہتے ہیں۔ یہ فیصلے کا معاملہ ہے۔

مگر کس چیز کی طرف ؟ غالباً اسکا جواب ہمیں آگے جا کر ملتا ہے اور مریم اور عیسیٰؑ تمام لوگوں کے لیے "نشان" سے کیا مراد ہے ؟ اس کو سمجھنے کے لیے ہمیں آیت 29:15 کا مطالعہ کرنا ہو گا جہاں "تمام لوگوں کے لیے نشان" کا ایک اور بار ذکر کیا گیا ہے۔ آیت 29:14 درج ذیل ہے۔

اور ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ ان میں پچاس برس کم ہزار برس رہے۔ پھر ان کو طوفان نے آ پکڑا۔ اور وہ ظالم تھے۔ پھر ہم نے نوحؑ کو اور کشتی والوں کو نجات دی اور کشتی کو اہل عالم کے لیے نشانی بنا دیا۔

یوسف علی اس کی تشریح ایسے فرماتے ہیں۔

"ان آیات میں حضرت نوحؑ اور سیلاب کا واقعہ بیان نہیں کیا گیا۔ یہ واقعہ اور جگہوں مثلاً (11)25:48 اور (26)22-105 میں۔ یہاں صرف نوحؑ کے زمانے کا ذکر کیا گیا ہے جو کہ 950 برس تھا۔ (9)28-29 میں ان کا کل زمانہ 950 برس مذکور ہے جن میں 350 برس سیلاب کے بعد تھے۔ اس طویل عرصے کے باوجود ان کی قوم کو ایمان نہ لانے کی وجہ سے تباہ کر دیا گیا۔ اور کشتی کو تا قیامت انسانیت کے لیے سبق بنا دیا گیا۔ نیکوں کاروں کے لیے نجات اور گناہ گاروں کے لیے تباہی کا اشارہ ہے۔"

حضرت نوحؑ کی کشتی کی طرح بہت پہلے، حضرت عیسیٰؑ کی کنواری ماں سے پیدائش تمام "جہانوں کے لیے نشان بنا دی گئی تھی۔ نیکوں کے لیے نجات اور گناہ گاروں کے لیے تباہی کا اشارہ"۔ اس اشارے کی مزید تشریح کی جا سکتی ہے۔ یہ ان تمام زندہ لوگوں کے لیے نجات کا اشارہ ہے جو نوحؑ کی کشتی میں سوار ہو گئے۔ بیک وقت یہ گناہ گاروں کے لیے تنبیہ ہے جنہوں نے نوحؑ کا مذاق اڑایا اور کشتی میں سوار ہونے سے انکار کر دیا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ لفظ "عیسیٰؑ" کو ہبروز بان میں "یسوع" کہا جاتا ہے جس کا مطلب ہے "اللہ نجات ہے"۔

چناچہ ایک بار پھر قرآن پاک میں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق نہایت اہم پہلو کا اظہار بھی کیا گیا ہے اور چھپایا بھی گیا ہے۔

جس پہلو کا اظہار کیا گیا ہے وہ یہ کہ عیسیٰؑ کی پیدائش میں "لوگوں کے لیے نشانی" ہے۔ یہ ایک عالمگیر اظہار بیان ہے۔ مگر اسکو یہاں مفصّل طور پر بیان نہیں کیا گیا ہے لہٰذا ہمیں اس کا مطلب تلاش کرنے لیے جدوجہد کرنا پڑے گی۔ اس کی مثال ایک ایسے دفن خزانے کی سی ہے جس کا کچھ حصہ واضح ہے اور ایک دانا شخص اس خزانے کو پہچان کر اس کو بے نقاب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جبکہ عام لوگ کوئی توجہ دیے بغیر گزر جاتے ہیں۔ اللہ کا کلام ان لوگوں کے لیے ہے جو اس کو سمجھنا چاہتے ہیں اور روحانی طور پر کمربستہ ہیں۔ بے پرواہ لوگ اللہ کے کلام کی دانائی سے محروم رہتے ہیں۔

قرآن کی تعلیمات میں سچائی بالکل واضح ہے۔

نشان ہونے کے مطلب کا ادراک اور اس کو سمجھنا ہر کسی کے بس بات نہیں۔

16:11 "وہ اس پانی کے ذریعہ سے کھیتیاں اگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور طرح طرح کے دوسرے پھل پیدا کرتا ہے۔ اس میں بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔"

نشانی جو ہر کسی کے لیے واضح نہیں ہوتی مگر ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔ اسی بات کو آیت 16:65 اور 16:69 میں دہرایا گیا ہے۔

16:13 "اور یہ بہت سی رنگ برنگ کی چیزیں اس نے تمہارے لیے پیدا کر رکھی ہیں اس میں نشانی ہے اللہ کا شکر کرنے والوں کے لیے"۔

یہاں ایک اور اہم نقطے پر زور دیا گیا ہے۔ صرف سوچ ہی کافی نہیں اللہ کی نشانیوں کو سمجھنے کے لیے دل میں تشکر اور اللہ کا خیال ہونا ضروری ہے۔ یہ ایک روشن روحانیت والے انسان کی خاصیت ہے۔

16:65:3 "اور اللہ آسمان سے پانی برسا کر اس سے زمین کو اسکی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے نشانی ہے جو سنیں"۔

یہاں غور و فکر اور روحانیت میں، متوجہ ہونے کی خوبی کو بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ جو شخص جو اس بات پر توجہ دے گا کہ کیسے بارش کا پانی مردہ زمین میں جان ڈال دیتا ہے قیامت کی نشانی کو دیکھ لے گا جب سب مردہ چیزوں کو حساب کے لیے اٹھایا جائے گا۔

27:52 یہ ہیں ان کے مکانات جو انکے ظلم کی وجہ سے اجڑے پڑے ہیں۔ جو لوگ علم رکھتے ہیں ان کے لیے اس میں بڑی نشانی ہے۔

وہ لوگ جو روحانیت کی منازل کو طے کر کے اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں انہیں حالات کے سبب کا ادراک ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس معاملے میں گناہ گاروں کے گھروں کا تباہ ہونا، قیامت کے دن ان کی تباہی کا پیش خیمہ ہے۔

34:5:5 کیا انہوں نے اس کو نہیں دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے ہے یعنی آسمان اور زمین۔ اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں۔ اس میں ہر بندے کے لیے جو رجوع کرنے والی ایک نشانی ہے۔

ان آیات سے پہلے ان گمراہ لوگوں کا ذکر گیا ہے جو اللہ کے پیغام کو تضحیک سے جھٹلاتے ہیں اور وہ روحانی طور پر اندھے ہیں۔ (کیا وہ نہیں دیکھتے؟) جو خدا کی مخلوق میں اس کو نشانیوں کو نہیں دیکھتے (اوپر آسمان، نیچے زمین) اور یہ نہیں سوچتے کہ اگر اللہ چاہے تو ان کو تباہ و برباد کر سکتا ہے۔ صرف وہ لوگ جن کے دل میں اللہ ہے اسکی نشانیوں کو سمجھ سکتے ہیں۔

وہ لوگ جو اللہ پر یقین رکھتے ہیں اس کی نشانیوں کو سمجھ سکتے ہیں۔ گمراہی اور بے یقینی اندھے پن کو جنم دیتی ہے۔ 26:67، "بے شک اس میں بہت بڑی نشانی ہے مگر اکثر لوگ ایمان نہیں رکھتے۔"

اس حقیقت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا سکتا ہے کہ یہ اس سورہ میں مزید پانچ مرتبہ دہرائی گئی ہے 26:174،26:158،26:121،26:103، یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہ حوالہ ایسی سورۃ میں دہرایا گیا ہے جہاں حضرت نوحؑ کے واقعہ کو بھی کئی بار بیان کیا گیا ہے (26:105-121)

تو حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش "تمام جہانوں کے لیے نشانی" کو سمجھنے کے لیے ہمیں حضرت نوحؑ کے واقعے پر غور کرنا ہوگا۔ حضرت نوحؑ کی بطور پیغمبر اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کا ذکر قرآن میں 44 بار آیا ہے۔

آپ کے واقعے کو مختصر اور تفصیل سے کئی بار بیان کیا گیا ہے (10:71:73)،(11:25:48)،(26:105:121)

ایک مکمل سورۃ آپ کے واقع کے متعلق ہے (سورۃ 71) حضرت نوحؑ کے واقعے کو سمجھنے کے لیے ہم آیت (23:23:31) کا مطالعہ کریں گے۔

(23) اور ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے ان سے کہا کہ اے قوم! خدا ہی کی عبادت کرو اور اسکے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، کیا تم ڈرتے نہیں؟

نوحؑ کو اللہ نے ان کی اپنی قوم میں بھیجا۔ آپؑ نے انہیں اللہ کی عبادت کرنے کی تلقین کی۔ اسی طرح عیسیٰؑ بھی اللہ کے پیغمبر ہیں جن کو اللہ نے ان کی قوم کی راہنمائی کے لیے بھیجا (4:171؛5:46) یہی بات انجیل میں بیان کی گئی

ہے(لوقا4:18)"میں خدا کی طرف سے مسکین کو اچھی خبر سنانے،اندھے کو بینائی عطا کرنے، مظلوم کی دادرسی کرنے اور قیدیوں کی رہائی کے لیے بھیجا گیا ہوں"

انجیل میں ہی بیان کیا گیا ہے "جس نے میری پیروی کی اس نے خدا کی پیروی کی اور جس نے مجھے جھٹلایا اس نے خدا کو جھٹلایا۔"(لوقا10:16اور19:48)

(24)تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے کہ یہ تم جیسا آدمی ہے۔ تم پر بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے اور اگر خدا چاہتا تو فرشتے اتار دیتا۔ ہم نے اپنے باپ دادا میں تو یہ بات کبھی نہ سنی تھی۔

اپنے سرداروں کی پیروی کرتے ہوئے لوگوں نے نوحؑ کو جھٹلایا کہ وہ ایک عام انسان ہیں جو اپنی تعلیمات کے ذریعے اثرورسوخ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا فلسفہ یہ تھا کہ اگر خدا چاہتا تو ان کی رہنمائی کے لیے فرشتے اتار دیتا نہ کہ ان کے جیسا ہی عام انسان۔

انجیل میں ایسے ہی ردعمل کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور جب سبت کے دن انہوں نے عبادت گاہ میں خدا کا پیغام پہنچانا شروع کیا تو ان کی قوم حیران رہ گئی اور وہ لوگ کہنے لگے "اس انسان کے پاس یہ صفات کہاں سے آئیں؟ اور اس کو یہ دانائی کیسے عطا کی گئی ہے؟ اور یہ اپنے ہاتھوں سے معجزے انجام دے رہا ہے؟ کیا یہ ترخان نہیں؟ کیا یہ مریم کا بیٹا اور جیمز' جوزف' جوڈی اور سائمن کا بھائی نہیں؟ کیا اسکی بہنیں یہاں ہمارے ساتھ موجود نہیں؟ اور انہوں نے عیسیٰؑ کی شان میں گستاخی کی۔

تو حضرت عیسیٰؑ نے جواب دیا "ایک پیغمبر شان والا ہوتا ہے اپنے قبیلے' رشتہ داروں اور گھر والوں کے علاوہ۔ اور وہ چند بیماروں کو شفا دینے کے علاوہ کوئی معجزہ انجام نہیں دے سکتا۔ اور وہ ان کی لاپرواہی پر حیران تھے اور وہ گلیوں کوچوں میں خدا کے احکامات کی تبلیغ کرتے پھرتے تھے(مارک6:2-6)

(25)(اور کچھ نے کہا)اس آدمی کو دیوانگی کا عارضہ ہے تو اس کے بارے میں کچھ مدت انتظار کرو۔

کچھ لوگ حد سے اتنا آگے بڑھ گئے کہ کہنے لگے نوحؑ تو مجنون ہیں کہ وہ کسی جن کے قبضے میں ہیں۔

یوسف علی فرماتے ہیں:-

"میرے خیال میں یہ لوگوں کے درمیان میں کسی شخص کی تقریر ہے ان کا خیال تھا کہ نوحؑ پاگل ہو گئے ہیں تو بہتر ہے کہ ان کو نظر انداز کیا جائے۔ یا تو وہ اپنے پاگل پن سے باز آجائیں گے یا اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے "(نوٹ 2826)

اسی طرح انجیل میں عیسیٰؑ کی تعلیمات سن کر اور ان کے معجزے دیکھ کر لوگوں کے رد عمل کو بیان کیا گیا ہے بہت سوں نے کہا" وہ پاگل ہے اور مجنون ہے اس کی بات کیوں سنیں" مگر بعض لوگوں نے کہا کہ یہ ایک مجنون شخص کا کلام نہیں ہے۔ کیا ایک دیوانہ اندھے کو بینائی عطا کر سکتا ہے؟(جان 20:10۔21)

(26)نوحؑ نے کہا کہ اے پروردگار! انہوں نے مجھے جھٹلایا تو میری مدد کر۔

نوحؑ نے ان تمام الزامات سے دلبرداشتہ ہو کر اللہ کو مدد کے لیے پکارا۔

حضرت عیسیٰؑ بھی اپنے جھٹلائے جانے کی وجہ سے بہت دلبرداشتہ ہوئے اور انہوں نے اپنے دکھ کا اظہار اس طرح کیا۔

"اے یروشیلم کے لوگوں! تم خدا کے رسولوں کو پتھر مار کر قتل کرتے ہو۔ میں طویل عرصے سے تمہیں اکٹھا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ جیسے ایک مرغی اپنے بچوں کو اکٹھا کرتی ہے۔ دیکھو اپنے ویران گھروں کی طرف کہ تم مجھے دوبارہ نہ دیکھو گے جب تک تم نہ پکارو" خدا کا پیغام لانے والوں کی آمد مبارک ہو""

(میتھیو 23:37:39)۔لوقا(13:34:35)

(27)پس ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارے سامنے اور ہمارے حکم سے ایک کشتی بناؤ۔ پھر جب ہمارا حکم آ پہنچے اور تندور (پانی سے بھر کر) جوش مارنے لگے تو سب (قسم کے حیوانات) میں جوڑا جوڑا دو دو کشتی میں بٹھا دو اور اپنے گھر والوں کو بھی۔ سوا ان کے جن کی نسبت ان میں سے حکم پہلے صادر ہو چکا ہے اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا وہ ضرور ڈبو دیئے جائیں گے۔

اللہ نے جواب دیتے ہوئے نوحؑ کی کشتی تعمیر کا حکم دے دیا جس میں نوحؑ کے خاندان اور بہت سے جانوروں کو سوار کر کے بچا لیا جائے گا اور گناہ گاروں کو ڈبو دیا جائے گا۔ عیسٰیؑ کی زندگی کا رہنما اصول "ہماری (اللہ کی) خواہش اور اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنا تھا یعنی ہمیشہ اللہ کی مرضی کے مطابق عمل کرنا۔ اس کو ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔

"میری نہیں آپ (اللہ) کی منشاء۔ (میتھیو26:39)"میری خواہش کے تابع نہیں بلکہ اس کے تابع جس نے مجھے بھیجا ہے" (جان6:38)

(28)اور جب تم اور تمھارے ساتھی کشتی میں بیٹھ جاؤ تو کہنا کہ سب تعریفیں خدا ہی کو ہیں جس نے ہمیں نجات بخشی ظالم لوگوں سے۔

کشتی ان کو سیلاب کی تباہی سے نجات کے لیے اللہ کی پیش بینی تھی۔ یہ نجات اللہ سے دعا اور شکر گزاری کا تقاضہ کرتی تھی۔ عیسٰیؑ نے اللہ کی تعریفیں اس طرح کی:

اس وقت عیسٰیؑ نے خوشی سے سرشار ہو کر عرض کی "سب تعریفیں آپ کے لیے ہیں اے زمین اور آسمان کے مالک کیونکہ آپ نے ان چیزوں کو عقلمندوں سے چھپایا اور معصوم بچوں پر ظاہر کر دیا" (لوقا10:21، میتھیو11:25)

یہودیوں کے سرداروں نے اسی طرح عیسٰیؑ کو جھٹلایا جیسا نوحؑ کی قوم کے "عقلمند اور دانا" سرداروں نے نوحؑ اور کشتی کو جھٹلایا (جو کہ اللہ طرف سے نجات کا سبب تھی)۔ لیکن اللہ نے سچ کو چند لوگوں پر ظاہر کر دیا اور عیسٰیؑ اس چیز کے لیے اللہ کے مشکور تھے کیونکہ اب کچھ لوگ روحانی کشتی میں سوار تھے اور تباہی سے بچ سکتے تھے

(29)اور دعا کرنا کہ اے پروردگار ہم کو مبارک جگہ اتاریو کہ تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے

دعا صرف نجات کے سفر سے پہلے کافی نہیں ہو گی بلکہ لازم ہے کہ اللہ کو آخر تک یاد کیا جائے۔ عبادت اور اللہ پر بھروسہ، ایمان والوں کی زندگی کا لازم جزو ہے کیونکہ بنا اس کے کوئی بھی آخر دم تک وفادار نہیں رہ سکتا۔

عیسٰیؑ سے فرمایا "سرکشی کے باعث بہت سے لوگ اللہ سے محبت کو کھودیں گے اور صرف وہ بچ سکیں گے جو آخر تک وفادار رہیں گے" (میتھیو 13،24:12)

(30)بے شک اس میں نشانیاں ہیں (تاکہ لوگ سمجھ سکیں) اور ہمیں تو آزمائش کرنی تھی۔

ان الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ تمام بیان کیے گئے نقاط میں روحانی سچ (نشانیاں) جن کو عقلمند لوگ سمجھ سکتے ہیں اور اس پر عمل کر سکتے ہیں اور یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے کہ ہم اس حقیقت کو سمجھ کر اس پر عمل کرتے ہیں یا ہم غافل رہنا پسند کرتے ہیں۔

(31) پھر ہم نے ان کے بعد ایک اور جماعت پیدا کی

گناہ گاروں کی تباہی کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کے ذریعے نئی نسل پیدا کی۔ حضرت نوحؑ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انسانیت کو ان کی بدولت ایک نئی شروعات ملی۔

کشتی جو کہ سیلاب کی صورت میں اللہ کے عذاب سے بچنے کا ذریعہ تھی، حضرت نوحؑ نے اللہ کے احکامات کے مطابق بنائی۔ آپؑ اللہ کی مدد سے کشتی کو وجود میں لائے۔ کہا جا سکتا ہے کہ کشتی کو وجود میں لانے والے تو نوحؑ تھے لیکن کشتی نہ کہ نوحؑ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانی ہیں۔

مریم نے عیسیٰؑ کو اللہ کے امر سے پیدائش دی۔ چنانچہ کشتی کی طرح عیسیٰؑ بھی اللہ کی طرف سے نشانی ہیں۔ کشتی حضرت نوحؑ کے بعد بھی وجود میں رہی لیکن کنواری پیدائش کا معجزہ حضرت عیسیٰؑ کے بغیر کوئی نشان نہیں رکھتا کہ ان کا وجود ہی کنواری پیدائش کے معجزے کا عملی اظہار ہے۔ کشتی بذات خود تمام لوگوں کے لیے موجود تھی لیکن کنواری پیدائش کا معجزہ حضرت عیسیٰؑ کے وجود کا محتاج ہے۔

ان تمام نقاط کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ ہمیں سچائی سمجھنے کی توفیق بخشے تو ہم دیکھ سکتے ہیں کہ قرآن کی رو سے عیسیٰؑ دونوں کشتی اور نوحؑ کی طرح ہیں۔ وہ پیغمبر بھی ہیں جنہوں نے اپنی زندگی اللہ کی منشا کے مطابق گزار دی اور وہ اپنی تعلیمات اور اعمال کی وجہ سے ایک روحانی کشتی کی طرح بھی ہیں۔ وہ کشتی جو قیامت (سیلاب) سے نجات کا ذریعہ ہے مگر ان لوگوں کے لیے جو آپ کی پیروی کریں گے۔

چناچہ جو ہم نے قرآن سے سیکھا ہے اس کا خلاصہ اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے: نوح نے اللہ سے وابستگی کا اعلان کیا: عیسیٰؑ نے بھی کیا۔ اللہ نے نوحؑ کو ان کی قوم کے لیے نجات کا ذریعہ بنا دیا۔ نوحؑ کو یہ ذریعہ کشتی کے ذریعے بنا دیا جس میں "تمام جہانوں کے لیے نشانی" ہے۔

اور اللہ نے عیسیٰؑ کو نجات کا ذریعہ کیسے بنادیا؟

یہ عیسیٰؑ کے ذات کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے ؟ کیونکہ ان کی کنواری ماں سے پیدائش میں "تمام جہانوں کے لیے نشا نی' ہے۔

آئیں "نشان" کے اہم معاملے کو مزید سمجھنے کی کوشش کریں نشان ایک ایسی چیز ہوتی ہے جو کہ عام ہوتی ہے اور ہر کوئی اس کو دیکھ سکتا ہے۔ لیکن پیدائش ایک ذاتی معاملہ ہے۔ ایک ذاتی واقعہ اعلانیہ صرف تب ہی بن سکتا ہے جب اس کے اثرات کو اعلانیہ طور دیکھا جا سکے۔ چناچہ میں اور آپ اپنی پیدائش کے ایسے ثبوت ہیں جن کو اعلانیہ طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔

اس طرح کنواری پیدائش کو صرف حضرت عیسیٰؑ کی موجودگی میں اعلانیہ طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔

بلاشبہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش اور کسی عام پیدائش میں بہت فرق ہے۔ وہ ایک کنواری ماں سے پیدا کیے گئے تھے لیکن اس کو سچ کیسے ثابت کیا جائے ؟

قانون کی رو سے کسی واقعے کو سچ ثابت کرنے کے لیے دو گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے۔(2:282:5:106)۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ قرآن میں بیان ہے "ہم (اللہ) نے مریم کے بیٹے اور ان کی ماں کو نشانی بنایا تھا"

(21:91:23:50) کیونکہ صرف انکی مشترکہ گواہی کی بدولت ہی ایسے واقعے کو سچ ثابت کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ اعتراض بھی کیا جا سکتا ہے کہ عیسیٰؑ تو ننھے بچے تھے۔ وہ اپنی پیدائش کے گواہ کیسے ہو سکتے ہیں ؟ اس اعتراض کا جواب قرآن میں عیسیٰؑ کی پیدائش کے فوراً بعد کے واقعات میں ملتا ہے انہوں نے اپنے بچپن میں ہی اعلان کیا" بچے نے کہا میں

خدا کا بندہ ہوں۔اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنا دیا"(19:30) چناچہ انکی ماں کی عصمیت ثابت ہو گئی(19:28:34) یہ کوئی عام بچہ نہیں تھا چناچہ یہ اس واقعے کا گواہ ہوئے کا اہل تھا۔ایک منفرد اور خلاف معمول پیدائش نے ایک منفرد اور خلاف معمول بچے کو جنم دیا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا اپنی شیر خواری میں بولنے کا صرف قرآن میں ذکر ہے اور اس کا انجیل میں تذکرہ نہیں ہے۔یہ غیر معمولی بات واضح کرتی ہے کہ اس سارے واقع کا ایک اور بھی گواہ تھا۔اللہ بذات خود۔اور اس بات کا بھی خیال بھی رکھنا چاہیے کی عیسیٰؑ کا نام کسی انسان نے نہیں رکھا تھا بلکہ یہ خود اللہ کی طرف سے دیا گیا تھا ان فرشتوں کے ذریعے جو مریمؑ کے پاس بھیجے گئے تھے۔

اور جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ آپؑ کے نام کا مطلب ہے "اللہ نجات ہے" اس سب کا کیا مطلب ہے؟

کیا یہ ابھی بھی واضح نہیں ہے کہ اللہ نے آپ ﷺ کے ذریعے قرآن میں عیسیٰؑ کو دائم نجات کا ذریعہ بتا دیا ہے؟ کیا ہم ان لوگوں میں سے جو اللہ کی نشانیوں جو اس نے تمام لوگوں کو دی ہے نہیں دیکھ سکتے۔

قرآن کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ نے آپ ﷺ کو احکامات اور رہنمائی ان کی قوم کی روزمرہ کی زندگی پر لاگو ہونے والے اصولوں کی شکل میں دی۔ اللہ نے آپ ﷺ پر زندگی کے متعلق معاملات مثلاً دوبارہ اٹھایا جانا، قیامت اور جنت کو بھی آشکار کر دیا۔ کیا زندگی کو کامیابی سے صرف شادی، طلاق اور وراثت کے قانون پر عمل کر کے گزارا جا سکتا ہے؟ اگر ایسا ہو تو قرآن کا بڑا حصہ کا جو ان چیزوں کے متعلق نہیں ہے کا کیا فائدہ ہے؟

مثال کے طور پر نوحؑ کے متعلق بیانات سے نوحؑ اور آپ ﷺ کے زمانے میں مشابہت کو دیکھا جا سکتا ہے۔ نوحؑ کے زمانے میں کوئی قوانین نہیں تھے۔

یہاں تک کہ موسیٰ کے متعلق قرآن میں بیانات کا تعلق تورات میں موجود قوانین سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق اللہ کی منشاء اور مرضی کے مطابق زندگی گزارنے سے ہے۔ اس کا مطلب ہے قرآن کا ایک قانونی پہلو ہے اور ایک روحانی۔ پیغمبر ﷺ کے زمانے کا ایک قانونی پہلو ہے اور ایک روحانی۔ یہ دونوں پہلو اگر علیحدہ نہیں ہیں تو اکٹھے بھی نہیں ہیں اور ان کو آپس میں ملانا نہیں چاہیے۔ یہ آپ ﷺ کے روحانی پہلو کا حصہ ہے جو عیسیٰؑ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ حضرت محمد ﷺ اور عیسیٰؑ کے درمیان تصادم تو دور کی بات یہاں کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ (یہ بات قابل رنج ہے کہ آج کل کے مسلمان ایسا سوچتے ہیں) آپ ﷺ کی تعلیمات میں کہیں عیسیٰؑ کی تردید نہیں ہے۔ کچھ جدید مسلمان بغیر کامیابی کے ایسا کچھ تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آپ ﷺ اور عیسیٰ ؑ کے درمیان اختلاف نہیں ہو سکتا اور اس کی وجہ تلاش کرنا مشکل نہیں ہے ان کے اختیارات کی حدود بالکل مختلف ہیں آپ ﷺ کے اختیار میں دنیا آتی ہے یہی وجہ ہے آپ ﷺ نے لوگوں کو اللہ کی طرف سے واضح کیے گئے قوانین سکھائے۔ عیسیٰ ؑ کے اختیار کی حدود روحانی ہے یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے عیسیٰ ؑ کے متعلق کبھی کسی قانون کا تذکرہ نہ کیا۔ رومن گورنر کے سوال کرنے پر آپ ؑ نے فرمایا "میری سلطنت اس دنیا میں نہیں ہے وگرنہ میرے پیروکار لڑ پڑیں گے۔ درحقیقت آپ ؑ نے اپنے پیروکاروں کو خود اپنے لیے بھی لڑنے نہ دیا جب یہودیوں نے آپ ؑ کو گرفتار کرنے کے لیے سپاہی بھیجے تو پیٹر نے تلوار سونت کر ان سے لڑنا چاہا۔ مگر آپ ؑ نے ان کو فوراً روک دیا۔

قرآن سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ اس بات کو سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ عیسیٰ ؑ کی طرف اختلاف کا کوئی نظریہ نہیں ہے۔ آپ ﷺ حضرت عیسیٰ ؑ کی طرف منسوب جھوٹ سے ان کو بچانا چاہتے تھے۔ اس سے بڑھ کر آپ ﷺ حضرت عیسیٰ ؑ کو اللہ کا پیغمبر بیان کرتے تھے۔ جن کو سنا جائے، ان کی اطاعت کی جائے اور ان کی پیروی نہ کرنے والے، حضرت نوح ؑ کی پیروی نہ کرنے والوں کی طرح اللہ کے عذاب کی گرفت میں آ جائیں گے۔

بے شک آپ ﷺ درست تھے، آپ ﷺ کے زمانے کے تین سو سال بعد مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگوں کے شرمناک واقعات نے عیسائیوں کی آپ ؑ تعلیمات کے متعلق غلط بیانی کو عیاں کر دیا۔ انہوں نے عیسیٰ ؑ کے تعلیمات کے بالکل الٹ عمل کیا۔ انہوں نے آپ ؑ کی روحانی سلطنت کو دنیاوی سلطنت میں تبدیل کر دیا۔ اور انہوں نے ایسا اپنی تلواروں کی بے رحمی اور عیسیٰ ؑ کے نام پر، صلیب کے سائے میں کیا۔ عیسیٰ ؑ کے نام کے ایسے غلط استعمال کو کوئی پیروکار معاف نہیں کر سکتا۔ بے شک وہ "عیسائی" قیامت کے دن اپنے شرمناک انجام کو پہنچ جائیں گے "تم مجھے آقا آقا کیوں

بلاتے ہو جب تم میری پیروی نہیں کرتے (لوقا 6:46) "تب میں اعلان کروں گا کہ میں تمہیں نہیں جانتا، ظالموں مجھ سے دور ہٹ جاؤ" میتھیو (7:23)

حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات سے یہ واضح ثبوت ملتا ہے کہ آپؑ دنیاوی سلطنت نہیں چاہتے تھے۔ آپؑ کی تعلیمات کا بنیادی فلسفہ "آسمانوں کی سلطنت" تھا۔ یہ میتھیو کی انجیل میں 55 بار آیا ہے۔ بے شک آپؑ کی آسمانی سلطنت کوئی خیالی سلطنت نہیں تھی جو آسمانوں میں اڑتی ہو بلکہ یہ روزمرہ کی زندگی پر مشتمل تھی۔ لیکن آپؑ کی سلطنت کے کوئی سیاسی، فوجی،، معاشرتی، معاشی یا قانونی پہلو نہ تھے۔ آپؑ کی روحانی سلطنت کی خصوصیات محمد ﷺ کی دنیاوی سلطنت سے بالکل مختلف تھی اور کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کو دی جانے والی ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری بد عنوان چرچ کو راہ راست پر لانا تھا۔ مسلمانوں کو عیسیٰؑ کے سچے پیروکاروں سے کبھی اختلاف نہ تھا اور اگر قرآن کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے درمیان ایک رشتہ ہے۔

لیکن پہلے اس بات کو سمجھنا لازم ہے کہ قرآن کی تعلیمات عیسیٰؑ کی تعلیمات سے اس طرح مختلف ہیں کہ وہ دنیاوی زندگی کے اصولوں پر زور دیتی ہیں جبکہ عیسیٰؑ کی تعلیمات آسمان اور روحانیت پر مبنی ہیں۔ اس بات کا قرآن کی اخروی زند گی کے بارے میں تعلیمات کو پڑھ کر اندازہ ہو جاتا ہے مثلاً جنت کے باغوں کو دنیاوی تصویر میں رنگا گیا ہے:

(18:30:31) اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے تو ہم نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کے لیے ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں ان کے (محلوں کے) نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ان کو وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائے گے۔ اور وہ باریک اور سبز اطلس کے کپڑے پہنا کریں گے اور تختوں پر تکیئے لگا کر بیٹھا کریں گے۔ (کیا) خوب بدلہ اور (کیا) خوب آرام گاہ ہے۔

"وہ جو سیدھے راستے پر چلے اور اس پر یقین رکھا" کے متعلق تعلیمات حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات سے مطابقت رکھتی ہیں۔اور اسی طرح نیک کام سے متعلق تعلیمات بھی۔ حتیٰ کے کسی کو ٹھنڈا پانی پلانا بھی ضائع نہیں جائے گا۔جو کسی پیغمبر کو خوش آمدید کہے کیونکہ وہ پیغمبر ہے اس کا انعام پائے گا۔اور جو کسی نیکوکار کو خوش آمدید کرے کیونکہ وہ نیک ہے اس کا انعام پائے گا۔اور جو میرے پیروکاروں کو ایک گھونٹ پانی بھی پلائے گا کیونکہ وہ میرے پیروکار ہیں، میں سچ کہتا ہوں اس کو انعام ضرور ملے گا۔(میتھیو10:41:42)

لیکن جنت کی تصویر کو دنیاوی رنگ دیا گیا ہے۔ایک روحانی شخص سونے کے کنگنوں اور اطلس کے کپڑوں میں دلچسپی نہیں رکھے گا اور وہ جس کے پاس اس دنیا میں یہ چیزیں ہیں ایسے لوگوں کے لیے اس جنت میں دلچسپی نہ ہو گی۔ لیکن یقیناً یہ صرف جنت کی تصویر کشی کی کوشش کرتا ہے۔ جنت کی تصویر کشی یقیناً مشکل ہے اور اس کو نہ سمجھنا عین ممکن ہے یقیناً ایسے مسلمان اور عیسائی موجود ہیں جو جنت کی اس تصویر کشی کو بے رنگ پاتے ہیں جنت کی ایک تصویر کشی دکھ کا باعث بھی ہو سکتی ہے۔

بے شک اللہ سے ڈرنے والے امن چین کی جگہ میں ہوں گے۔ باغوں اور چشموں میں۔ باریک اور دبیز ریشم کے لباس پہنے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ یہ اسی طرح ہے اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ان کا نکاح کر دیں گے۔دل جمعی کے ساتھ وہاں ہر طرح کے میوؤں کی فرمائش کرتے ہوں گے۔(44:51-55)

یہاں بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے نکاح شادی شدہ عورتوں کے لیے دکھ کا باعث ہو سکتا ہے۔کوئی شادی شدہ عورت اپنے شوہر کا خوبصورت عورت سے نکاح کو پسند نہیں کرے گی۔

اور عام طور پر عورتوں کے لیے جنت میں ان خوبصورت عورتوں کی موجودگی بمشکل کوئی اہمیت رکھتی ہے۔ اسلام کے مخالفین کثرت سے ان آیات کا حوالہ دیتے ہیں۔

لیکن اس تمام تصویر کشی کو دنیاوی معنوں میں لینا قرآن کی تعلیمات سے اختلاف ہوگا۔ قرآن کی زبان دنیاوی ہو سکتی ہے مگر تعلیمات یا روح نہیں۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

(3:185)"ہر نفس کو موت کا مزا چکھنا ہے اور تم کو قیامت کے دن تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ تو جو شخص آتش جہنم سے دور رکھا گیا اور بہشت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچ گیا اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے۔"

آخری فقرے کو پکتھل نے ایسے ترجمہ کیا ہے۔

"اس دنیا کی زندگی دھوکہ ہے" اور شاکر نے "اس دنیا کی زندگی صرف خودرہنمائی کی کوشش ہے"

چنانچہ لغت قرآن دنیاوی ہو سکتی ہے مگر قرآن تعلیمات کا مقصد دنیاوی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنی تعلیمات اور عیسیٰؑ کی تعلیمات میں مشابہت ہے۔

علی بھی قرآنی تعلیمات کے دنیاوی زبان میں ہونے سے متفق ہیں۔ مندرجہ بالا آیت کے متعلق وہ فرماتے ہیں

"جنت ہماری موجودہ حالت میں راحت وسکون کی چیزوں سے تصویر کشی کی گئی ہے"(نوٹ 2373)

لیکن حوروں کے متعلق انہوں نے کوئی تشریح پیش نہیں کی ہے صرف اتنا کہا ہے کہ حوروں سے مراد پاکیزگی، خو بصورتی اور سچ ہے۔

لیکن یہ تشریح جنت میں ان کی موجودگی کا جواز پیش نہیں کرتی اور نیکوکاروں سے ان کی محبت خاص طور پر جب جنت میں نیک بیویاں بھی ہوں گی(36:15)

اور دوسری عورتیں بھی(علی کا نوٹ نمبر4728آیت نمبر44:54پر)حوروں کا ذکر آیت نمبر52:20؛55:72 اور56:22میں بھی آیا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک تسلی بخش وضاحت موجود نہیں ہے مگر ہمیں یہ خیال رکھنا ہے، جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے، دنیا وی لغت کا مقصد روحانی تعلیمات دینا ہے اگرچہ وہ روحانی مطلب فی الحال ناگوار ہی کیوں نہ گزرے۔[30]

---

[30]حوروں کے بارے میں سوالات کے ایسے فحش جوابات(جس میں آیت نمبر36:55کی تشریح شامل ہے کہ ہر مرد کو سو مردوں کے برابر قوت دی جائے گی اور وہ جتنی کنواری حوروں سے چاہے گا صحبت کر سکے گا)

جیسا کہ اسلامی سوالات کے جوابات(A.COM9WWW.ISLAM-)سوال نمبر10053میں دیے گئے ہیں بہت سے لوگوں کے لیے ناگواری کا سبب ہوں گے۔بے شک جنت کی تصویر کشی اسی دنیا میں کی گئی ہے لیکن ایسے جوابات یقیناً اسلام کی خدمت نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ وہ لوگ جو کہ اعتدال پسند ہیں ان کو بھی یہ کہنا پڑتا ہے"شاید اسلامی جنت عیسائیت میں جنت میں سب سے بڑا فرق جنسی تعلقات سے متعلق ہے۔مردوں کے پاس دنیا کی بیویاں بھی ہوں گی اور کئی حوریں بھی۔ لیکن عیسائیت کی جنت میں جنسی تعلقات کا ذکر نہیں ہے۔عیسیٰؑ نے فرمایا"جو جنت حا صل کرتے ہیں وہ نہ نکاح کرتے ہیں اور نہ نکاح میں دیے جاتے ہیں۔"(مارک12:25، میتھیو22:30، لوقا20:35)

اگر ہم قرآن کی تصویر کشی کو روحانی اور علامتی اصلاحات میں ہونے سے انکار کر دیں تو ہمیں اوپر واضح کی گئی صورت حال سے بچنا ناممکن ہو گا۔ لیکن یہ اس پہلو کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے کہ جنت کی تصویر کشی علامتی طور پر ہی کی جاسکتی ہے جنت کے بارے میں قرآنی زبان کی لغوی معنوں میں تشریح نازیبہ نتائج کا باعث ہے۔ جو جنت کی چیزوں کو دنیاوی چیزوں سے بہتر نہیں بیان کرتا۔ یہی غلطی یونانیوں نے اپنے خداؤں کے بارے میں کی۔ ان کے خدا دنیاوی بہادر لوگوں کی تشریح کے علاوہ کچھ نہ تھے قرآن کی اسی طریقے پر تشریح مناسب نہیں خاص طور پر جب جنت کی چیزوں کی بات ہو رہی ہو۔

33:7 اور جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ ﷺ سے اور نوحؑ سے اور ابراہیم سے اور موسیٰؑ اور مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ سے۔ ہم نے ان سے پکا عہد لیا۔

جب ہم یہاں تذکرہ کیے گئے پیغمبروں کا جائزہ لیتے ہیں تو آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ان سب کو ایک خاص وجہ کے تحت بیان کیا گیا ہے یہ تمام انبیاء بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ ان انبیاء نے نئے انسانی یا روحانی ادوار کی بنیاد رکھی۔ اللہ نے صرف ان انبیاء سے عہد لیا۔ اللہ نے جو کام ان کے ذمہ لگایا اس نے دنیا کی تاریخ کو بدل دیا اور کیونکہ یہ اللہ کے وفادار پیغمبر تھے جن سے اللہ نے اپنی اطاعت کا پختہ عہد لیا تھا، ان کے ادوار ایک دوسرے کی تکمیل کرتے تھے۔

اس کے علاوہ قرآن میں کسی نبی کا دور کسی اور دور سے بہتر ہونے کا ذکر نہیں ہے۔

اس کے خلاف قرآن اس بات کو واضح کرتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، موسیٰ اور عیسیٰؑ کے تعلیمات کا صرف ایک مقصد تھا۔

2:136 اے مسلمانوں ! تم سب کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اس چیز پر بھی جو ہماری طرف اتاری گئی اور جو چیز ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر اتاری گئی اور جو کچھ اللہ کی جانب سے موسیٰ اور عیسیٰؑ اور دوسرے انبیاء دیئے گئے۔ ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے ہم اللہ کے فرمابردار ہیں۔

اس کی تشریح میں یوسف علی نے فرمایا:

" یہاں اسلام کے مختلف عقائد بیان کئے جا سکتے ہیں۔ ایک خدا، محمد ﷺ کے ذریعے تعلیمات کی ذاتی ذمہ داری کے لحاظ سے تشریح۔

پہلے انبیاء کی تعلیمات میں کوئی فرق نہیں۔ ان کا پیغام ایک تھا اور یہی اسلام کی بنیاد ہے۔

بے شک قرآن آپ ﷺ کو " خاتم النبیین " بیان کرتا ہے۔

33:40 محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا بخوبی جاننے والا ہے۔

علی اس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں:

جب ایک دستاویز اختتام کے بعد سیل کر دی جاتی ہے، یہ مکمل ہو جاتی ہے اور اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ کی تعلیمات ہمیشہ جاری رہنے والی ہیں مگر آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ بعد کے ادوار کو مفکر اور اصلاح کاروں کی ضرورت ہے، پیغمبروں کی نہیں۔ یہ صوبیداری کا معاملہ نہیں ہے۔ یہ حکمت سے بھرا فرمان ہے اور اللہ کو تمام حکمت ہے۔ (نوٹ 3731)

یہ صحیح ہے کہ مہر کا مقصد دستاویز کو مکمل کرنا ہے لیکن یہ اس کا کامل یا سب سے اہم مقصد نہیں ہے۔ مہر کا مقصد کسی دستا ویز کی اصلیت کا اظہار کرنا ہے اور یہ ثابت کرنا ہے کی یہ دستاویز اصل مالک کی طرف سے ہے۔

آپ ﷺ کے نام سے پہلے دوسرے انبیاء کے نام کو بیان کرنا ان انبیاء کے سچا ہونے کا ثبوت ہے۔ مزید یہ کہ مہر دستاویز سے کم اہمیت کی حامل نہیں ہوتی اور دستاویز کا اہم حصہ بن جاتی ہے۔ چناچہ آپ ﷺ نے کبھی کسی دوسرے نبی سے افضل ہونے کا اعلان نہین کیا۔ اس کے بر خلاف، عیسیٰؑ کو آپ ﷺ نے کرشماتی معجزے انجام دینے والا بتلایا اور آپ ﷺ نے کبھی ان معجزات سے کشید گی یا عیسیٰؑ سے بلند مرتبہ ہونے کا اشارہ نہ دیا۔ آپ ﷺ کے بعض پیروکاروں کی خواہش کے بر خلاف آپ ﷺ نے کبھی خدا کے پیغام "عیسیٰؑ اس دنیا اور آخرت میں اللہ کے نزدیک ہیں"۔ (3:45) کو مسخ کرنے کی کوشش نہ کی۔

یہ آپ ﷺ کے سچا ہونے کا ثبوت ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اللہ کے پیغام کو اس کے منشاء کے مطابق آگے پہنچایا دیا۔

چناچہ یہ اللہ کے پیغام (33:7) کا انکار کرنا ہے جب کوئی انبیاء کو فریق تصور کرتا ہے۔ کہ سب انبیاء کا مقصد اللہ کے احکامات کو لوگوں تک پہنچانا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ اور محمد ﷺ کو ایک دوسرے کا فریق بنانے کی کوشش اللہ پر حملہ ہے۔ کیونکہ ان انبیاء کو اللہ نے بھیجا تھا۔ یہ اللہ کے پیغمبر تھے اور ہر نبی کا ایک خاص مقصد تھا اور جو یا تو اس کے انبیاء کا انکار کر کے یا ان کے تذہیک کر کے اللہ کے پیغام سے منہ موڑتے ہیں وہ اس کے شدید عذاب کا سامنا کریں گے جیسا کہ اگلی آیت میں بیان ہے

33:8تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں سے ان کی سچائی کے بارے میں دریافت کرے اور کافروں کے لیے ہم نے المناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

یوسف علی لکھتے ہیں:-

جن لوگوں کو اللہ نے سچ سے نوازا اور ان کو اپنا پیغام پہنچانے کا فرض عطا کیا، ان سے قیامت کے دن سوال کیا جائے گا کہ وہ کیسے پہنچایا گیا، کس نے اسے قبول کیا اور کس نے مدد کی۔ تمام ذمہ داروں کی طرح ان کو عطا کیے گئے سچ کا جواب دینا پڑے گا۔ خدا کو ہر چیز معلوم ہے اور یہ پوچھ گچھ اس کی معلومات میں اضافے کے لیے نہیں ہے۔ لیکن یہ سوالات گواہی کے طور پر کئے جائیں گے تاکہ جنھوں نے سچ کو جھٹلایا ان کی پکڑ کی جاسکے۔ پیغمبر اللہ کے سچ کے محافظ ہیں مگر تمام لوگوں سے ان کی حیثیت کے مطابق سوال کیا جائے گا۔(نوٹ3618)

اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام پیغمبر قیامت کے دن بطور گواہ پیش ہوں گے اور ماننے یا نہ ماننے والوں کے خلاف گواہی دیں گے چنانچہ ہر شخص سے اللہ کے پیغام کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

سورہ 42 میں ذکر عیسیٰؑ

42:13 اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کے قائم کرنے کا اس نے نوحؑ کو حکم دیا تھا۔ اور جو بذریعہ وحی ہم نے تیری طرف بھیج دی ہے۔ اور جس کی تاکید کرنے کا حکم ہم نے ابراہیم، اور موسیٰ اور عیسیٰؑ کو دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا، جس چیز کی طرف آپ انہیں بلا رہے ہیں وہ تو مشرکین پر گراں گزرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنا برگزیدہ بناتا ہے اور جو بھی اس کی طرف رجوع کرے وہ اس کی صحیح رہنمائی کرتا ہے۔

حیران کن طور چیز پچھلی سورۃ (33:7) میں بیان پیغام (42:13) حضرت عیسیٰؑ کے حوالہ کے ساتھ دوبارہ اس سورۃ میں نظر آتا ہے۔

اللہ کے احکامات کی بنیاد ایک ہے۔ چاہے وہ نوحؑ کو دیئے گئے ہوں یا ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰؑ اور محمد ﷺ کو۔ اللہ کی تعلیمات سب کے لیے یکساں ہیں۔ (یوسف علی نوٹ 4541)

لیکن مسئلہ یہ ہے کہ کسی غیر مسلم کے علی کی تشریح پڑھنے پر یہ خیال ذہن میں آسکتا ہے۔ کہ اگر اللہ کی تعلیمات اور احکامات سب کے لیے یکساں ہیں تو آپ ﷺ کے لیے "ہمارے نبی" اور باقی تمام انبیاء کو ان کے عام ناموں سے مخاطب کیا گیا ہے۔ یہ آپ ﷺ کی طرف انسیت کا اظہار معلوم ہوتا ہے۔ یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ تعصب پر، جو ہمارے اتحاد کو تباہ کرتا ہے اور ہمارے درمیان خلیج پیدا کرتا ہے قابو پانا کتنا مشکل ہے۔

صفحہ نمبر158

یوسف علی مزید فرماتے ہیں۔

ایمان، فرائض اور مذہب کے بارے میں لڑائیاں نہیں ہونی چاہیے۔ فرقہ واریت، مذہب اور اتحاد کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے۔ ہمیں ایمان اور مذہب میں ثابت قدمی اور انسانیت میں اتحاد کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔

آپ مزید فرماتے ہیں۔

اتحاد اور اللہ اور اس کی مخلوق سے بے لوث محبت، خود نمائی، دوسروں کے حقوق صلب کرنے، جھوٹے خداؤں کی پیروی اور اپنے بھائیوں سے برے سلوک کے مخالف ہے۔

چناچہ اتحاد کے بارے میں انجیل کی تعلیمات اپنی سچائی اور اصل حالت میں خود نمائی اور جھوٹ سے محبت رکھنے والے لوگوں کے ناگوار ہے۔

لیکن سچائی سب کے لیے ہے اور اپنی دانا تدبیر کے مطابق اللہ دانا لوگوں کا اپنا پیغام انسانیت کو پہنچانے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اور ہر وہ شخص جو خدا کی طرف رجوع کرے رہنمائی پائے گا۔ (نوٹ 4543)

علی مندرجہ ذیل آیت کی بھی تشریح کرتے ہیں۔

42:15 پس آپ لوگوں کو اسی طرف بلاتے رہیں اور جو کچھ آپ سے کہا گیا ہے اس پر مضبوطی سے جم جائیں اور ان کی خواہشوں پر نہ چلیں اور کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میرا ان پر ایمان ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تم میں انصاف کرتا رہوں۔

ان آیات میں اسلام کے مقصد کو کتنی خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے۔1۔دنیا میں فرقہ پرستی اور جھگڑے انجیل کے اتحاد کے متعلق پیغامات کی ضرورت محسوس کرواتے ہیں۔2۔اس کو ثابت قدمی سے اپنے مقصد پر جمے رہنا چاہیے۔3۔اس کو سیاسی یا دنیاوی مقاصد کی وجہ سے اپنے مقصد سے منحرف نہیں ہونا چاہیے۔4۔اس کا یقین اللہ اور اس کتابوں میں ہونا چاہیے۔"کتاب" سے مراد تمام کتابیں جو انبیاء کو عطا کی گئی ہیں۔5۔اس کو جھگڑوں میں صلح صفائی کروانی چاہیے کیونکہ یہ اتحاد اور امن کا مذہب ہے۔

42:15اور تم سب کا پروردگار اللہ ہی ہے ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے، ہم تم میں کوئی اختلاف نہیں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی طرف لوٹنا ہے۔

اسلام کے مقصد کو مزید بیان کیا گیا ہے۔6۔خدا کسی خاص شخص کے لیے نہیں ہے۔وہ تمام جہانوں کا مالک ہے اور ہر شخص کا خدا ہے چاہے اس شخص کا کوئی بھی عقیدہ ہو۔7۔ہمارا مذہب زبانی نہیں ہے۔یہ ہمارے اعمال کا نام ہے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا جواب دینا پڑے گا۔8۔اتحاد، امن اور مذہب کی تلقین کسی تنازعہ کا باعث نہیں ہے۔9۔اگر آپ کو کوئی گمان ہو تو اللہ فیصلہ کرنے والا ہے اور اس کی رضا ہمارا مقصد ہے۔

آج دنیا کی آبادی کا زیادہ حصہ آپ ﷺ یا عیسیٰؑ کی پیروی کا دعوی کرتا ہے۔وہ ابراہیم کے روحانی پیروکار ہیں اور ان کے لیے "اللہ تمہارا اور میرا مالک ہے" اگر ہم اپنی زندگی ایسے گزاریں جس سے پتہ لگے کہ اللہ ہمارا مالک ہے اور ہمارے اعمال ہمارے عقیدے کو ظاہر کریں تو ان دو عظیم پیغمبروں کے پیروکاروں میں کوئی چپقلش نہ ہو گی۔

جیسا کہ ہم نے آیت 42:13 میں دیکھا کہ چار اہم پیغمبروں میں کوئی چپقلش نہ تھی کیونکہ ان کے ادوار اور تعلیمات ایک دوسرے کی تکمیل کرتے تھے۔ جب ہم اللہ کو یقینی معنوں میں اپنا خدا تسلیم کریں گے تو اللہ ہمیں ایک دوسرے کی قریب لے آئے گا اور یہ قربت ہماری دولت میں اضافے اور بے قربتی، غریبی میں اضافے کا باعث نہ ہو گی۔ بلکہ یہ تو اللہ کی منشاء ہے۔

عیسیٰؑ کا سورۃ 43 میں ذکر

بد قسمتی سے پچھلی سورہ میں اسلام کو محبت اور امن کا مذہب بتانے کے باوجود (یوسف علی کا آیت 42:15 پر نوٹ نمبر 4547 ملاحظہ کیجئے) وہ فوراً اس متضاد رویے کا مظاہرہ کرتے ہے جو غیر ذمہ دارنہ طور پر محبت اور امن کے مخالف ہے۔ اور ہم دیکھیں گے کہ ان کی تشریح قرآن کے ساتھ انصاف نہیں کرتی۔ وہ دوران تشریح ان متنازعہ موضوعات کو بحث میں شامل کرتے ہیں جو خود متن کا حصہ نہیں۔ متنازعہ بحث امن کا راستہ نہیں۔

کیا ہمیں متن کو خود اس کی تشریح کرنے کی اجازت نہیں دینی چاہیے بجائے اس کے کہ ہم خود اس کی تشریح کریں۔ کیا ہمیں االلہ کی تعلیمات کی اس گستاخانہ انداز میں تشریح کرنی چاہیے؟ ہمیں اللہ کی تعلیمات کو کھلے اور سچے دل سے پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ ہم جان سکیں اللہ ہم سے کیا چاہتا ہے۔

43:57 اور جب ابن مریم[31] کی مثال بیان کی گئی تو اس سے تیری قوم (خوشی سے) چیخنے لگے!

یہ آیت پچھلی سورۃ (43:46-56) سے براہ راست جڑی ہے جو موسیٰؑ سے متعلق ہے جہاں اللہ نے فرعون کی انا اور بغاوت سے نمٹنے میں آپؑ کی مدد کی۔

---

[31] "ابن مریم" عرب میں رواج ہے کہ کسی کا ذاتی نام استعمال کیے بغیر اس کے باپ کے نام کے ساتھ "کا بیٹا" استعمال کیا جاتا ہے۔ کیونکہ عیسیٰؑ کی پیدائش میں کوئی مرد ملوث نہیں تھا چناچہ آپؑ کو مریم کا بیٹا کہا جاتا ہے۔

فرعون نے موسیٰ، جو کہ اللہ کے نبی تھے، کے ساتھ نفرت اور مذاقیہ رویے کا مظاہرہ کیا۔ چناچہ اللہ نے فرعون اور اس کے سپاہیوں کو تباہ کر دیا اور ان کو آئندہ نسلوں کے لیے نشان عبرت بنادیا۔ قابل غور نقاط یہ ہیں۔ 1۔ اللہ ایک پیغمبر کو لوگوں میں اپنا پیغام دے کر بھیجتا ہے۔ 2۔ پیغمبر کو جھٹلایا جاتا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ 3۔ اس قصے کو نافرمانوں، جو اللہ کے نبیوں کو جھٹلاتے ہیں، مثال بنادیا گیا۔

مطالعہ کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ لفظ "مثال" ان چار آیات (43:56-59) میں چار بار آیا ہے۔ یہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ "مثال" کا بار بار آنا اس کی وضاحت کے لیے ہے۔ لیکن یوسف علی، حضرت عیسیٰؑ کی طرف معتصبانہ موقف کے باعث، متن کی وضاحت میں ناکام رہتے ہیں اور غیر ارادی طور پر ایسی تشریح کر رہے ہیں جو خود متضاد ہے۔

چناچہ آیت 43:59 "بنی اسرائیل کے لیے نشان قدرت بنایا" کی تشریح میں متن کا لحاظ کیے بغیر یوسف علی کہتے ہیں۔

"یہ عیسیٰؑ کے محدود مقصد کی طرف اشارہ ہے۔ جن کی یہودیوں کے لیے انجیل ایک بے یقین ٹکڑے کی صورت میں بچی۔"

لیکن صرف دو آیات پہلے 43:57 میں عیسیٰؑ کو "تم لوگوں" کی طرف نشان بتلایا گیا ہے۔ اور یوسف علی نے زیریں حاشیہ تسلیم کیا ہے یہ الفاظ بت پرست عربوں کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ چناچہ عیسیٰؑ یہودیوں کے لیے مثال تو تھے لیکن وہ ان تک محدود نہیں تھے۔ انگریزی میں عیسیٰؑ کے لیے لفظ PROPHET کا p چھوٹا ہے جبکہ

آپ ﷺ کے لیے P بڑا ہے۔ یہ اہم پیغمبروں کے درمیان کیسی مساوات ہے؟ لگتا ہے جس محبت اور اتحاد کا وہ ذکر کرتے ہیں وہ مساوی نہیں۔

48:58اور انہوں نے کہا کہ ہمارے معبود اچھے ہیں یا وہ؟ تجھ سے ان کا کہنا محض جھگڑے کی غرض سے ہے، بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔

حضرت عیسیٰؑ کے مقابلے میں تمام خداؤں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اگر وہ عیسیٰؑ کی پیروی کرنا چاہتے ہیں تو ان کو تمام خداؤں کو چھوڑنا ہوگا۔ یوسف علی (نوٹ 4659) فرض کرتے ہیں کہ لوگوں نے سوچا، یا ان کو یہ سوچنے پر مجبور کیا گیا کہ عیسیٰؑ خدا ہیں جن پر یقین کرنا اور تمام خداؤں کو چھوڑنا ضروری ہے۔ وہ ایسا اس لیے سوچتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں یہ عیسائی تعلیمات کا لوگوں کی طرف سے رد عمل تھا۔ اسی وجہ سے وہ چرچ جن کو وہ "ثقلیت کا عقیدہ رکھنے والے چرچ" کہتے ہیں پر ایک اور حملہ کرتے ہیں۔

لیکن دوبارہ یوسف علی ایسی تشریح کر رہے ہیں جو متن میں موجود نہیں۔

کیونکہ یہ واضح ہے کہ اگر لوگوں نے عیسیٰؑ کو اس لیے ٹھکرایا کیونکہ وہ ان کے سامنے خدا کے طور پر پیش کیے گئے تھے تو وہ لوگ صحیح تھے؟ اگر ایسا ہے تو آپ ﷺ (اور اللہ نے آپ ﷺ کے ذریعے) ان لوگوں کے تعلیمات کو ٹھکرانے کے بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار کیوں کیا ہے؟ ایک بار پھر یوسف علی ایسی تشریح کر رہے ہیں جو متن میں موجود نہیں۔ یہ واضح ہونا چاہیے کہ عیسیٰؑ کو ان لوگوں کے لیے خدا کے طور پر پیش نہیں کیا گیا تھا بلکہ ان کو سچا پیغام دیا گیا۔ یہ ان کی اللہ کی حضرت عیسیٰؑ کے ذریعے پیش کی گئی نشانی مثلاً حضرت عیسیٰؑ کا اللہ کی طرف سے عطا کی گئی طاقت کی وجہ سے تندرستی دینا، مردوں کو زندہ کرنا اور حتیٰ کہ مٹی کے پرندوں کو جان دینے، کو جھٹلانا ہے جس کی سرزنش کی گئی ہے۔ جیسا اللہ نے موسیٰ کے ذریعے معجزے کر دکھائے اور ان کو آنے والی نسلوں کے لیے نشانی بنا دیا۔

43:59عیسیٰؑ بھی صرف بندہ ہی ہے جس پر ہم نے احسان کیا اور سے بنی اسرائیل کے لیے نشان قدرت بنایا۔

صفحہ نمبر164

"عیسیٰؑ بھی صرف بندہ ہی ہے" یہ عیسیٰ کی اپنے زمانے کی تفہیم کو ظاہر کرتی ہے۔ انہوں نے مختصراً بیان کیا "ابن آدم خدمت کرنے کے لیے آئے، نہ کہ کروانے کے لیے اور اپنی جان کو باقیوں کے لیے بطور تاوان دینے کے لیے"

(میتھیو20:28، مارک10:45)

وہ اپنے آپ کو بطور رواج ابن آدم کہتے تھے۔ یہ انسان کے لیے ارمانی اصطلاح ہے۔ اور اس کا مقصد اپنی انسانیت پر زور دینا تھا۔ وہ خدمت کرنے نہ کہ اپنی خدمت کروانے کے لیے آئے اور وہ اللہ کا بندہ ہونے سے زیادہ کچھ نہ چاہتے تھے۔ وہ اللہ کی بندگی میں "بہت سوں کے لیے اپنی جان بطور تاوان "ادا کرنے کی تفہیم رکھتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے ان کی زندگی کا مقصد لوگوں کو اللہ کی طرف لانا تھا۔ بہت سے عیسائی سمجھتے ہیں" جان دینے "کا مطلب مرنا ہے اور اپنی جان دے کر وہ لوگوں کے لیے تاوان ادا کر سکتے ہیں۔ لفظوں کا یہ معنی ممکن ہو سکتا ہے لیکن ان کی پیغمبری اور زندگی کے بغیر صرف موت تک معنی محدود کرنا یقیناً غلط ہے۔ لیکن ان کی موت کس طرح لوگوں کو اللہ کی طرف لا سکتی ہے؟ اس سوال کا جواب دینے کے لیے عیسائی عبرانیوں کو لکھے گئے خط کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ خط حضرت عیسیٰؑ کی موت کو تورات میں بیان کیے گئے پرانی قربانی کے نظام کے تناظر میں بیان کرتا ہے۔ اس قربانی کا مقصد گناہوں کا فدیہ دینا تھا۔ عیسیٰؑ نے نہیں واضح کیا کہ کیا ان کا مطلب یہی تھا۔ لیکن کیونکہ وہ یہودیوں سے مخاطب تھے۔ گمان یہی ہے کہ سامعین نے یہی مطلب اخذ کیا ہو گا۔

یہ بات دلچسپی کا باعث ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی موت کو قربانی ماننا ابتدائی عیسائی عقیدے کی ضرورت نہیں تھی۔ ابتدائی عیسائی پادریوں نے زیادہ زور ان قیاس آرائیوں پر دیا ہے کہ کیسے عیسیٰؑ خدا اور بندے دونوں ہو سکتے ہیں۔ کیا ان کی ایک کی بجائے دو شخصیات تھی اور کیا وہ دو شخصیات ہونے کے باوجود ایک فرد کے طور پر اپنے فرائض انجام دے سکتے

تھے۔ عہد نامہ جدید: انجیل مقدس میں آپکی زندگی اور موت کی بطورَ "لوگوں کو اللہ تعالٰی کی طرف بلانے والی" اہمیت بیان کی گئی ہے۔

اس بات کی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ کیسے یہ تاوان ادا کر کے لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ ضرور کہا گیا ہے کہ اس شخص کا عیسیٰؑ کے ساتھ عقیدت مندی اور جڑا ہونا ضروری ہے۔

43:60 اگر ہم چاہتے تو تمہارے عوض فرشتے کر دیتے جو زمین میں جانشینی کرتے۔

حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کو اس آیت کے تناظر میں دیکھنا درست نہیں۔ اس آیت کا مطالعہ کرنے سے یا اس سورۃ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا عیسیٰؑ کی پیدائش سے کوئی تعلق نہیں۔ ایک بار پھر یوسف علی حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کو بیچ میں لے آتے ہیں۔

"اگر کہا جائے کہ عیسیٰؑ کنواری پیدائش کی وجہ سے دوسرے انبیاء سے افضل ہیں تو فرشتے جو کہ بغیر ماں اور باپ کے پیدا کیے گئے سب سے افضل ہوں گے۔ خاص طور پر جب فرشتے کھاتے یا پیتے بھی نہیں اور ان پر مادی قوانین بھی لاگو نہیں ہوتے۔ لیکن فرشتے ان سے افضل نہیں۔ (یوسف علی، نوٹ 4661)

اور فرشتے افضل کیوں نہیں ہیں؟ یوسف علی نے اس بات کا جواب نہیں دیا۔ اگر وہ اس بات کا جواب دینے کی کوشش کرتے تو وہ اس ناقص منطق کو سمجھ لیتے۔

کیا ہمارا مقصد عیسیٰؑ کی شان کو کم کرنے کی کوشش کرنا ہے؟ اگر نہیں تو ہم ایسا رویہ ان کے ساتھ جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا "ہم نے ان پر احسان کیا" کیسے رکھ سکتے ہیں۔ کیا اللہ کے عیسیٰؑ کے لیے یہ الفاظ ہمارے لیے کوئی معنی نہیں رکھتے؟ کیا ہم کنواری پیدائش کا معجزہ جو اللہ کی طرف سے تھا کو جھٹلانے کی ہمت کر سکتے ہیں؟ کیا علی کسی اور کی ایسی پیدائش کے بارے میں جانتے ہیں؟ اگر نہیں تو کیا یہ واضح نہیں ہے کہ عیسیٰؑ کی پیدائش نہایت منفرد ہے؟

اور کیا کوئی اس بات سے انکار کر سکتا ہے کہ یہ اللہ کی منشاء تھی؟ کیا اس انوکھے واقعے کو فرشتوں کی تخلیق سے موازنہ کرنا مضحکہ خیز نہیں؟ کیا اللہ نے ہزاروں فرشتے پیدا نہ کیے؟ ایک کنواری ماں سے پیدائش کے منفرد واقعے کو ہزاروں فرشتوں کی تخلیق سے کیسے موازنہ کیا جا سکتا ہے؟ ہمارے لیے اس بات کو قبول کرنا اتنا مشکل کیوں ہے کہ صرف عیسیٰؑ کی پیدائش انسانی تاریخ میں ایسی پیدائش ہے جو کنواری ماں سے ہوئی۔ ہم جانتے ہیں کہ اللہ نے سد ہزار فرشتے پیدا کیے تو فرشتوں کی پیدائش کو منفرد کیسے کہا جا سکتا ہے؟ قرآن کہتا ہے اللہ نے انسانوں کو مرد اور عورتوں کے جوڑوں میں پیدا کیا۔ یہ اللہ کی طرف سے مقرر کیا گیا تخلیق کا نظام ہے۔ لیکن اللہ نے (کسی خاص مقصد کے تحت جس کا علم صرف اللہ کو ہے یا وہ جس پر اشکار کرے) حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش عام مقرر طریقے سے ہٹ کر کی۔ سو عیسیٰؑ دنیا میں ایسے منفرد طریقے سے آئے جو کہ اللہ کی قدرت کے سبب ہی ممکن تھا۔

آدمؑ اور حواؑ کے کوئی باپ یا ماں نہ تھے۔ لیکن ایسا کائنات میں ہر اس چیز کے لیے درست ہے جو بنائی گئی ہو نہ کہ پیدا کی گئی ہو۔ کہ آدم اور حوا ایسے ہی بنائے گئے جسے تمام ستارے یا پھر فرشتے۔ کیا یہ نقطہ حضرت عیسیٰؑ کی کنواری ماں سے پیدائش کو مزید منفرد نہیں بنا دیتا؟

کیا ہماری تعصبیت نے ہمیں اتنا اندھا کر دیا ہے کہ ہم اللہ کی شان کو تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ ایسا منفرد کام اللہ کے سوا اور کون کر سکتا ہے؟ اپنی ضد کے باعث ہم یہ سوچنا پسند نہیں کرتے کہ اللہ نے یہ معجزہ کیونکر انجام دیا؟ اللہ کے معجزے سے انکاری ہو کر ہم "کیوں" کے جواب سے بچنا چاہتے ہیں۔ سچے مسلمان تو سچ سے محبت کرتے ہیں اور سچ کے

محافظ ہوتے ہیں۔ تو ہمیں عیسیٰؑ کی شان میں کمی کرنے کی کوشش کرنے والے کی دلائل کیوں سننے پڑتے ہیں۔ اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔(43:61)

"اور یقیناً عیسیٰؑ قیامت کی علامت ہے" کیونکہ اس سے اختلاف آگے بیان کیے گئے الفاظ "اللہ سے ڈرو اور میری تابعداری کرو" پر توجہ نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کی انفرادیت اس حدیث سے بھی واضح ہوتی ہے۔ "ابو ہریرہؓ" نے بیان کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا "شیطان ہر انسان کی پیدائش کے وقت اپنی انگلی سے اس کے پہلو میں کچوکے لگاتا ہے سوائے عیسیٰؑ بن مریم علیہ السلام کے جب انہیں وہ کچوکے لگانے گیا تو پردے پر لگا آیا تھا۔ صحیح مسلم میں بھی بیان ہے (نمبر 58:37)

"ابو ہریرہؓ نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا" کوئی بچہ ایسا پیدا نہیں ہوتا جس کو شیطان کچوکے نہ لگائے اور وہ شیطان کے کچوکے لگانے کی وجہ سے رونا شروع کر دیتا ہے۔ سوائے ابن مریمؑ اور ان کی ماں کے۔ "ابو ہریرہؓ نے مزید کہا آپ چاہیں تو یہ دعا پڑھ سکتے ہیں" میں تیری پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے اس ماں اور اس کے بچے کے لیے" یہ حدیث حضرت زاہروی سے بھی منقول ہے"

"نوزائیدہ بچے کو شیطان چھوتا ہے اور وہ شیطان کے چھونے کی وجہ سے رونا شروع کر دیتا ہے"

(حدیث نمبر 5838) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا" شیطان ہر انسان کو اس دن جب اس کی ماں پیدائش دیتی ہے چھوتا ہے سوائے عیسیٰؑ ابن مریم کے"

آئیں قرآن کی آیت نمبر (43:60) کی طرف چلیں جسکا ہم تذکرہ کر رہے تھے۔اس آیت میں فرشتوں کی طرف اشارے کی تشریح مشکل نہیں ہونی چاہیے۔جیسا کہ ہم کہہ چکے،ان کا حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے کوئی تعلق نہیں۔ اس تمام حصے کا تعلق حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کے لیے مقصد سے ہے۔اللہ پیغمبروں کی بجائے فرشتوں کو جانشینی عطا کر سکتا تھا کیونکہ فرشتے بھی بطور پیغام فرائض انجام دے سکتے ہیں اور جبرائیل اس کی بہترین مثال ہیں۔

لیکن اللہ نے اپنی کامل دانائی کے باعث پیغمبروں کو چنا نہ کہ فرشتوں کو اور اس حصے میں جس چنے گئے پیغمبر کا ذکر ہے وہ عیسیٰؑ ہیں۔یہ عیسیٰؑ ہی ہیں نہ کہ کوئی فرشتہ جس کو اللہ نے بنی اسرائیل کے لیے مثال اور رحمت کا ذریعہ بنایا(43:59) اور اللہ نے عیسیٰؑ نہ کہ ایک فرشتے کو روز قیامت کی نشانی بنایا(43:61)اسی طرح یہ عیسیٰؑ تھے نہ کہ کوئی فرشتہ جس کو اللہ نے دانائی عطا کی اور نشانی بنایا(43:63) چنانچہ ہمیں ان آیات میں ذکر کی گئی انتباہ پر غور کرنا چاہیے اور اللہ کی پیروی کرنی چاہیے۔(میری پیروی کرو 43:61)اور "شیطان تمہیں روک نہ دے،یقیناً وہ تمہارا صحیح دشمن ہے"(43:62)۔اگر ہم اس آیت کا یہ معنی لیں کہ اللہ اگر چاہتا تو بندوں کو فرشتوں میں تبدیل دیتا تو بھی اس سے بحث پر کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ قابل غور نقطہ یہ ہے کہ اللہ نے فرشتوں کو نہیں چنا بلکہ نبیوں کو اپنا پیغام پہچانے کے لیے استعمال کیا۔

43:61اور یقیناً عیسیٰؑ قیامت کی علامت ہے۔پس تم (قیامت) کے بارے میں شک نہ کرو اور میری تابعداری کرو،یہی سیدھی راہ ہے۔

اس آیت سے مراد قیامت سے پہلے عیسیٰؑ کا دوبارہ زندہ ہونا ہے۔(یوسف علی،نوٹ 4662)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میری جان ہے، وہ زمانہ آنے والا ہے جب ابن مریمؑ تم میں ایک عادل اور منصف حاکم کی حیثیت سے اتریں گے۔ وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے، سوروں کو مار ڈالیں گے اور جزیہ کو ختم کر دیں گے۔ اس وقت مال کی اتنی زیادتی ہو گی کہ کوئی لینے والا نہ ہو گا"

یہاں رسول ﷺ کو قسم اٹھا کر کہتے ہوئے سنا گیا کہ عیسیٰؑ آسمانوں سے مسلمانوں کے درمیان ایک عادل منصف کی حیثیت سے اتریں گے۔ لیکن آپؑ کا مقصد صرف مسلمانوں تک محدود نہ ہو گا کہ آپؑ "صلیب کو توڑیں گے"۔ صلیب روحانیت سے عاری برے عیسائیوں کا نشان بن چکی ہے۔ اور یہ عیسائی عیسیٰؑ کے سخت فیصلوں سے بچ نہ سکیں گے اور وہ ان کو "توڑ" دیں گے۔

قابل ذکر بات ہے کہ عیسیٰؑ نے اپنی تعلیمات میں اسی چیز سے خبردار کیا(میتھیو46-25:32) کہ جو لوگ ان کی پیروی کا اقرار کرتے ہیں ان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ سچے ماننے والوں کو سفید بھیڑ کہا گیا ہے جبکہ جھوٹوں کو کالی بکریاں۔ (فلسطین میں زیادہ تر بکریاں کالی تھیں) اور انہوں نے اس مثال کا اختتام ایسے کیا" جھوٹے ہمیشہ کے لیے سزاوار ہوں گے اور سچے ہمیشہ کی زندگی پائیں گے"

"سور" بھی "صلیب" کی طرح ایک علامت ہے۔ کیونکہ سور کو بھی اللہ نے بنایا ہے اور اس کا گندہ ہونا اس کی اپنی غلطی نہیں ہے۔ چنانچہ اس کو ہمارے فائدے کے لیے ایک روحانی سبق سیکھانے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ قیامت کا مقصد سوروں کی سزا دینا نہیں بلکہ ان لوگوں کو سزا دینا ہے جن کے لیے "سور" کی اصطلاح استعمال کی گئی گے۔ یہ اصطلاح ان لوگوں کے لیے استعمال کی گئی جو اخلاقی اور روحانی طور پر گندے اور لادین ہیں۔ چنانچہ اس حدیث کی رو سے عیسیٰؑ انہیں تباہ کریں گے۔[32]

[32] ابو طالب المکی اپنی کتاب قطع القوب میں لکھتے ہیں "عیسیٰؑ دنیا سے کہیں گے "اے سور مجھ سے دور ہو جا"تارف الخالیدی نے لفظ "دنیا" کا ترجمہ روحانی طور پر گندی طرز زندگی سے کیا ہے۔

لیکن بد عنوان عیسائیوں کی صلیب تمام غیر مسلموں کی نمائندگی نہیں کرتی اور سور تمام لادینوں اور بت پرستوں کی۔ چناچہ حضرت عیسیٰؑ ان پر سے جزیہ ختم کر دیں گے۔اس حدیث کی رو سے عیسیٰؑ ایسی فراوانی لائیں گے کہ دولت کی زیادتی ہو گی اور کسی کو اپنی زندگی گزارنے کے لیے خیرات کی ضرورت نہ ہو گی۔

اس بات سے ظاہر ہے کہ عیسیٰؑ صرف مسلمانوں پر ہی نہیں بلکہ تمام دنیا پر حکمرانی کریں گے۔ یہ بات ایک اور حدیث سے بھی ثابت ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ زمانہ قریب ہے کہ کہ عیسیٰؑ ابن مریم تمہارے درمیان ایک عادل کی حیثیت سے نازل ہوں گے۔ وہ صلیب کو توڑ دیں گے، سور کو مار دیں گے اور جزیہ موقوف کر دیں گے۔اس وقت مال کی اتنی کثرت ہو گی کہ کوئی لینے والا نہ ہو گا۔اس وقت کا ایک سجدہ دنیا و مافیھا سے بہتر ہو گا[33]۔" پھر ابو ہریرہؓ نے کہا اگر تمہارا جی چاہے تو یہ آیت پڑھ لو "اور کوئی اہل کتاب ایسا نہیں ہو گا جو عیسیٰؑ کو موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لائے اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوں گے"

---

[33] ان الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ آپؑ روحانیت، بندگی، اور عبادت کو ایک حقیقت بنا دیں گے۔ مذہبی رواجات کو دل سے کی جانے والی عبادت سے بدل دیا جائے گا۔ایسی عبادت اللہ کے نزدیک دنیا اور اس میں جو کچھ ہے اس سے بہتر ہے۔

اس حدیث کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ مسلمانوں کے متعلق ہے۔ "وہ تمہارے (مسلمانوں) کے درمیان اتریں گے" دوسرا حصہ عیسائیوں اور یہودیوں کے بارے میں ہے جن کو "ان" کہہ کر حوالہ دیا گیا ہے۔ "وہ "ان" کے خلاف گواہی دیں گے" یہ بات بلکل واضح ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا ان کو اللہ کی طرف سے عطا کیے گئے صحیفوں کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ (قرآن 5:47)۔ بے شک عیسیٰؑ مسلمانوں کا قرآن کے مطابق فیصلہ کریں گے نہ کہ صحیفوں کے مطابق۔ یہی بات صحیح بخاری کی حدیث نمبر 658۔4 میں بیان کی گئی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جب ابن مریم تمہارے درمیان اتریں گے تو قرآن کے مطابق فیصلے کریں گے نہ کہ انجیل کے مطابق"۔

مسلمان پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کا پوری دنیا پر حکمرانی کیے بغیر مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں میں فیصلہ کرنا ممکن نہیں۔ تاہم ان احادیث سے یہ تاثر ملتا ہے کہ عیسیٰؑ کی حکومت کا مرکز مسلمانوں کے درمیان ہو گا اور وہ وہاں سے پوری دنیا میں حکومت کریں گے۔ ان کا مقصد تمام دنیا کو اللہ کی تابعداری میں لانا ہو گا۔

کیا یہ مقصد اب یا مستقبل میں حاصل کیا جا سکتا ہے؟ شیطان اس میں مزاحمت کرے گا جیسا کہ اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

43:62 اور شیطان تمہیں روک نہ دے، یقیناً وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

لفظ شیطان کا مطلب ہے "مخالف، دشمن یا حریف"۔ اس کو انسان کا دشمن بیان کیا ہے جس نے اللہ کی تابعداری سے روکنے کی قسم کھائی ہے اور عیسیٰؑ کی پیروی سے۔

("اللہ سے ڈرو اور میری (عیسیٰؑ) کی پیروی کرو" (43:62)

یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ آیت حضرت عیسیٰؑ کے متعلق آیات کے درمیان میں آئی ہے۔ عیسیٰؑ کا ذکر اس آیت سے پہلے اور بعد میں ہے۔ تو اس آیت کا یہاں ذکر کیوں کیا گیا ہے؟ اللہ کے کاموں میں کوئی کام اتفاقیہ نہیں ہے چناچہ ہمیں اللہ کا پیغام سمجھنے کے لیے جدوجہد کرنا ہو گی۔

صفحہ نمبر 172

اس سوال کے جواب کی تلاش کے لیے پہلا قدم قرآن میں ابلیس کے متعلق تعلیمات میں ہے۔ آیت 2:34-37 کے پہلے حصے میں بیان ہے:

2:34 اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ سجدے میں گر پڑے مگر شیطان نے انکار کیا اور غرور میں آکر کافر بن گیا۔

2:35 اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو اور جہاں سے چاہو بے روک ٹوک کھاؤ۔ لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا نہیں تو ظالموں میں (داخل) ہو جاؤ گے۔

2:36 پھر شیطان نے دونوں کو وہاں سے پھسلا دیا اور جس (عیش ونشاط) میں تھے اس سے ان کو نکلوا دیا۔ تب ہم نے حکم دیا کہ (بہشت) سے چلے جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لیے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانا اور معاش ہے۔

2:37 پھر آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے (اور معافی مانگی) تو اس نے ان کا قصور معاف کر دیا۔ بے شک وہ معاف کرنے والا صاحب رحم ہے۔

ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ شیطان نے نہ صرف بغاوت کی اور اللہ کے حکم کی نافرمانی کی بلکہ وہ آدم اور حوا کو بھی بہکانے اور اپنی پیروی کروانے میں کامیاب رہا۔

آیت 34 میں لفظ ابلیس بغاوت اور بے چینی سے اخذ کیا گیا ہے جبکہ شیطان خود سری اور دشمنی کے خیالات کا اظہار ہے۔ دونوں جگہوں پر استعمال کی گئی اصطلاحات کا خیال رکھیں۔ جنت سے پھسل جانے کا مطلب ہے کہ برائی انسان کو اس کے اونچے مقام سے نیچے گرا دیتی ہے۔(یوسف علی نوٹ 52)

7:11ہم نے تم کو پیدا کیا پھر ہم نے ہی تمہاری صورت بنائی پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے۔ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔

7:12حق تعالیٰ نے فرمایا تو جو سجدہ نہیں کرتا تو تجھ کو اس سے کون امر مانع ہے، جبکہ میں تجھ کو حکم دے چکا۔ کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اس کو خاک سے پیدا کیا ہے۔

7:13حق تعالیٰ نے فرمایا آسمان سے اتر تجھ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ تو آسمان میں رہ کر تکبر کرے سو نکل بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے۔

7:14اس نے کہا مجھ کو مہلت دیجئے قیامت کے دن تک۔

7:15اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھ کو مہلت دے دی گئی۔

7:16اس نے کہا بسبب اس کے کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا میں قسم کھاتا ہوں میں ان کے لیے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا۔

7:17پھر ان پر حملہ کروں گا ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی اور ان کی دائیں جانب سے بھی اور ان کی بائیں جانب سے بھی اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائیں گے۔

7:18اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں سے ذلیل وخوار ہو کر نکل جا۔ جو شخص ان میں سے تیرا کہنا مانے گا میں ضرور تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

آیت 7:11 پر یوسف علی لکھتے ہیں۔ "پہلے حصے میں "تم "(جمع) سے دوسرے حصے میں "آدم" کی تبدیلی پر غور کیجئے۔ آدم اور انسانیت مترادف ہیں۔

جب اللہ نے فرشتوں کو آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو اس کا مقصد بتلانا تھا کہ آدم فرشتوں سے افضل ہیں۔ شیطان نے یہ افضیلت ماننے سے انکار کیا کیونکہ اس کے مطابق وہ ایک افضل شے یعنی آگ سے پیدا کیا گیا تھا اور آدمؑ مٹی سے۔ لیکن وہ اس بات کو بھول گیا کہ ہم اللہ کی مخلوق ہیں اور اللہ کی مخلوق ہونے کے ناطے ہم سب پر اللہ کی فرمانبرداری فرض ہے۔

یوسف علی لکھتے ہیں۔

شیطان نے نہ صرف سجدہ کرنے سے انکار کیا بلکہ اس نے ان سے جنہوں نے سجدہ کیا، شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ دوسرے لفظوں میں نہ صرف اس نے متکبری سے فرشتوں کو حقیر جانا بلکہ انسان کو بھی۔ اس نے اللہ کا حکم نہ مان کر بغاوت کا اعلان کر دیا۔ تکبر، بغاوت اور حسد اس کے تہرے جرم تھے۔

آیت 7:13 "(اللہ نے) فرمایا" یہاں سے نکل جا" کی یوسف علی ایسے تشریح کرتے ہیں۔

"یہ واقع شیطان کے تکبر کی وجہ سے بغاوت کے باعث اس کے جنت سے نکلنے کو بیان کرتا ہے"

اس کے علاوہ شیطان نے کھلے عام ہر سمت سے انسان پر حملہ کرنے اور بہکانے کا اعلان کیا (7:17) اس کا مطلب ہے ہر حربہ استعمال کر کے انسان کو اس کے مقام سے نیچے لانے کا اعلان۔ اس نے سوچا کہ اللہ کے انسان کو افضل مقام عطا کرنے کو شکست انسان کو اس کے مقام سے گرا کر دی جا سکتی ہے۔ اس نے اپنی انا کے باعث خود کو اللہ کا دشمن بنانے کی ہمت کی۔

چناچہ وہ لوگ جو شیطان کی پیروی کریں گے اس کے ساتھ جہنم میں ڈال دیے جائیں گے۔

شیطان کی بغاوت اور اللہ کے ساتھ دشمنی کے واقعے کی اتنی اہمیت ہے کہ اس کو آیت 15:26-40 میں دوبارہ ذکر کیا گیا ہے۔ بے شک یہ ان تمام لوگوں کے خلاف جو متکبر اور باغی ہیں، ایک انتباہ ہے۔ جب ہمیں "اللہ سے ڈرو اور میری (عیسیٰؑ) اطاعت کرو" تو کیا ہم وہی کریں گے جو ابلیس نے کیا تھا۔ کیا ابلیس کی طرح اطاعت نہ کرنے کی ہماری اپنی وجوہات ہیں۔ ایسی وجوہات جن کو ہم جائز سمجھتے ہیں۔

شیطان کے بارے میں آیات کو حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں آیات کے درمیان اتنی اہم جگہ کیوں دی گئی ہے؟اس سوا
ل کے جواب کو پانے کے لیے دوسرا قدم عیسیٰؑ اور آدمؑ کے درمیان قرآن کی رو سے مشابہت ہے۔

1۔ عیسیٰؑ اور آدمؑ دونوں کو اللہ نے ایک خاص طریقے سے پیدا کیا۔2۔اللہ نے آدم کو دنیا میں حکمرانی دی(7:10اور بے شک ہم نے تم کو زمین پر رہنے کی جگہ دی)اسی طرح جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں عیسیٰؑ کو بھی دنیا میں حکمرانی دی جائے گی۔3۔اللہ نے فرشتوں کو آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا اور اسی طرح تمام لوگوں کو عیسیٰؑ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا(43:63)

4۔ عیسیٰؑ اور آدمؑ کی شیطان کی طرف سے خاص طور پر مخالفت کی گئی ہے۔فرشتوں کو آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا جبکہ قرآن ہمیں عیسیٰؑ کی پیروی کرنے کی تلقین کرتا ہے۔سجدہ کرنا ایک بیرونی عمل ہے۔کسی کی اطاعت کیے بغیر اس کو سجدہ کیا جا سکتا ہے۔لیکن قرآن دل سے اطاعت طلب کرتا ہے۔کیا ہم اللہ کو شیطان جیسا جواب دیں گے؟

ہم نے آدمؑ اور عیسیٰؑ کے درمیان چار مشابہت کو شمار کیا ہے۔لیکن ہمیں ایک اہم فرق کا خیال رکھنا ہوگا۔اللہ نے آدمؑ کو اپنی روح پھونک کر جان بخشی جبکہ قرآن عیسیٰؑ کو "اللہ کی روح" بیان کرتا ہے۔کیا اس کا مطلب ہے عیسیٰؑ اس روح کا عملی اظہار ہیں جس کو آدمؑ کی تخلیق میں استعمال کیا گیا؟

یہ حیرت انگیز وحی ہے۔لیکن کیا قرآن کچھ اور مطلب بیان کرنا چاہتا ہے؟جب وہ عیسیٰؑ کو اللہ کی روح کہتا ہے۔

روح کا ترجمہ دیکھنے کے لیے ہم "آکسفورڈ ڈکشنری آف اسلام" سے مدد لے سکتے ہیں۔اس کے مطابق لفظ "روح" قرآن میں 21 بار استعمال کیا گیا ہے۔اس سے مراد زندگی کے تناظر میں روحانی قوت ہے۔"اللہ کی روح" سے مراد زندگی یا روحانی پھونک ہے جو اللہ کی طرف سے ہے۔یہ اس واقعے کی بھی تشریح کرتا ہے کہ کیسے آپؑ مٹی کے پرندوں میں جان ڈال دیتے تھے یا مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔لیکن اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ آپؑ بلاشبہ ایک انسان تھے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اگرچہ وہ ایک عام انسان کی طرح تھے اور وہ عام انسان کی طرح کھاتے تھے وہ یقیناً "عام" انسان نہ تھے۔

"اللہ کی روح" کا خطاب "پیغمبر رسول" کے خطاب کے مساوی نہیں کیونکہ ایک پیغمبر یا رسول اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں اور روح زندگی بخشتی ہے۔ مردہ میں روح نہیں ہوتی اور جن کو روح عطا کی جاتی ہے وہ زندہ ہو جاتے ہیں۔ ہمیں ایسے موڑ پر لایا گیا ہے اور ایسے خیالات کی طرف راغب کیا جا رہا ہے جو عیسٰیؑ کی شان کے مطابق نہیں اور قرآن کے مخالف ہیں۔ کیا ہم قرآن کی تعلیمات کو سمجھنے اور ماننے کے لیے قیامت کا انتظار کر رہے ہیں؟ ہمیں مستقل یاد دلایا جا رہا ہے کہ عیسٰیؑ خدا نہیں تھے بلکہ وہ انسان تھے۔ لیکن حیران کن طور پر لاکھوں عیسائی ایسے ہیں جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ انسان بھی ہیں اور خدا بھی۔ بہت سے لوگ اس پر دل سے ایمان لاتے ہیں اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس بات پر یقین رکھتے ہیں کیونکہ یہ چرچ کا اصول ہے۔ لیکن قابل توجہ بات یہ ہے کہ چاہے کسی بھی وجہ سے اس پر یقین رکھتے ہوں کیا وہ عیسٰیؑ کے دونوں خدا اور انسان ہونے کی منطق میں تضاد نہیں دیکھتے؟ یہ کیسے ممکن ہے؟ کیا وہ یہ سوچتے ہیں کہ خدا کے لیے کوئی چیز بھی ناممکن نہیں ہے۔ اگر وہ انسان کے روپ میں اس دنیا میں آنا چاہے تو کوئی ایسی وجہ نہیں ہے جس کی باعث وہ ایسا نہ کرے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک خدا کے لیے کوئی چیز ناممکن ہوتی تو خدا قادر المطلق اور رب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خدا کے لیے کوئی چیز بھی ناممکن نہیں۔ ناممکنات انسان کی ناقص صفتوں میں سے ایک صفت ہے۔ چنانچہ وہ پوچھ سکتے ہیں کہ کیا اسلام اللہ کی شان کو نہیں پہچانتا؟

لیکن عیسٰیؑ کا "اللہ کی روح" ہونے کا ذکر صرف قرآن میں ہی نہیں بلکہ بعد کی اسلامی تعلیمات اور احادیث میں بھی عیسٰیؑ کو اسی خطاب سے مخاطب کیا گیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ کیجیے۔

صحیح مسلم کی کتاب اور حدیث نمبر0374، 0373میں عیسیٰؑ کو قرآن کی طرح "اللہ کی روح اور امر" کہا گیا ہے، مسلم عیسیٰؑ کے صفحہ 187، 164، الغزالی کے اور دوسرے قصوں میں بھی یہی خطاب استعمال کیا گیا ہے۔

شاید ان سب سے زیادہ اہم یہ مشہور حقیقت ہے کے ابن اشاق نے آپ ﷺ کا حبشا کے بادشاہ کے نام خط کو روایت کیا ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا "میں عیسیٰؑ ابن مریم کے اللہ کی روح اور امر ہونے کا گواہ ہوں جو اس نے کنواری مریم تک پہنچایا" یہ قرآن کی آیت نمبر4:171 سے مطابقت رکھتا ہے۔

ہمارا مقصد عیسیٰؑ کے متعلق تعلیمات کو قرآن کی رو سے سمجھنا ضروری ہے نہ کہ دوسرے ذرائع سے۔ سوال یہ ہے کہ ہم اس کو پہلے کیوں نہ دیکھ سکے۔ کیا شیطان ہم سے سچ چھپانے میں اتنا کامیاب ہو گیا یا ہم خود سچ کو نہیں سمجھ سکتے یا یہ دونوں کا ملاپ ہے[35]؟

43:63اور جب عیسیٰؑ معجزے کو لائے تو کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت لایا ہوں اور اس لئے لایا ہوں کہ جن بعض چیزوں میں تم مختلف ہوا نہیں واضح کر دوں پس تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔

صاف نشانی یا حکمت کو آیت 3:49 میں ایسے بیان کیا گیا ہے۔

3:49اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہو گا کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانیاں لایا ہوں۔ میں تمہارے لیے پرندے کی شکل کی طرح مٹی کا پرندہ بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے زندہ ہو جاتا ہے اور

اللہ کے حکم سے پیدائشی اندھے کو اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں اور مردوں کو زندہ کرتا ہوں اور جو کچھ تم کھاؤ اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرو میں تمہیں بتا دیتا ہوں۔ اس میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔

---

[35] شیطان کی بغاوت کا دو مرتبہ مندرجہ بالا تذکرہ کے علاوہ قرآن 4 مزید بار ذکر کرتا ہے۔

(17:61، 18:50، 20:116، 38:71) چنانچہ ہمیں اس سے ایمان والوں کے لیے خطرات کا اندازہ ہوتا ہے

ہم ان الفاظ "میں تمہارے لیے حکمت لایا ہوں" کو کیسے سمجھ سکتے ہیں؟ اگر ہم قرآن کے مطلب کو سمجھنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی ذاتی خیالات اور تشریح کی بجائے اس چیز پر غور کرنا ہو گا کہ قرآن ہم سے کیا کہنا چاہتا ہے؟[36] یہاں یہ غور کرنے کی ضرورت ہے قرآن میں "حکمت" سے کیا مراد ہے؟ ہم دیکھتے ہیں لفظ "حکمت" خود اللہ کو بیان کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ مندرجہ ذیل چند مثالیں ہیں۔

2:32 ان سب نے کہا اللہ! تیری ذات پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا رکھا ہے۔ پورے حکمت و علم والا تو، تو ہی ہے۔

تمام حکمت کا منبع اللہ ہے اور اسکی دانائی کامل ہے۔

2:129 اے ہمارے رب ان میں انہی میں سے رسول بھیج جو ان کے پاس تیری آیاتیں پڑھے۔ انہیں کتاب و حکمت سکھائے اور انہیں پاک کرے۔ یقیناً تو غلبے والا حکمت والا ہے۔

صرف اللہ کی ذات ہی غلبہ والی اور حکمت والی ہے۔ وہ پیغمبروں کو ان کے اپنے لوگوں میں بھیجتا ہے تاکہ وہ ان کو اس کی نشانیوں سے آگاہ کر سکیں اور دانائی سکھائیں اور صحیفے عطا کر سکیں۔ صحیفوں کو قرآن میں کئی بار اکٹھا استعمال کیا گیا ہے۔ صحیفے اللہ کی دانائی کا اظہار ہیں جیسا کہ صحیفوں میں موجود تعلیمات میں دیکھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ صحیفے اور دانائی ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔

[36] اس موقع پر یوسف علی نے عیسائیوں پر ایک اور حملہ کرتے ہیں (نوٹ 4663) یہ قرآن کی تعلیمات سے یا روح سے بمشکل میل رکھتا ہے اور اللہ کی دانائی کی تعلیم اور پرچار میں کوئی مدد نہیں کرتا۔

صفحہ نمبر179

مندرجہ ذیل چند مثالیں ہیں۔

3:164 بے شک مسلمانوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا، جو انہیں اس کی آیاتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سناتا ہے، یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

4:54 یا جو خدا نے لوگوں کو اپنے فضل سے دے رکھا ہے اس کا حسد کرتے ہیں تو ہم نے خاندان ابراہیم کو کتاب اور دانائی عطا فرمائی تھی اور سلطنت عظیم بھی بخشی تھی۔

3:48 اللہ تعالیٰ اسے لکھنا اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائے گا۔

یہ غیر معمولی بیان دیا گیا ہے کہ اللہ حضرت عیسیٰؑ کو خود دانائی سکھائے گا اور یہ دانائی وہی ہے جس کے بارے میں آیت 43:63 میں عیسیٰؑ نے فرمایا "میں تمہارے لیے حکمت لایا ہوں۔""تم" سے مراد صرف یہودی نہیں لیکن وہ تم میں شامل ضرور ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ اللہ کا اصول ہے کہ وہ "ان میں پیغمبر ان کے درمیان میں سے بھیجتا" جیسا کہ ہم اور مذکورہ آیت نمبر 3:164 میں دیکھ چکے ہیں۔

اگرچہ اللہ کی "کتاب، دانائی، قانون اور انجیل" ان لوگوں کو دیے گئے تھے، وہ خاص ان لوگوں تک نہ محدود ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔ جس طرح قرآن عربوں کو دیا گیا تھا لیکن وہ عربوں تک محدود نہیں ہے۔ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ دنیا میں 18% عرب مسلمان اور 82% غیر عرب مسلمان ہیں۔

آیت 43:63 کی رو سے عیسیٰؑ کے دنیا میں آنے کے دو پہلو ہیں 1۔ ان کے اعمال، معجزے جن کو کھلی نشانی کہا گیا ہے۔ 2۔ ان کی تعلیمات جن کی وجہ سے وہ اللہ کی طرف سے دانائی عطا کیے گئے۔

قرآن کی رو سے جہالت کی بنیادی وجہ اللہ کے حکم کے سامنے نہ جھکنا ہے۔ جہاں اللہ کی اطاعت ہو گی وہاں کوئی جھگڑا نہ ہو گا۔ مثال کے طور پر آیت 3:20 میں بیان ہے۔

3:20 اگر یہ تم سے جھگڑا کریں تو ان سے کہو میں نے اور میرے پیروں نے اللہ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا ہے۔" پھر اہل کتاب اور غیر اہل کتاب دونوں سے پوچھو" کیا تم نے بھی اس کی اطاعت و بندگی قبول کی؟ اگر کی تو وہ راہ راست پا گئے اور اگر اس سے منہ موڑا تو تم پر صرف پیغام پہچانے کی ذمہ داری تھی۔ آگے اللہ خود اپنے بندوں کے معاملات دیکھنے والا ہے۔

اس آیت سے واضح ہے کہ جھگڑے کی بنیاد بننے والے رویے کی وجہ سے بنیادی طور پر عقلی نہیں بلکہ روحانی ہے۔ یعنی اللہ کے سامنے نہ جھکنا۔

3:19 اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ اس دین سے ہٹ کر جو مختلف طریقے انہوں نے اختیار کیے جنہیں کتاب دی گئی تھی ان کے اس طرز عمل کی کوئی وجہ اس کے سوا نہ تھی کہ انہوں نے علم آجانے کے بعد آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنے کے لیے ایسا کیا۔ اور جو کوئی اللہ کے احکام و ہدایت سے انکار کر دے۔ اللہ کو اس کا حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگتی۔

اسی وجہ سے جب لوگ اللہ کی طرف لوٹیں گے تو وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔

3:55 جب اس نے کہا کہ اے عیسیٰؑ اب میں تجھے واپس لے لوں گا اور تجھ کو اپنی طرف اٹھا لوں گا اور جنہوں نے انکار کیا ہے ان سے تجھے پاک کر دوں گا اور تیری پیروی کرنے والوں کو قیامت تک ان لوگوں پر بالادست رکھوں گا جنہوں

نے تیرا انکار کیا ہے۔ پھر تم سب کو آخر میں میرے پاس آنا ہے۔ اس وقت میں ان تمام باتوں کا فیصلہ کر دوں گا جن میں تمہارے درمیان اختلاف ہوا ہے۔

صفحہ نمبر 181

چنانچہ صرف اللہ کی طرف لوٹنا ہی اختلافات مٹانے کا باعث ہو سکتا ہے۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان الفاظ عیسیٰؑ "تمہارے درمیان کچھ اختلافات کو مٹانے کے لیے "آئے کا مطلب آپؑ کی پیغمبری کا اہم مقصد لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا تھا۔ یہ، بے شک، ہر نبی کا مقصد بھی تھا۔

تاہم عیسیٰؑ صرف "چند "اختلافات کو کیوں مٹا سکتے ہیں؟ کیونکہ ہر کوئی ان کی پکار کا جواب نہ دے گا کہ وہ ایسے لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں جو "ایمان کو جھٹلاتے "ہیں، 3:55 (پچھلا پیر گراف)۔ چناچہ یہ قیامت کا دن ہو گا جب "جنہوں نے تیری پیروی کی "اور "جنہوں نے تجھے جھٹلایا" کے درمیان اختلافات کا فیصلہ کیا جائے گا اور اللہ خود فیصلہ کرے گا (3:55)

یہ بات قابل غور ہے کہ ہر وہ شخص جو اپنے ایمان لانے کا اعلان کرتا ہے آیت 3:55 کے مطابق "ایمان "نہیں رکھتا۔ چناچہ ایمان والوں کے درمیان بھی اختلافات ہیں۔ تمام ایمان والے دل وجان سے اللہ کی بندگی اختیار نہیں کرتے۔ چنا چہ ایمان والوں کے درمیان بھی اختلافات ہیں۔ تمام ایمان والے دل وجان سے اللہ کی بندگی اختیار نہیں کرتے۔

وہ کونسی چیزیں ہیں جن پر یہ لوگ جھگڑتے ہیں۔ قرآن میں ان چیزوں کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

1۔ مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے درمیان اختلافات ہیں (2:139)

2۔ "وہ کتاب "اور اسکی تشریح پر اختلاف رکھتے ہیں (2:176)

3۔ عیسیٰؑ کے متعلق (19:34)

4۔ "قیامت" کے بارے میں (42:18 "قیامت "کا ذکر آیت 43:61 میں عیسیٰؑ سے جڑا ہے)۔

5۔اللہ کی "نشانیوں" کے بارے میں(42:35؛40:69)۔وہ لوگ جو اللہ کی بندگی اختیار نہیں کرنا چاہتے اسکی نشانیوں میں اختلاف کرتے ہیں۔6:25 میں ہے کہ نشانیوں کو قصے کہانیاں کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے،اللہ ایسے نافرمانوں کے دلوں پر "پردہ"ڈال دیتا ہے۔

6۔اور خود اللہ کے بارے میں بھی(8،22:3؛31:20؛42:16اور مزید آیات)

لیکن جو اللہ اور اس کے پیغمبر پر ایمان رکھتے ہیں وہ تمام اختلافات کے فیصلے کے لیے اللہ کی طرف لوٹتے ہیں۔(4:59)

اس کے علاوہ جب واضح نشانیاں عطا کر دی گئی ہیں تو اختلافات کھڑے ہی ہونے نہیں چاہیے (3:105)، چناچہ یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ اگر واضح نشانیوں کے بعد بھی اختلافات پیدا ہوں تو یہ اللہ کی بندگی نہ کرنے اور بے یقینی کی وجہ سے ہے۔ وہ اللہ پر بحث کرنا پسند کرتے ہیں بجائے اللہ کی بندگی کرنے کے۔ لیکن جب "آخر تم سب کو لوٹ کر اللہ کی طرف جانا ہے تو جن جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے وہ تم کو بتائے گا"

8:46 اور اللہ کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے رہو، آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر وسہارا رکھو، یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

" چناچہ اللہ سے ڈرو اور میری پیروی کرو"۔ یہ مثال آیت 43:63 کے آخر میں ہے جس کو ہم مزید سمجھنے کی کوشش رہے ہیں۔ "میری اطاعت کرو" کا مطلب ہے کہ اللہ عیسیٰؑ کے ذریعے ہم تک کوئی پیغام پہنچانا چاہتا ہے۔ ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ آپؑ کی پیغمبری کے دو حصے ہیں: آپ کے اعمال اور آپ کی تعلیمات۔

لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اختلاف کرتے ہیں اور دلائل دیتے ہیں کہ آپؑ کی تعلیمات اپنی اصل حالت میں محفوظ نہیں۔ اگر ایسا ہو تو ہم میں سے کسی کے لیے (بشمول عیسائیوں کے بھی) ماننے کو کچھ نہ رہا۔ کیا وہ ہمیں زبردستی اس بات پر قائل کرنا چاہتے کہ قرآن کی تعلیمات غیر متعلقہ ہیں؟ ہم اس کتاب میں پہلے بھی خبردار کر چکے ہیں کہ ہمیں اپنے عیسائی مخالف جذبات میں احتیاط سے کام لینا چاہیے کہیں ہم قرآن کو یا قرآن کے ان حصوں کو جن کو ہم اپنے تعصب کی وجہ سے ماننا نہیں چاہتے، رد نہ کر دیں۔ لیکن کیا قرآن کا ہر حصہ اللہ کا امر نہیں؟ اور کیا یہ واضح نہیں کہ اگر ہم قرآن کے کسی حصے کو جھٹلاتے ہیں تو ہم اللہ کو جھٹلاتے ہیں؟ کیا ہم ان لوگوں سے ہیں جو اپنی تعصب کی وجہ سے اللہ کے آگے نہیں

جھکتے۔ قرآن بار بار اللہ کی بندگی اختیار نہ کرنے والوں کے انجام سے خبر دار کرتا ہے۔

یہ کہنا (جو کہ صحیح ہے) کہ عیسائی چرچ عیسیٰؑ کی تعلیمات کو نظر انداز کرنے یا بگاڑنے کے مجرم ہیں اور وہ ان لوگوں میں شامل نہیں جنہوں نے "اللہ سے ڈرو اور میری پیروی کرو"؛ لیکن یہ کہنا نہایت مختلف بات ہے کہ عیسیٰؑ کی تعلیمات اور انجیل اپنی اصلی حالت میں نہیں رہی۔ یہ دلیل کہ عیسائیوں نے آپؑ کی تعلیمات کو اتنا بگاڑ دیا ہے کہ یہ اصلی نہیں رہیں، خود متضاد ہے کیونکہ تب ہمارے پاس اس دلیل کو ثابت کرنے کے لیے اصلی تعلیمات نہیں ہیں۔ اور اب عیسائی صحیح طور پر کہہ سکتے ہیں کہ "ہم نے انجیل کو جیسے پایا یہ اسی حالت میں ہے اور ہم اس کے ساتھ وفادار رہے"۔ اس کے علاوہ مسلمان عیسائیوں پر کن تعلیمات کی نافرمانی کرنے کا الزام لگاتے ہیں جب اصل تعلیمات تک رسائی ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ اس دعوے کا کیا ثبوت ہے کہ عیسیٰؑ کی تعلیمات اب اس دنیا میں نہیں رہیں۔ قرآن کو اس دعوے کی بنیاد کے طور پر استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن قرآن یہ ضرور کہتا ہے کہ انہوں نے غلط تشریح کے ذریعے اس کے معنی کو بگاڑ دیا۔

عیسیٰؑ کی تعلیمات انجیل میں موجود ہونے کی صورت میں ہی ہم چرچ کو کہہ سکتے ہیں کہ "دیکھو عیسیٰؑ نے یہ تعلیم دی اور تم یہ تعلیم دیتے ہو"۔

حیران کن طور پر مسلمان لکھاری اور اساتذہ انجیل کی اصلیت کے بارے میں اختلاف کرتے ہوئے یہی مثال استعمال کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ عیسیٰؑ کا انجیل میں مشہور قول استعمال کرتے ہیں۔ "خدا ہمارا رب ہے اور خدا ایک ہے" (مارک 12:29) اور کہتے ہیں کہ عیسائیوں کا تثلیث کا عقیدہ عیسیٰؑ کی تعلیمات کے خلاف ہے[37]۔ لیکن وہ اس منطق کی غفلت دیکھنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس طریقے سے وہ عیسائی تو دور کسی غیر مسلم کو بھی قائل نہیں کر سکتے۔

[37] پال جو کہ مسلمانوں کی طرف سے عیسیٰؑ کی تعلیمات کو بگاڑنے کا مجرم نامزد کیا جاتا ہے نے اپنے دو خطوط میں عیسیٰؑ کے تعلیمات کے مطابق بنیادی اہمیت کی یہی حقیقت بیان کی ہے۔ وہ رومنز 3:30 میں اعلان کرتا ہے "خدا صرف ایک ہے" اور گلاٹیز 3:20 میں "خدا ایک ہے"۔ مسئلہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں نے پال کی غلط تشریح کی۔

لیکن ایسا کیوں ہے ؟اس معاملے کو سمجھنے کے لیے آئیں ہم اس پر مزید غور کرتے ہیں :

ہم یہ کہتے ہیں کہ عیسٰیؑ کی تعلیمات صحیح حالت میں نہیں ہے پھر بھی ہم ان کو عیسائیوں کے خلاف استعمال کرتے ہیں ؛ان تعلیمات کو بگاڑ دیا گیا ہے اور وہ پھر بھی درست ہیں۔اگر ہم یہ کہیں کہ ان کا کچھ حصہ صحیح اور کچھ خراب حالت میں ہے ہم پھر بھی کسی بہتر پوزیشن میں نہیں کیونکہ یہ دلیل مسائل حل کرنے سے زیادہ پیدا کرتی ہے۔

چونکہ تثلیث کا عقیدہ عیسائیت کا بنیادی معاملہ ہے تو عیسائیت کے اس بنیادی معاملے کو کیوں بگاڑ نہ دیا گیا؟انہوں نے "خدا ایک ہے" کو کیوں نہ مٹا دیا بلکہ اس سے بہتر اس کو "تمہارا رب تثلیث ہے" سے کیوں نہ بدل دیا؟اگر انہوں نے آپؑ کی تعلیمات کے بنیادی نقطے کو تبدیل نہ کیا تو ان کا کم اہمیت کی چیزوں کو تبدیل کرنے کا کیا مقصد تھا؟یہ بات واضح ہو جانی چاہئے کہ یہ دلیل کہ ابتدائی عیسائیوں نے عیسٰیؑ کی تعلیمات کو بگاڑ دیا کوئی بنیاد نہیں رکھتی۔بلکہ ہمارے اختلافات کو احمقانہ بنا سکتی ہے۔

"اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو" یہ الفاظ کن کے لیے ہیں ؟اس حصے کے شروع میں ہم دیکھتے ہیں کہ عیسٰیؑ کو" ہمارے لیے نشانی بنا دیا گیا"، مگر کس کے لیے ؟"تم لوگوں کے لیے"(43:57)؛سے مراد عرب کے لوگ تھے۔" جیسا کہ اگلی آیت سے واضح ہے "اور انہوں نے کہا" ہمارے خدا بہتر ہیں یا وہ؟""یہ نہ صرف "تم لوگوں" سے واضح ہے جو آپ ﷺ کے لوگوں کے علاوہ کوئی لوگ نہیں ہو سکتے بلکہ اس حقیقت سے بھی واضح ہے کہ عرب کے لوگ اس وقت بت پرست تھے (ہمارے خدا) اور جو بنی اسرائیل[38] ہرگز نہ تھے۔اس کے علاوہ عیسٰیؑ "قیامت کے نشان ہیں"(43:61)اور قیامت صرف مسلمانوں پر واقع نہ ہو گی بلکہ یہودیوں اور ساری دنیا پر۔

[38] جن کے لیے بھی عیسیٰؑ کو مثال بنا دیا گیا، 43:59

چناچہ یہ بات قرآن سے واضح ہے کہ ساری دنیا کو اللہ سے ڈرنے اور عیسیٰؑ کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن ہم اللہ سے کیسے ڈریں اور عیسیٰؑ کی پیروی کیسے کریں؟

5:46 پھر ہم نے ان پیغمبروں کے بعد مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ کو بھیجا تورات میں سے جو کچھ اس کے سامنے موجود تھا وہ اس کی تصدیق کرنے والا تھا اور ہم نے اس کو انجیل عطا کی جس میں رہنمائی اور روشنی تھی اور وہ بھی تورات میں سے جو کچھ وقت موجود تھا اُس کی تصدیق کرنے والی تھی اور خداترس لوگوں کے لیے سراسر ہدایت اور نصیحت تھی۔

یہاں اس بات کی تصدیق کی گئی ہے کہ انجیل، جس نے قوانین بیان کئے، اللہ کی طرف سے عیسیٰؑ کو عطا کی گئی تھی اور یہ ان لوگوں کے لیے رہنمائی ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ "اللہ سے ڈرنا" ایسا جیسا آیت 43:63 میں بیان کیا گیا ہے۔ کیا یہ واضح نہیں ہے کہ عیسیٰؑ نے انجیل کے ذریعے یہ تعلیمات دی کہ اللہ سے ڈرنے والے رہنمائی اور نجات پائیں گے؟

اگلی آیت 5:47 میں بیان کیا گیا ہے،

ہمارا حکم تھا کہ اہل انجیل اس قانون کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں۔

آیت 5:47 میں دوبارا انجیل کا ایسی چیز ہونے کا حوالہ دیا گیا ہے جس کو "اشکار" کر دیا گیا ہو۔ جو لوگ انجیل کو مانتے ہیں ان کو "انجیل کے لوگ" کہا گیا ہے اور وہ "سب چیزوں کے متعلق جو اللہ نے ان پر اشکار کیا ہے کے ذریعے فیصلہ کریں گے۔" اور جو انجیل کے مطابق زندگی نہ گزاریں گے ان کو "وہ جنھوں نے بغاوت کی" کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔ اور ان کو اسی جرم کی سزا دی جائے گی نہ کہ انجیل کی تعلیمات کو بگاڑنے کی۔ ان لوگوں کا جرم یہ ہو گا کہ انہوں نے انجیل کی

تعلیمات کو نہ مان کر اللہ کے خلاف بغاوت کی اور انجیل کے معنی کو بگاڑ دیا۔ لیکن جن لوگوں کے دل میں خوف خدا ہے وہ اللہ سے ڈرتے ہیں اور عیسیٰؑ کی پیروی کرتے ہیں اور انجیل کی جو اللہ کی طرف سے ان پر اشکار کی گئی ہے۔

5:48 اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کی محافظ ہے۔ اس لئے آپ ان کے آپس کے معاملات میں اسی اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے ساتھ حکم کیجیئے، اس حق سے ہٹ کر ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ جایئے تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کردی ہے۔ اگر منظور مولیٰ ہوتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا، لیکن اس کی چاہت ہے کہ جو تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزمائے، تم نیکیوں کی طرف جلدی کرو، تم سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے، پھر وہ تمہیں ہر وہ چیز بتادے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو۔

قرآن آپ ﷺ پر نازل ہوا اور یہ پہلے نازل کیے گئے صحیفوں کی تصدیق کرتا اور اور ان کی حفاظت بھی کرتا ہے۔ یوسف علی لکھتے ہیں۔

"عربی لفظ بھیجنا اپنے مطلب میں نہایت وسیع ہے۔ اس کا مطلب ہے جو حفاظت کرے، دیکھ بھال کرے، گواہی دے، محفوظ کرے اور برقرار رکھے" (نوٹ 759)

یہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قرآن "اس سے پہلے صحیفوں" کی اصلیت اور سچائی کی تصدیق کرتا ہے۔

پہلے صحیفوں سے مراد انجیل ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ "یہ اپنے اندر شامل کرلیتا ہے"، اس میں غیر ضروری اضافہ یا فالتو اضافی چیزیں شامل کرتا ہے جیسا کہ کچھ لوگ ایسی تشریح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آیت 5:47 بغاوت کرنے والوں کی طرف اشارہ کرکے ختم ہوئی ہے۔ آیت 5:48 ان جیسا بن جانے والوں کے خلاف خبردار کرتی ہے۔ "جو اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور سچ سے ہٹ جاتے ہیں"

43:64 کچھ شک نہیں کہ خدا ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے پس اسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا رستہ ہے۔

یہ عیسیٰؑ کے الفاظ ہیں جو انہوں نے 43:63 میں کہے ہیں۔ یہ الفاظ 3:50 اور 51 میں کہے گئے الفاظ سے مشابہت رکھتے ہیں۔

میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں۔ لٰہذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ لٰہذا تم اسی کی بندگی اختیار کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔

ایسے ہی آیت 5:72 میں،

اور عیسٰیؑ نے کہا: اے بنی اسرائیل اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔

ایسے ہی 5:117 میں،

میں نے ان سے کچھ نہیں کہا بجز اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا ہے وہ یہ کہ تم خدا کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے اور جب تک میں ان میں رہا ان (کے حالات) کی خبر رکھتا رہا جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھا لیا تو تو ان کا نگران تھا اور تو ہر چیز سے خبر دار ہے۔

اور 19:36 میں،

میرا اور تم سب کا پروردگار صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تم سب اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے

ہم دیکھ سکتے ہیں کہ عیسٰیؑ کی تعلیمات کو قرآن میں پانچ مرتبہ دہرایا گیا ہے۔ پہلے ہم نے (اوپر 5:117 کے نیچے) عیسٰیؑ کے الفاظ کو دیکھا "اللہ کی عبادت کرو جو تمہارا رب ہے اور میرا بھی"۔ یوسف علی انجیل میں موجود اسی بات کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

میتھیو [4]10، جہاں عیسیٰؑ شیطان کی اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے پر ملامت کرتے ہیں۔ جان [20]17،
عیسیٰؑ نے میگالین سے کہا "میرے بھائیوں کے پاس جاؤ اور ان سے کہو میں اپنے باپ اور تمہارے باپ، تمہارے خدا
اور اپنے خدا کی طرف لوٹوں گا"" (آیت 5:72 پر نوٹ 782)

میتھیو4:10، جس کا یوسف علی نے تذکرہ کیا ہے، میں یہ بھی آیا ہے "عیسیٰؑ نے اس سے کہا مجھ 'سے دور ہو جا شیطان ! "کہ یہ لکھا ہے: "اپنے رب کی عبادت کرو اور صرف اسی کی پیروی کرو۔""" چناچہ عیسیٰؑ کے الفاظ قرآن اور انجیل میں ایک ہی ہیں۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ انجیل کی تعلیمات کو بگاڑ دیا گیا ہے اور یہ اپنی اصل حالت میں نہیں ہیں۔ جیسا کہ قرآن سے ثابت ہونے کے باوجود کچھ لوگ کہتے ہیں۔

عیسیٰؑ کی تعلیمات کا پانچ مرتبہ تذکرہ کیوں ہے ؟اس طریقے سے قرآن عیسیٰؑ کی تعلیمات کے بنیادی نقاط بتاتا ہے اور دیکھا جاسکتا ہے کہ یہ قرآن کی تعلیمات سے مشابہت رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے یوسف علی فرماتے ہیں "اسلام وہی مذہب ہے جو عیسیٰؑ نے تبلیغ کیا" (آیت 43:64 پر نوٹ 4664)۔

آئیں دیکھیں عیسیٰؑ نے ہمیں کیا تعلیمات دیں۔

1۔ "اللہ میرا مالک ہے اور تمہارا مالک ہے"۔ اللہ کی ذات عیسیٰؑ کی تعلیمات کی بنیاد ہے۔ عیسیٰؑ کی تعلیمات میں مذہب، اخلاقیات، فلسفہ، رواج یا قوانین بنیادی حیثیت نہیں رکھتے۔ وہ اللہ کے بارے میں ہمیں کیا سکھاتے ہیں؟

2۔ "وہ میرا مالک ہے اور تمہارا مالک ہے" اپنی تعلیمات میں اللہ کے متعلق عملی پہلو کا تذکرہ کیا گیا ہے(A) ہمارا اللہ سے تعلق: ان تعلیمات میں اللہ کی صفات اور فلسفانہ اصطلاحات مثلاً غالب العلوم، سب سے طاقتور یا ہر جگہ موجودگی کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔ بے شک اللہ کی ان صفات کا اقرار کیا گیا ہے مگر ان صفات کا محض علم اور کوئی عملی تعلق نہ ہونا ہمارے کسی کام کا نہیں۔ اور یہ تعلق کیسا ہونا چاہیے ؟ عیسیٰؑ اس کی تشریح اللہ کو مالک جان کر اس کے سامنے جھکنے کے ذریعے کرتے ہیں۔ بلاشبہ اسلام کی بھی یہی تعلیمات ہیں تو یوسف علی کا کہنا بجا ہے کہ عیسیٰؑ کی تعلیمات اور اسلام ایک سے ہیں۔

3۔ "میرا رب اور تمہارا"۔(B)ہمارا عملی تعلق اللہ کے ساتھ کیسا ہونا چاہیے: عیسیٰؑ کی تعلیمات میں جیسا کہ انجیل میں دیکھا جا سکتا ہے، اللہ کا بطور رب عملی طور پر ہونے پر زور دیا گیا ہے۔ انسان کی روزمرہ کی زندگی کا کوئی پہلو اللہ کے احکامات بغیر سرانجام نہیں دیا جانا چاہئے۔ ہماری سوچ، اعمال اور رویے کا اللہ کا ہمارا رب ہونے کا عملی اظہار کرنا چاہیے۔ عیسیٰؑ نے اپنی زندگی اسی اصول کے مطابق گزاری اور اعلان کیا کہ "اللہ میرا مالک ہے"۔ آپؑ نے ان تمام لوگوں کو جو "اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو" پر ایمان رکھتے ہیں کو بھی اس پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ اور ایسی زندگی گزارنے کا حکم دیا جو اللہ سے بے انتہا وفاداری اور اس کی بندگی کے اصولوں پر مبنی ہو۔ مثال کے طور پر اگر ہم نماز ادا کرتے ہیں اور ہمارا دل نماز میں نہیں، عیسیٰؑ ایسی نماز کی مذمت کرتے ہیں۔(میتھیو 15:8،16:6:5)

4۔ "تو اس کی عبادت کرو"۔ جب ہم اپنی زندگی اللہ کو اپنا رب مان کر گزاریں گے تب ہی ہم اپنی عبادات کو روحانی معنی دے سکیں گے۔ اور ہماری عبادات صرف رواج کا مجموعہ نہ ہو گی۔ تب عبادات بیرونی اعمال کی بجائے دلی عبادت بن جاتی ہیں۔ ایسی زندگی عبادت کی ہی ایک شکل بن جاتی ہے۔

5۔ "یہی سیدھا راستہ ہے"۔ ایسا راستہ جو ہمیں منزل تک پہنچاتا ہے۔ "یہی راستہ "ایک ایسا راستہ ہوتا ہے جو ہمیں کسی متبادل راستوں میں بھٹکنے کی بجائے سیدھا ہماری منزل تک لے جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ ہی ہے جس تک سیدھا راستہ جاتا ہے۔ پس وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے اور (اسکے دین کی رسی کو) مضبوط پکڑے رکھا ان کو وہ اپنی جنت اور فضل میں داخل کرے گا۔ اور اپنی طرف سیدھا راستہ دکھائے گا(4:175)

اور اس راستے پر ہمیں فضل اور رحمت عطا کی جاتی ہے اور اس کا مطلب "اسکی موجودگی میں رحمت والا ٹھکانہ" پانا ہے اور وہ ہمارا رفیق اور محافظ ہو گا۔ یہ سب کچھ 6:126،127 میں دیکھا جا سکتا ہے۔ "اور یہی تمہارے پروردگار کا سیدھا رستہ ہے جو لوگ غور کرنے والے ہیں ان کے لیے ہم نے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں"۔[39] "ان کے لیے ان کے اعمال کے صلے میں پروردگار کے ہاں سلامتی کا گھر ہے اور وہی ان کا دوستدار ہے۔"

"اعمال" سے مراد اللہ کو بطور رب مان کر ہماری روزمرہ کی زندگی میں عملی تعلق کا اظہار ہے جو کہ ہم عیسٰیؑ کی تعلیمات کا بنیادی رکن پاتے ہیں۔ یہ بات قابل غور ہے کہ سیدھے راستے پر ہمیں اللہ کی طرف سے رہنمائی بھی ملے گی" اور علم سے بہرہ مند لوگ جان لیں کہ یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے اور وہ اس پر ایمان لے آئیں اور ان کے دل اس کے آگے جھک جائیں، یقیناً اللہ ایمان لانے والوں کو ہمیشہ سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے "(22:54)

"ہم نے صاف صاف حقیقت بتانے والی آیات نازل کر دی ہیں، آگے صراط مستقیم کی طرف ہدایت اللہ ہی جسے چاہتا ہے دیتا ہے"[4] (24:46)۔ بے شک ہمیں سورۃ الفاتحہ کے الفاظ "ہمیں سیدھا راستہ دکھادے" سے واقف ہونا چاہیے۔(1:6)

عیسٰیؑ کی تعلیمات جن کو قرآن میں مختصراً بیان کیا گیا ہے کو دیکھ کر ہم اس کا موازنہ انجیل میں موجود تعلیمات سے کر سکتے ہیں۔ یوسف علی صحیح طور پر فرماتے ہیں کہ آیت (43:64) کے الفاظ "وہ ہمارا مالک ہے اور تمہارا مالک ہے" سے قریب ترین مطابقت مندرجہ ذیل الفاظ میں پائی جاتی ہے۔

"جان [20]17، جہاں عیسٰیؑ نے میگالین سے کہا کہ "میرے بھائیوں کے پاس جاؤ اور ان سے کہو میں اپنے باپ اور تمہارے باپ، تمہارے خدا اور اپنے خدا کی طرف لوٹوں گا (آیت 5:72 پر نوٹ 782)"

انجیل کے یہی الفاظ ہیں جس کی تشریح عیسائی ایسے کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ عیسیٰؑ خدا ہیں۔ لیکن در حقیقت وہ ذاتی خیالات کی بنیاد پر تشریح کرتے ہیں۔

---

[30] اس فقرے کو ایم-اے-ایس عبدالحلیم نے ایسے بیان کیا ہے "ہم نے اپنی تعلیمات ان پر واضح کر دیں جو نصیحت پکڑنے والے ہیں"۔ قرآن آکسفورڈ یونیورسٹی پریس 2004

مثال کے طور پر الفاظ "میں اور میرا باپ ایک ہیں" (جان 10:30) کی تشریح ایسے کی جاتی ہے کہ وہ اور خدا ایک ہیں۔ لیکن عیسیٰؑ کو دوبارہ ایسے دعا کرتے سنا گیا ہے "کہ وہ ایک ہو سکتے ہیں جیسے ہم ایک ہیں" (جان 22،17:11)

ظاہر ہے یہاں جسم کا ایک ہونا مقصد نہیں۔ ورنہ اس کا مطلب ہو گا کہ عیسیٰؑ کے شاگرد بھی روحانی مادے میں جذب ہو جائیں گے اور وہ انسان نہیں رہیں گے اور ایسا ہونا ناممکن ہے۔ چنانچہ جان کی انجیل کے تناظر میں یہاں جس وحدانیت کا ذکر کیا گیا ہے وہ محبت اور منشاء کی واحدانیت ہے اور بے شک سب سے مظبوط واحدانیت ہے۔

دوسرے الفاظ میں جان 20:17 میں الفاظ "میں اپنے باپ اور تمہارے باپ اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کی طرف لوٹوں گا"۔ عیسیٰؑ نے واضح طور پر اقرار کیا کہ خدا "میرا خدا ہے"۔ کیا یہ واضح نہیں ہے کہ وہ بطور انسان یہ بات کہہ رہے ہیں؟ اگر وہ خدا ہیں اور وہ خدا کو "میرا خدا" کہہ کر مخاطب کر رہے ہیں تو یہ کس طرح کی صورتحال ہے؟ بے شک ایک ناممکن صورتحال۔ اس کے علاوہ انہوں نے کہا کہ ان کے بھائیوں (بھائیوں سے مراد ان کے شاگرد تھے۔ چنانچہ یہاں انہوں نے اپنے آپ کو اپنے شاگردوں والے مقام والا ظاہر کیا اور خدا کو اپنا "باپ" کہا) کو بھی بول دیا جائے کہ وہ "میرے باپ اور تمہارے باپ" کی طرف لوٹ جائیں گے۔ ان الفاظ میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جو واضح کرتی ہو کہ ان کا خدا کے ساتھ "بیٹے" کا تعلق، ان کے شاگردوں کا خدا کے ساتھ "بیٹے" کے تعلق سے مختلف تھا۔ دوسرے لفظوں میں عیسیٰؑ صرف اپنے آپ کو "بیٹا" نہیں کہتے بلکہ وہ شاگردوں کو بھی خدا کا "بیٹا" کہتے ہیں۔

اس بات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ "بیٹا" ہونا کوئی خدائی حیثیت ہونے کا اعلان یا تاثر نہیں دیتا۔ اگر بیٹا ہونا کسی خدائی اہمیت کا حامل نہیں تو خدا کو "باپ" کہنا بھی کوئی خداداد تاثر نہیں دیتا۔[40] عیسائی "ہمارے باپ"[41] کی عبادت کرتے ہیں اور یقیناً یہاں خداداد ہونے کا کوئی دعوی نہیں کیا گیا۔

[40] یہ کہنا کہ اللہ کی کوئی بیوی تھی جس کے ذریعے اس کے پاس بیٹا ہو سکتا ہے عیسیٰؑ کے نزدیک نہایت مکروہ بات ہو گی۔ آپؑ نے کبھی اللہ کے حکم سے بنے رشتوں کے مقابلے میں انسانی رشتوں کو اہمیت نہ دی۔

تاہم، کاؤنسل آف نیسیا کے وقت ایک ایسے معاملے جو کہ بہت مبہم اور اختلافات کا حامل تھا، کو عقیدے کی شکل میں چرچ کا اصول بنادیا گیا جس کو قبول کرنا ہر عیسائی کا فرض تھا۔ اس کے علاوہ اس وقت اس بات کی چرچ کی طرف سے تصدیق کر دی گئی کہ خدا تین مختلف لوگ "باپ، بیٹا اور روح" ہے اور اس عقیدے کو تثلیت کا نام دیا گیا۔

اور یہ حقیقت انجیل کے علاوہ پورے نئے عہد نامے میں اس خود ساختہ اصول کو ثابت کرنے کے لیے ایک آیت[42] بھی ڈھونڈنا مشکل ہے۔ ایسا معاملہ جو جان کی انجیل میں بھی عقیدے یا ایمان کا ہے کو ایک اصول میں تبدیل کر دیا گیا جس پر بغیر سوچے سمجھے ایمان لانا ضروری تھا۔ یہ ایک روحانی موت کی طرح ہے اور ایسا ثابت بھی ہو چکا ہے۔

جب کوئی شخص کسی اصول کو قبول کرتا ہے اور اس پر بے دلی سے ایمان لاتا ہے وہ سچا ایمان لانے والا نہیں ہوتا۔ ہم ایسے "ایمان والوں" سے جو روحانی طور پر منافق ہوتے ہیں سے کیا امید رکھ سکتے ہیں؟

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ 325 صدی عیسوی کے وقت عیسائیوں کی اکثریت "کافر" تھی اور وہ بت پرست اور مشرکانہ معاشرے سے تعلق رکھتے تھے۔ چناچہ وہ پال یا جان کی طرح عیسائیوں کے مدحدانہ عقائد کو قبول نہیں کرتے تھے۔

میری ماں کون ہے؟ میرے بھائی کون ہے؟ جو کوئی میرے باپ کے احکامات پر عمل کرے وہ جنت میں میرا بھائی، بہن اور ماں ہو گے۔ (میتھیو 12:48،50) ان کے نزدیک رشتے صرف روحانی تھے۔

وہ پال ہے جنہوں نے بت پرستی اور کئی "خداؤں" اور "آقائوں" کی عبادت کے خلاف اعانت کا اظہار کیا۔ وہ لکھتے ہیں، "بتوں پر قربان کی گئی خوراک کو کھانے سے متعلق: ہم جانتے ہیں کہ بت اس دنیا میں کوئی معنی نہیں رکھتے اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اگرچہ آسمانوں اور زمینوں میں کئی خود ساختہ خدا ہیں، ہمارے لیے صرف ایک خدا ہے (1 کورنتھا ئیز 8:4-6)

جان کی انجیل میں کچھ آیات کے علاوہ پہلی تین انجیل (میتھیو، مارک، لوقا) میں ایسا مواد بہت کم ہے جس کو عیسائی عیسیٰؑ کی خدائیت ثابت کرنے کے لیے استعمال کر سکیں۔ ایک حصہ جس کو وہ استعمال کرتے ہیں مندرجہ ذیل ہے:-

جب عیسیٰؑ کائی سریا فلپی کے علاقے میں آئے تو انہوں نے اپنے شاگردوں سے پوچھا 'لوگ ابن آدم کس کو کہتے ہیں؟ 'انہوں نے جواب دیا' کچھ جان بپتیسمہ دینے والے کو، کچھ الیاسؑ کو اور کچھ یرمیاہ کو اور دوسرے نبیوں میں سے ایک نبی کو، 'لیکن تم کیا سوچتے ہو؟' اس نے پوچھا 'تمہارے خیال میں، میں کون ہوں؟' سائمن پیٹر نے جواب دیا "تم عیسیٰؑ ہو، بقید حیات خدا کے بیٹے۔ 'عیسیٰؑ نے جواب دیا "تم پر خدا کی رحمت ہوئی، سائمن جوناہ کے بیٹے کیونکہ تم پر یہ بات اشکار کسی انسان نے نہیں بلکہ آسمانوں میں میرے باپ نے کی" (میتھیو 16:13-17)

اس حصے میں کئی قابل غور نقاط ہیں:-

1:- عیسیٰؑ اپنے آپ کو "ابن آدم" کہتے ہیں جو کہ آدمی "یا" انسان "کے مترادف تھا۔ ہبرو کے صحیفوں میں اصطلاح" ابن آدم "ایک بار زبور میں آئی ہے (زبور 80:17) اور چار بار یرمیاہ میں (33،49:18،50:40،51:43) جہاں "ابن آدم" اور "مرد" ایک دوسرے کے مترادف ہیں۔

ازیکائل میں "ابن آدم" کو کثرت سے استعمال کیا گیا ہے (93 بار!)۔ ہر بار حضرت دوالکفلؑ کو اللہ نے ان الفاظ کا استعمال کر کے مخاطب کیا۔ پیغمبر دانیالؑ کو بھی "ابن آدم" کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔ (دانیال 17-8:16)۔ چناچہ اس بات سے واضح ہے کہ عیسیٰؑ نے "ابن آدم" اپنی پیغمبری میں ان کی انسانیت پر زور دینے کے لیے استعمال کیا: یہ ان عیسائیوں کی نفی کرتی ہے جو آپؑ کے ربانیت پر زور دیتے ہیں اور آپؑ کو خدا بتلاتے ہیں۔

بہت سے عیسائی مفکر اس بات پر توجہ دیتے ہیں کہ عیسیٰؑ کا "ابن آدم" کا استعمال دانیال 7:13 سے حاصل کردہ ہے۔ جس میں بیان ہے "میں نے خواب میں دیکھا کہ میری طرح ایک خدا کا بندہ آسمان سے نازل ہوا۔ وہ قدیم زمانے کی طرف آیا اور خدا کو اس پر ظاہر کیا گیا۔ اور اس کو سلطنت اور غلبہ عطا کیا گیا تھا تاکہ تمام لوگ اور قومیں اس کی اطاعت کریں۔ اس کا غلبہ ہمیشہ رہنے والا ہے اور اس کی سلطنت کو تباہ نہیں کیا جائے گا"۔

یہاں "خدا کا بندہ" ہبرو کا "ابن آدم" نہیں بلکہ آرامک "بارنوش" ہے جس کا مطلب انسان ہوتا ہے۔ اس کو دانیال 2:38 اور 5:21 میں جمع کے صیغے میں استعمال کیا گیا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ عیسیٰؑ ارمانی زبان استعمال کر رہے تھے لیکن وہ یقیناً ہبرو بھی جانتے تھے۔ ان آیات میں خواب میں دیکھے گیا شخص "ابن آدم کی طرح تھا" اور اس میں کوئی شک نہیں رہ جاتا ہے کہ یہ شخص میسحا، "عیسیٰؑ" ہیں۔ قرآن کی رو سے اس میں کوئی مذائقہ نہیں ہے کیونکہ قرآن میں آپؑ کو کئی بار "مسیحا" اور "عیسیٰؑ" کہا گیا ہے (3:45؛ 171-172، 4:157، 5:17، 72، 75، 9:30، 31)

2۔ چناچہ جب پیٹر نے عیسیٰؑ کے سوال وہ کون ہیں کا جواب ان الفاظ سے دیا "آپ مسیحا ہو" تو اس میں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ تاہم الفاظ "بقید حیات خدا بیٹے" کی تشریح عیسائی مفکروں نے آپؑ کی خدائیت کے طور پر کی ہے۔ (خدا کے لفظ سے پہلے زندہ ہونا 'خدا کے بیٹے' میں کوئی اضافہ نہیں کرتا کیونکہ یہ خدا کو بیان کرتا ہے نا کہ بیٹے کو۔

ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ "خدا کا بیٹا" ہونا کسی خدائیت کا اظہار نہیں کرتا کیونکہ آدمؑ کو بھی "خدا کا بیٹا" کہا گیا تھا (لوقا 3:38) اور فرشتوں کو بھی (جاب 1:6، 2:1)۔

عیسیٰؑ کی خدائیت کو ثابت کرنے کے لیے محض "خدا کا بیٹا" کے خطاب سے بڑی دلیل چاہیے۔

3۔ جب پیٹر نے عیسیٰؑ کا مسیحا ہونے اقرار کیا تو آپؑ نے فرمایا "تم پر خدا کی رحمت ہوئی اے سائمن جوناہ کے بیٹے، یہ تم پر کسی آدمی کی طرف سے نہیں بلکہ آسمان میں موجود میرے باپ کی طرف سے اشکار کیا گیا ہے"۔ زیادہ تر عیسائی یہاں کی گئی بات کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ یہاں آپؑ نے ایک اہم چیز کا اعلان کیا: عیسیٰؑ کا مسیحا ہونے کا علم خدا کی طرف سے ذاتی تعلیم ہے۔ "یہ تم پر کسی مرد نے اشکار نہیں کیا---" ابن آدم "نے نہیں بلکہ "آسمان میں موجود خدا نے کیا"۔ کیا یہ صرف پیٹر کے لیے تھا اور کسی کے لیے نہیں؟ یہ بات واضح ہے کہ عیسیٰؑ ایک بنیادی روحانی سچائی کی تصدیق کر رہے ہیں کہ عیسیٰؑ کون ہیں کا علم صرف خدا کی طرف سے عطا کیا جا سکتا ہے اور کسی انسان سے نہیں۔ ان کو "مسیحا" اور "مسیح" کہا جانے کا علم ہونے کا یہ مطلب نہیں ہمیں ان کے "مسیحا" ہونے کا مفہوم بھی پتہ ہے۔ مثال کے طور پر بہت سے یہودی جانتے ہیں کہ عیسیٰؑ کو مسیحا کہا جاتا ہے مگر بہت کم ان کو بطور مسیحا قبول کرتے ہیں۔

مشاہدے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عیسیٰؑ نہیں چاہتے تھے کہ لوگ ان پر بطور مسیحا ایمان لائیں، در حقیقت آپؑ ان کے مسیحا ہونے کا اعلان بھی نہیں کرنا چاہتے تھے اور اس کو "خفیہ' رکھنا چاہتے تھے۔ اس کو پہلی تین انجیل میں دیکھا جا سکتا ہے۔ پیٹر کے حضرت عیسیٰؑ کے مسیحا ہونے کے عقیدے کو بیان کرنے کے فوراً بعد آپؑ نے ان لوگوں میں اس بات کا اعلان کرنے سے منع کر دیا۔ "تب انہوں نے اپنے شاگردوں کو سختی سے کسی کو نہ بتانے کی تلقین کی کہ وہ مسیحا ہیں"۔ (میتھیو 16:10 دیکھیں اور مارک 8:30 نے اس پر زور ڈالا ہے)۔ اس کے فوراً بعد وہ اپنے تین خاص شا

گردوں کے ساتھ پہاڑ پر چڑھ گئے اور وہاں ان کے سامنے ہیئت تبدیل کی اور انہوں نے آپؑ کی شان کو دیکھا اور موسٰیؑ اور الیاسؑ سے بات چیت کرتے دیکھا۔

اور اس واقعے کے فوراً بعد" جب وہ پہاڑ سے واپس اتر رہے تو عیسیٰؑ نے انہیں حکم دیا"اس قصے کا کسی سے ذکر نہ کرنا حتیٰ کہ مردوں کو زمین سے اٹھایا جائے"(میتھیو17:9،مارک9:9)

"کسی کو نہ بتانے" کی ہدایت کا آپؑ کے گونگے، بہرے شخص کو تندرستی عطا کرنے کے بعد ذکر پایا جاتا ہے (مارک7:36)۔اس شخص کو تندرستی دینے کے بعد جس کو جزام تھا(لوقا5:41)۔ایک مردہ لڑکی کو زندہ کرنے کے بعد(لوقا8:56)۔ان تمام مثالوں سے واضح ہے کہ آپؑ کے معجزے ادا کرنے کا مقصد شہرت حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ ان کا علاج شفقت کے جذبے کے تحت کیا گیا۔لیکن اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ وہ لوگوں کو ان کے مسیحا ہونے کا علم اللہ کی طرف سے عطا کیا جانا چاہتے تھے نہ کہ اس وجہ سے کہ انہوں نے آپؑ کے معجزوں کے بارے میں سنا۔

ایسا نہیں کہا جا سکتا کہ عیسیٰؑ لوگوں کا ان پر بطور مسیحا ایمان نہیں چاہتے تھے۔بلکہ وہ اس بات سے فکر مند تھے کہ لوگ ان پر کس طرح کا ایمان لاتے تھے۔خدا کی طرف سے عطا کیا گیا ایمان اور انسان کی طرف سے دیا گیا دو بہت مختلف چیزیں ہیں۔وہ نہیں چاہتے تھے کہ لوگ ان پر دوسرے لوگوں کی باتوں کی وجہ سے ایمان لائیں۔بلکہ وہ ایسا ایمان چاہتے تھے جو خدا کی طرف سے ان کے دل میں ڈالا گیا ہو۔

یہی وجہ ہے وہ کہ قلیل اشرافیہ کی طرف سے مسلط کیے گئے کسی بھی ایمان کو رد کرتے ہیں اور ایسے ایمان کی کوئی روحانی حیثیت نہیں۔مذہبی رہنماؤں کا کام سچے مذہب کی تعلیم اور تشریح کرنا ہے(جو ہم یہاں کر رہے ہیں) مگر وہ کسی کو مجبور یا اس پر مذہب مسلط نہیں کر سکتے۔عائد کیے گئے مذہب کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ایک انسان کا مذہب اور ایمان کیسے سچا ہو سکتا ہے جبکہ اس کو اس مذہب کو ماننے پر مجبور کیا گیا ہو؟اس کا مطلب ہے مذہب کی تبلیغ دعوت کے ذریعے ہونی

چاہیے نا کہ کسی بھی قسم کے جبر کے ذریعے۔ اس کی پروان خدا کی طرف سے سچے جذبے کے ذریعے ہونی چاہیے نا کہ صرف انسانی شوق سے۔

عیسائی چرچ کا اپنے عقیدے کی تشریح کرنا غلط نہیں ہے بلکہ اس کا لاگو کرنا غلط ہے۔اس کے علاوہ ایسا کرنا خود کو تباہ کرنے کے برابر ہے کیونکہ اس کا نتیجہ ایسے ایمان والوں سے بھرے چرچ کی صورت میں نکلا ہے جو اپنے ایمان کا اعلان تو کرتے تھے مگر ان کے دل ایمان سے خالی تھے۔یہی وجہ ہے کہ ان ایمان والوں کے اعمال کافروں کے اعمال سے بھی برے ہیں اور یہ اپنے مذہب کے لیے شرمندگی کا باعث ہیں۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قرآن جو تورات اور انجیل کی شکل میں نازل کیے گئے صحیفوں کی تصدیق کرتا ہے، حضرت عیسٰیؑ کے میسحا ہونے کی بھی تصدیق کرتا ہے۔دانیال 14-7:13 میں عیسٰیؑ کی مافوق الفطرت بادشاہی، جس کو اللہ پوری دنیا میں حکمرانی عطا فرمائے گا، کے ذریعے تصویر کشی قرآن کی تعلیمات سے مطابقت رکھتی ہے (43:61)

"لیکن ایسا کب واقع ہو گا؟ بے شک قیامت کسی بھی وقت واقع ہو سکتی ہے۔یہ ان پر واقع ہو جائے گی اور ان کو خبر بھی نہ ہو گی۔چناچہ ان کو اختلافات بھلا کر سیدھے راستے پر آ جانا چاہیے" (نوٹ 4665 حوالہ، 12:10)

یہ عیسٰیؑ کے الفاظ "ابن آدم ایسے وقت پر آئے گا جسکی تم کو توقع نہ ہو گی" سے مطابقت رکھتے ہیں۔

آیت 43:61 "عیسٰیؑ روز قیامت کی نشانی ہیں" جس کی یوسف علی نے ایسے تشریح کی ہے "یہ عیسٰیؑ کی دوسری آمد ہے روز قیامت سے پہلے آخری دنوں میں۔" (نوٹ 4662)

حضرت عیسٰیؑ کی دوسری آمد کو احادیث میں بیان کیا گیا ہے۔ایک ایسی ہی حدیث میں عیسٰیؑ کی آمد کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔مندرجہ ذیل میں اس حدیث کا مختصر حصہ ہے۔

"جب دجال یہ کر رہا ہو گا (جھوٹے معجزے دیکھا کر لوگوں کو دھوکہ) تو اللہ عیسیٰؑ ابن مریم کو بھیجے گا۔ وہ دمشق کے مشرق میں سفید مینار پر اتریں گے۔ دو پیلے رنگ کے لباس پہنے ہوں گے، اور ان کے ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر ہوں گے۔ جب وہ اپنا سر جھکائیں گے تو اس سے پانی کے قطرے گریں گے اور جب وہ سر اٹھائیں گے تو پانی کے قطرے موتیوں کی طرح گریں گے۔ کسی مشرک کو ان کے سانس کی خوشبو سونگھنے کی اجازت نہ ہو گی حتیٰ کہ وہ مر جائے اور ان کی خوشبو حد نگاہ تک پھیل جائے گی۔ وہ اسے لد کے دروازے پر پائیں گے اور قتل کر دیں گے۔ عیسیٰؑ ان لوگوں کے پاس آئیں گے جنہیں اللہ نے دجال سے پناہ دی۔ وہ ان کے چہروں سے مٹی صاف کریں گے اور انہیں جنت میں درجوں کی خوشخبری دیں گے۔(1859، نواس ابن مسمعانؓ نے آپ ﷺ سے یہ حدیث روایت کی ہے1870-1860)

دجال کے متعلق مندرجہ ذیل تعلیمات دی گئی ہیں۔

"ہر پیغمبر نے اپنی قوم کو کانے جھوٹے کے خطرے سے آگاہ کیا۔ دیکھو وہ کانا ہے اور تمہارا رب کانا نہیں۔ دجال کی آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہو گا" (انسؓ نے حضرت محمد ﷺ سے روایت کی ہے1868)

دجال کے کانا ہونے کا مطلب یہ ضروری نہیں کہ وہ جسمانی طور پر کانا ہو گا۔ خاص طور پر اس ان الفاظ "تمہارا رب کانا نہیں" کو مد نظر رکھتے ہوئے۔

یہاں "کانے" سے مراد ایسا شخص جو روحانیت سے عادی ہو اور جس کو اس کی انا اور فخر نے اندھا کر دیا ہو۔

سورۃ 43 میں آخری آیت جو ہماری گفتگو سے متعلق ہے مندرجہ ذیل ہے۔

آپ کہہ دیجئے ! کہ اگر (اللہ) بالفرض رحمٰن کی اولاد ہو تو میں سب سے پہلے عبادت کرنے والا ہوتا۔

اس آیت کا یہ مطلب لیا جا سکتا ہے "اللہ کا کوئی بیٹا نہیں، اگر اس کا کوئی بیٹا ہو تو میں اس کی عبادت کرنے والے پہلے لوگوں میں سے ہوتا" یا "اگر اللہ کا واقعی میں کوئی بیٹا ہے تو میں اس کی عبادت کرنے والا پہلا شخص ہوتا"۔ اگر اس بات کا یقین ہے کہ اللہ کا کوئی بیٹا نہیں تو "اگر ہوتا" کا کیا مقصد ہے؟ کیا صرف طنز کے طور ایسا کہا گیا ہے؟ دوسرا معنی شاید کھلی ذہنیت کے اظہار لیے بھی ہو سکتا ہے۔

یوسف علی تشریح کرتے ہوئے دوسرے معنی کو ترجیح دیتے ہیں۔

"اللہ کے رسول سچی عبادت کی مخالفت نہیں کرتے۔ مگر اس کا سچا ہونا ضروری ہے۔ یہ ضروری ہے کہ یہ عبادت او ہام پرستی، اللہ کی شان میں توہین اور خدا سے جھوٹے خیالات کو منسوب کرنے والی نہ ہو"

ایسا خیال ہے کہ اللہ کی انسانوں کی طرح شریک حیات ہے جس نے ایک بیٹے کو جنم دیا نہ صرف بالکل غلط بلکہ اللہ کی شان میں گستاخی ہے۔ ایسے جھوٹے خیالات کے تناظر میں یوسف علی بالکل صحیح ہیں۔ "نہ اس نے کس کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا" (نوٹ 4680)۔ بلاشبہ وہ آیت 112:3 کو دہرا رہے ہیں "نہ اس نے کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا"

عیسیٰؑ کا سورۃ 57 میں ذکر

پھر ان کے پیچھے انہی کے قدموں پر (اور) پیغمبر بھیجے اور ان کے پیچھے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا اور ان کو انجیل عنایت کی۔ اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی ان کے دلوں میں شفقت اور مہربانی ڈال دی۔ اور لذات سے کنارہ کشی کی تو انہوں نے خود ایک نئی بات نکال لی ہم نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا تھا مگر (انہوں نے اپنے خیال میں) خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے (آپ ہی ایسا کر لیا تھا) پھر جیسا اس کو نباہنا چاہیئے تھا نباہ بھی نہ سکے۔ پس جو لوگ ان میں سے ایمان لائے ان کو ہم نے ان کا اجر دیا اور ان میں بہت سے نافرمان ہیں

"ہم نے ان کے بعد عیسیٰؑ ابن مریم کو بھیجا اور ان پر انجیل نازل کی"۔ "نازل کرنا" سے مراد دینا ہے۔ اور شاکر، پکتھل، داؤد اور دوسروں نے اسکا یہی ترجمہ کیا ہے۔ اہم نقطہ یہاں یہ ہے کہ انجیل خدا کی طرف سے ہے۔ کسی انسان کی سوچ نہیں۔ بلکہ وہ قرآن کی طرح اللہ کی طرف سے ہیں۔ اور جو کوئی کسی بھی وجہ سے ان تعلیمات کو رد کرے اس کو احساس ہونا چاہیے کہ اللہ کے الفاظ کو رد کر رہا ہے اور کسی انسان کے نہیں۔ اور اسے سخت نتائج کا سامنا کرے پڑے گا۔

"اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی ہم نے ان کے دلوں میں شفقت اور مہربانی ڈال دی" یہ الفاظ عیسیٰؑ کی پیغمبری اور ان کی تعلیمات کا نچوڑ ہیں۔ رحمت اور شفقت خود اللہ کی صفات میں سے ہیں اور یہی وہ صفات ہیں جو اللہ "ان کی پیروی کرنے والوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے" یہاں الفاظ کا استعمال اللہ کی صفات اور اس کے طور طریقے کو بڑی خوبصورتی سے بیان کرتا ہے۔

اللہ اپنی رحمت اور شفقت ان لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے جو عیسیٰؑ کی پیروی کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ ایک غیر معمولی بیان ہے۔ لیکن یہ صرف عیسیٰؑ کے سچے پیروکاروں کے لیے ہے۔ نہ کہ خود ساختہ "عیسائیوں" کے لیے۔

اس آیت کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے اس بات کو واضح ہونا ضروری ہے کہ رحمت اور شفقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور یہ انسان کی اندرونی صفات میں سے نہیں ہے۔ اسکا مطلب یہ خود اللہ کی خدائی صفت ہے۔ قرآن کی شروعات اللہ کی صفات کے اظہار سے ہوتی ہے۔ "شروع اللہ کے نام سے جو بڑا رحمٰن، نہایت رحم کرنے والا ہے" یہ قرآن کے پہلے الفاظ ہیں (1:1)۔ ان الفاظ کو قرآن کی ہر سورۃ سے پہلے دوہرایا گیا ہے۔

تاہم ان الفاظ کی مختلف ترجمہ کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر یوسف علی کی تشریح "سب سے زیادہ رحم کرنے والا، سب سے مہربان" کا ترجمہ پکتھل، شاکر، اور زیدن نے "کرم فرما اور رحمٰن" سے کیا ہے۔ جبکہ داؤد نے "ہمدرد اور رحمان" سے کیا ہے۔ ان تمام کوششوں کا مقصد دو الفاظ رحمٰن اور رحیم کا ترجمہ کرنا ہے۔ قرآن رحمٰن کا مقصد اللہ کو طاقتور، پرشکوہ اور رحمدل بیان کرنا ہے۔ لفظ رحیم اللہ کی ذات میں معاف کرنے اور رحم کرنے کی انتہائی صفت کو ظاہر کرتا ہے۔[43]

سورۃ الفاتحہ کی سات آیات میں رحمٰن اور رحیم دو بار آیا ہے (1:1،3)۔ رحیم سورۃ نمبر 2 میں 12 بار اور قرآن میں 120 بار آیا ہے۔ یہ اعداد و شمار اللہ کی رحم کی صفت کا اجاگر کرتے ہیں۔

عربی اور ہبرو سامی زبانیں ہیں چنانچہ یہ بات حیرت انگیز نہیں ہے کہ تورات میں بھی یہی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

[43] قرآن کبھی اللہ کی رحمت اور ہمدردی کی صفات کو بیان کرتے نہیں تھکتا۔(ایتھیکو۔ ریلیجس۔ کنسیپٹ ان دی قرآن، توشی ہیکو زتسو، مگل۔ کوین یونیورسٹی پریس، 2002)

33:19 میں رب نے جواب دیا، ''میں اپنی پوری بھلائی تیرے سامنے سے گزرنے دوں گا اور تیرے سامنے ہی اپنے نام رب کا اعلان کروں گا۔ میں جس پر مہربان ہونا چاہوں اُس پر مہربان ہوتا ہوں، اور جس پر رحم کرنا چاہوں اُس پر رحم کرتا ہوں۔

ہبرو کے ان الفاظ کو بعض اوقات ''رحم'' سے بھی ترجمہ کیا جاتا ہے۔ اس سے دیکھا جا سکتا ہے کہ رحم اور ہمدردی ایک دوسرے کے کتنے مترادف ہیں۔ اور عربی میں بھی ایسا ہی ہے۔ قرآن کی طرح، تورات اور بائبل میں ''ہمدردی'' کو اللہ کے کردار کو بیان کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے اور یہی ہمارے بیان کرنے کا مقصد ہے۔ کیونکہ عیسٰیؑ نے اسی بائبل کو استعمال کیا۔

ہمدردی اور شفقت عیسٰیؑ کی تعلیمات کی سیرت بیان کرتے ہیں؛ کہ یہ چیزیں عیسٰیؑ کے پیروکاروں کے دل میں ڈال دی جاتی ہیں اور عیسٰیؑ کے پیغمبری میں اللہ کے کام کو دیکھاتی ہے۔ اور ان چیزوں کا پیروکاروں کے دلوں میں ڈالا جانا ان کے دل تبدیل کرنے سے کم نہیں۔ کہ اگر انسان اس صفت کے ساتھ پیدا کیے جاتے تو اللہ کو ان کے دلوں میں صفات ڈالنے کی ضرورت نہ تھی۔ اللہ کا دلوں کو پھیر دینا عیسٰیؑ کی پیغمبری کی صحیح طور پر بیان کرتا ہے۔ عیسٰیؑ کی تعلیمات اور ان کے پیروکاروں کے دلوں کا پھرنا ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ دلوں کی تبدیلی اللہ کی طرف سے کی جا تی ہے ایسے ہی انجیل بھی اللہ کی طرف نازل کی گئی ہے۔ انجیل (قرآن کی طرح) کسی انسان نے نہ بنائی بلکہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس میں لوگوں کی زندگی بدلنے کی طاقت ہے۔ انجیل جو کہ عیسٰیؑ نے اللہ کی طرف سے پائی رحمت اور ہمدردی کی خدائی صفات کو منعکس کرتی ہے۔ ''رحمدلوں کو مبارک ہو کہ وہ رحمت عطا کیے جائیں گے'' اور ''اپنے

آسمانوں میں باپ کی طرح رحمدل بن جاؤ" چند مثالیں ہیں۔ عیسیٰؑ کی تعلیمات میں رحمدلی اور ہمدردی کو روحانیت کے تناظر میں "محبت" کے ساتھ ملا کر بیان کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ آپؑ کی مشہور تعلیمات میں بیان ہے۔

اپنے پڑوسی سے محبت کر اور اپنے دشمن سے نفرت کر۔اس کہی ہوئی بات کو تم نے سنا ہے۔ لیکن میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ تم اپنے دشمنوں سے محبت کرو اور تمہارا نقصان پہنچانے والے کے لئے تم دعا کرو۔تب تم آسمان میں رہنے والے تمہارے باپ کے حقیقی بچّے ہوگے۔کیوں کہ تمہارا باپ سورج کو نکالتا اور چمکاتا ہے دونوں کے لئے بروں اور نیکوں دونوں کے لئے بارش بھیجتا ہے دونوں کے لئے راستباز اور غیر راستباز۔تم سے محبت رکھنے والوں سے اگر تم بھی محبت رکھو گے تو تم کو اس سے کیا صلہ ملے گا ؟اس لئے کہ محصول وصول کرنے والے بھی تو ایسا ہی کرتے ہیں۔اگرتم صرف اپنے دوستوں کے حق میں اچھے بننا چاہتے ہو تو ایسے میں تم دوسروں سے کوئی اتنے اچھے نہیں ہو۔اس لئے کہ خدا کو نہ پہچاننے والے لوگ بھی اپنے دوستوں سے اچھے رہتے ہیں۔(متی47-5:43)

عیسیٰؑ کی تعلیمات سے یہ واضح ہوتا ہے:

1۔ان لوگوں سے محبت جو ہم سے نفرت کرتے ہیں قدرتی ہے۔ لیکن ان لوگوں سے محبت جو ہم سے نفرت کرتے ہیں خلاف قدرت ہے۔درحقیقت ان لوگوں سے محبت کرنا ناممکن ہے یہاں تک کہ اللہ ہمارے دلوں کو پھیر دے۔یہی وجہ ہے قرآن کہتا ہے اللہ ان لوگوں کے دلوں میں محبت اور ہمدردی ڈال دیتا ہے جو عیسیٰؑ کی اطاعت کرتے ہیں(57:27)

2۔اگر عیسیٰؑ کے پیروکار اس طریقے پر عمل کریں گے جو عام ہے (ان لوگوں سے محبت جو محبت کرتے ہیں، اور ان لوگوں سے نفرت، جو نفرت کرتے ہیں) تو ان میں اور بت پرستوں میں کوئی فرق نہ رہ جائے گا۔ اس طریقے میں "اللہ کے بندوں" اور "دنیا کے بندوں" میں کوئی چیز فرق کرنے والی نہ ہو گی۔

3۔ دشمنوں سے محبت کرنے کا مطلب برائی سے سمجھوتہ نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے اوپر حوالہ دیے گئے الفاظ میں اچھے اور برے، نیکوکاروں اور گناہ گاروں کے درمیان فرق واضح ہے۔

آپ یا تو دشمن کو تباہ کر سکتے ہیں یا اس کے دل جیت سکتے ہیں۔ تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ دشمن کو محبت کرنا" برائی پر اچھائی سے غلبہ پانے "کا ایک طریقہ ہے۔ بے شک یہ یقینی بات نہیں ہے کہ ایسا کیا جا سکتا ہے پس یہ محبت کرنا مزید مشکل بنا دیتا ہے۔

4۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عیسیٰؑ خود کو "اللہ کا بیٹا" نہیں کہتے بلکہ ان لوگوں، جن کا مقصد اپنی زندگی اللہ کے حکموں کے مطابق گزارنا ہے کو اللہ کا "بیٹا" کہتے ہیں۔ وہ لوگ جو عیسیٰؑ کی تعلیمات کو سمجھتے ہیں، جانتے کہ یہ معنی روحانی طور پر ہے۔ ایک سچا بیٹا اپنے باپ کی اطاعت کرتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک جسمانی بیٹا جو اپنے باپ کا نافرمان ہو "بیٹا" کہلانے قابل نہیں۔

5۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے حکموں کے مطابق زندگی گزارتے ہیں جن کے دلوں کو اللہ تبدیل کر رہا ہے۔ اس آیت کو 57:27 میں مختصراً بیان کیا گیا ہے۔ " پھر ان کے پیچھے انہی کے قدموں پر (اور) پیغمبر بھیجے اور ان کے پیچھے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا اور ان کو انجیل عنایت کی۔ اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی ان کے دلوں میں شفقت اور مہربانی ڈال دی۔ اور لذات سے کنارہ کشی کی تو انہوں نے خود ایک نئی بات نکال لی ہم نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا تھا مگر (انہوں نے اپنے خیال میں) خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے (آپ ہی ایسا کر لیا تھا) پھر جیسا اس کو نباہنا چاہیئے تھا نباہ بھی نہ سکے۔ پس جو لوگ ان میں سے ایمان لائے ان کو ہم نے ان کا اجر دیا اور ان میں بہت سے نافرمان ہیں"۔ (میتھیو 22:37، مارک 33،12:30)

جیسا آیت 57:27 میں ہے، عیسائیت میں بہت کچھ "اپنی طرف سے ایجاد کیا گیا اور ہم نے اسکی تعلیم نہ دی"۔ ان چیزوں نے انہیں عیسیٰؑ کی تعلیمات کی پیروی سے روک دیا۔ آج عیسائی چرچ کا بڑا حصہ "عیسیٰؑ کے بغیر عیسائیت" پر مشتمل ہے۔ ایسی عیسائیت جس میں عیسیٰؑ صرف نام کے ہیں اور ان کی تعلیمات بھلا دی گئی ہیں۔

دوسرے الفاظ میں عیسائیوں کی اکثریت برائے نام روحانیت سے عاری عیسائی بن چکے ہیں۔ وہ اپنی زندگی ایسے گزارتے ہیں جس کو شاید ہی بت پرستوں اور مشرکوں سے مختلف کہا جا سکتا ہے۔ عیسٰیؑ کی تعلیمات کی آج کے عیسائی چرچ میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ اور وہ عیسائی جن کو اللہ کی جانب سے تبدیل کر دیا گیا ڈھونڈنا مشکل ہے۔

57:27(B) ہم نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا تھا مگر (انہوں نے اپنے خیال میں) خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے (آپ ہی ایسا کر لیا تھا) پھر جیسا اس کو نباہنا چاہیئے تھا نباہ بھی نہ سکے۔ پس جو لوگ ان میں سے ایمان لائے ان کو ہم نے ان کا اجر دیا اور ان میں بہت سے نافرمان ہی۔

ہم "اللہ کی خوشنودی" تلاش کرتے ہیں مگر یہ تلاش اسکی مرضی کے مطابق ہے؟ اور یہ وہ لوگ کرتے ہیں جو "ایمان رکھتے ہیں"۔ وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں وہ صرف رواج اور روایات ادا نہیں کرتے بلکہ اللہ کے حکموں کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔ یہی ہم آیت نمبر 2:207 میں پاتے ہیں"۔

"اور بعض لوگ وہ بھی ہیں کہ اللہ تعالٰی کی رضامندی کی طلب میں اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ تعالٰی اپنے بندوں پر بڑی مہربانی کرنے والا ہے" (2:207) لیکن زیادہ تر عیسائی اللہ کی رضا کے لیے جان تو دور اس کی تلاش بھی نہیں کرتے۔ وہ اللہ کے لیے نہیں بلکہ اپنے لیے زندگی گزارتے ہیں۔ وہ عیسٰیؑ کی تعلیمات کی پیروی نہیں کرتے لیکن خود کو عیسائی کہتے ہیں۔ قرآن صحیح طور پر ان کو حد سے تجاوز کرنے والے "باغی" کہتا ہے۔

اس معاملے پر یوسف علی لکھتے ہیں

"عیسائی چرچ میں بدعنوانی، رونگٹے کھڑے کردینے والے اختلافات، آپس کی چپقلش اور فرقہ وارانہ فسادات اسلام کی آمد کے وقت رسوائی کا باعث بن چکے تھے۔ جبن کے عظیم تاریخ کے صفحات اس بات کے گواہ ہیں۔ نہ صرف مذہب شان سے عاری ہو گیا بلکہ لوگوں اور پادریوں کی زندگی رسوائی کی گہرائیوں میں گر چکی تھی۔(آیت 57:27پر نوٹ 5324)

آج کل کے دور میں زیادہ تر صورتحال ایسی ہی ہے۔

57:28 اے وہ لوگوں جو ایمان لائے! خدا سے ڈرو اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ وہ تمھیں اپنی رحمت سے دگنا اجر عطا فرمائے گا اور تمہارے لئے روشنی کر دے گا جس میں چلو گے اور تم کو بخش دے گا۔ اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

"اے وہ لوگوں جو ایمان لائے" یوسف علی صحیح طور پر کہتے ہیں کہ یہ الفاظ عیسائیوں کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ "سیاق وسباق کے مطابق، یہ عیسائیوں اور ان اہل کتاب کے لیے استعمال ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے ایمان کو سچا رکھا۔ نوٹ (5325)۔ پچھلی آیت میں عیسائیوں کو مخاطب کیا گیا اور اگلی آیت میں بھی "اہل کتاب" سے مخاطب ہوا گیا۔ یہاں اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ عیسائیوں کی اس روحانی بگاڑ کے درمیان ایک چھوٹا سا طبقہ ایسا ہے جو سچے ایمان والے ہیں۔ موجودہ آیت میں ان کو مخاطب کیا گیا ہے۔ ان کو، اس روحانی تاریکی میں جو انہیں گھیرے ہوئے ہے اور ان کو دبا رہی ہے، اپنے ایمان کی حفاظت کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

"اللہ سے ڈرو اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ"

یہ الفاظ آیت 3:50 اور 43:63 سے مشابہت رکھتے ہیں۔

، "اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو"، سو ممکن ہے کہ یہاں "اس کے پیغمبر" سے مراد عیسیٰؑ ہیں جو اللہ کی طرف سے بھیجے گئے (57:27) اور وہ اللہ کے پیغمبر ہیں (2:87؛ 3:52؛ حوالہ 52، اس کے علاوہ خاص طور پر 61:6)۔ "پیغمبر" تاہم زیادہ تر آپ ﷺ کے لیے استعمال کیا گیا ہے سو یہ ممکن ہے کہ یہاں پیغمبر سے مراد آپ ﷺ ہوں۔ اگر ایسا ہے تو "اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ" نہ صرف قرآن کی طرف اشارہ کرے گا بلکہ کیونکہ عیسیٰؑ، کے سچے پیروکاروں

سے مخاطب ہوا جارہا ہے تو قرآن میں موجود عیسیٰؑ کے متعلق پیغام کی طرف اشارہ کرے گا۔اس طرح وہ اللہ کی دوہری رحمت حاصل کر سکتے ہیں کہ وہ قرآن سے بھی روشنی حاصل کرتے ہیں اور عیسیٰؑ کی تعلیمات سے بھی۔

چناچہ وہ روشنی "جس میں تم چلوگے" کثرت سے حاصل کرتے ہیں۔اس کاذکر آیت 2:257 میں بھی ہے۔

ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے اور کافروں کے اولیاء شیاطین ہیں۔ وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں، یہ لوگ جہنمی ہیں جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے (2:257)

لیکن ایک اور معنی کے مطابق عیسیٰؑ کے سچے پیروکار دوہری رحمت حاصل کرتے ہیں۔نہ صرف وہ اپنے سیدھے رستے کے لیے روشنی حاصل کرتے ہیں بلکہ "وہ ان کو بخش دے گا"۔سچے پیروکاروں بھی بعض اوقات ماضی میں ایسے کام کرتے رہے، یا ابھی بھی کرتے ہیں جن کے باعث ان کو بخشش درکار ہوتی ہے۔اور سچے پیروکاروں کے لیے "اللہ معاف کرنے والا، نہایت رحمٰن ہے۔"اس معاف کرنے کی صفت کو اس کی شفقت اور خدا کا فضل کہا گیا ہے اور یہ رحم والی طبعیت کو ظاہر کرتی ہے۔اس سچائی کو مندرجہ ذیل آیت میں بڑی خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے۔

57:29 (یہ باتیں) اس لئے (بیان کی گئی ہیں) کہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ خدا کے فضل پر کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے۔اور یہ کہ فضل خدا ہی کے ہاتھ ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور خدا بڑے فضل کا مالک ہے۔

اہل کتاب، عیسائی بلکہ عیسیٰؑ کے سچے پیروکاروں کو یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے کہ "اللہ کا فضل اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے"۔اللہ اپنا فضل اس وجہ سے عطا نہیں کرتا کیونکہ یہ اس پر لازم ہے بلکہ وہ اپنی منشاء سے عطا کرتا ہے۔"کہ خدا بڑے فضل کا مالک ہے"، یہ اس کی شاندار صفت ہے۔

کیونکہ یہ الفاظ "اہل کتاب" کے لیے ہیں اور اس آیت کا تعلق عیسیٰؑ سے ہے، یہ بات واضح ہے کہ بڑے فضل کا ذکر عیسیٰؑ سے متعلق ہے۔

اہل کتاب اور اللہ کے فضل کے موضوع پر یہ بات قابل توجہ ہے کہ تمام لکھاریوں میں سے پال نے سب سے زیادہ "اللہ کا فضل" کا ذکر کیا۔

اس کے علاوہ، قرآن کے اس حصے کی طرح انہوں نے رومنز کو لکھے گئے خط میں اللہ کے بے شمار فضل پر زور دیا۔ایک فقرے میں جس میں وہ عیسیٰؑ کے پیروکاروں کا ذکر کرتے ہیں لکھتے ہیں "وہ لوگ جن پر خدا کا فضل کیا گیا ہے اور سیدھا راستہ عطا کیا گیا ہے وہ عیسیٰؑ کے ذریعے سے زندگی گزاریں گے "(رومنز 5:17)

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ پال "بندے مسیح "(رومنز 5:15) کا ذکر کرتے ہیں کیونکہ ان پر عیسیٰؑ کو "خدا" بنانے کا الزام لگایا گیا ہے اور عیسائیت کو بت پرستی میں جانے کا۔ یہ یقین کرنا مشکل ہے کیونکہ وہ ایک مذہبی یہودی اور ایک خدا کو ماننے والے تھے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ عیسیٰؑ کو ایک عام آدمی سے زیادہ جس کو "اللہ کی روح" کہا جا سکے مانتے تھے لیکن انہیں نے یہ خطاب استعمال نہ کیا۔

یہ سچ ہے کہ پال نے عیسیٰؑ کو "خدا کا بیٹا" بیان کیا ہے لیکن حیران کن طور پر انہوں نے نئے عہد نامے میں یہ الفاظ دوسرے لکھاریوں سے کم استعمال کیا ہے۔ چناچہ ان پر ان خطابات کو مشہور کرنے کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ یہ بات بھی یقینی ہے کہ وہ عیسیٰؑ کو خدا کا "بیٹا" روحانی طور پر کہتے تھے اور انہوں نے کبھی یہ کہنے کی کوشش نہ کی کہ عیسیٰؑ خدا سے جسمانی طور " جنے " گئے۔ یقیناًوہ سمجھتے ہیں کہ "بیٹا" کہنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ عیسیٰؑ کا ان کی غیر مشروط تابعداری کے باعث اللہ تعالیٰ سے روحانی تعلق اتنا مضبوط تھا کہ ان کو خدا کا بیٹا کہا جا سکتا ہے۔اور ان کے خدا کے اس تعلق کی وجہ سے خدا ان پر اور ان کے پیروکاروں پر اپنا فضل کرتا ہے۔

عیسیٰؑ کا سورہ 61 میں ذکر

61:6 اور یاد کرو عیسیٰؑ ابن مریمؑ کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ "اے بنی اسرائیل، میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اُس توراۃ کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے، اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہو گا مگر جب وہ ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آیا تو انہوں نے کہا یہ تو صریح دھوکا ہے۔

یہ آیت عیسائیوں سے بحث اور اختلافات میں متعدد بار استعمال ہوئی ہے۔ لیکن اس سے کوئی بھی فائدہ تب تک حاصل نہیں کیا جاسکتا جب تک ہماری تشریح قابل اعتبار اور قائل کرنے والی نہ ہو۔ اور یہ قائل والی تب تک نہ ہو گی جب تک دلائل کا ثابت کرنے کے لیے مناسب ثبوت دستیاب نہ ہو۔ بد قسمتی سے اس آیت کی بنیاد پر جو چیزیں بطور دلائل پیش کی گئی ہیں وہ نہ صرف بے اعتبار ہیں بلکہ غلط بھی ہیں۔

آئیں "احمد" پر یوسف علی کے نوٹ (5438) کو بطور مثال لیتے ہیں۔

یوسف علی ایک مفکرانہ سوچ رکھتے ہیں اور ہم نے اس کتاب میں مناسب جگہوں پر کئی بار ان کا حوالہ دیا ہے۔ بد قسمتی سے اس موضوع پر علم رکھنے والا کوئی بھی شخص یوسف علی کے نوٹ کا مفہوم نہیں سمجھ سکتا۔ ممکن ہے کہ وہ ان الفاظ کا مفہوم بیان کرنا نہ جانتے ہوں اور وہ یہ تشریح مذہبی شوق کے باعث نہ کہ مفکرانہ سوچ کے باعث لکھتے ہوں۔ مذہبی ولولہ بہت اچھی چیز ہے مگر تشریح حقیقت پر مبنی ہونی چاہیے۔ بد قسمتی سے یہاں وہ ایسے پیغام کو پھیلانے میں ناکام رہتے ہیں۔ آئیں ان کے نوٹ کو جائزہ لیں۔

"احمد" یا" محمد" تعریف کیے گئے یونانی لفظ پیرا کلائی ٹوس کا ترجمہ ہے۔[44] جان کی انجیل [14]16، [15]26، اور [16]7، میں لفظ" غم خوار" انگریزی میں یونانی لفظ" پیرا سائی ٹوز" کا ترجمہ ہے جس کا مطلب" غم خوار" کی بجائے" وکیل"،" دوست" اور" مصیبت کے وقت پکارا جانے والا" ہے۔ ہمارے عالم بحث کرتے ہیں کہ پیرا سائی ٹوز، پیرا کلائی ٹوس کا مترادف ہے۔ اور عیسیٰؑ کی تعلیمات میں آپ ﷺ کے نام احمد سے پیشین گوئی موجود ہے۔ اگر ہم پیرا سلیٹ بھی استعمال کریں تو یہ آپ ﷺ کے لیے استعمال ہو گا جو" تمام چیزوں کے لیے رحمت" ([27]، 107) اور" پیروکاروں کے لیے بہت مہربان" ([9]، 178) ہیں۔

اگر کوئی بات ایمان والوں کے لیے لکھی جا رہی ہو جن کو قائل کرنے کی ضرورت نہ ہو تو حقیقت اور درستگی کو پرکھے بغیر کچھ بھی لکھا جا سکتا ہے۔ خاص طور پر جب لکھی گئی تحریر کو عام طور پر اسلامی مفکرین کی طرف سے قبول کیا جاتا ہو۔ جیسا کہ اس آیت میں احمد کی تشریح کی گئی ہے۔ لیکن اگر ہم غیر مسلموں یا علم والوں یا مفکروں کی ہمدردی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور ان کو قائل کرنا چاہتے ہیں تو یہ تحریر جھگڑے کے علاوہ کسی چیز کو حاصل نہیں کر سکتی۔ آئیں یوسف علی کی تحریر کا دھیان سے مطالعہ کریں۔

1۔ یوسف علی اپنے نوٹ کی شروعات میں" احمد" اور" محمد" کو ایک تصور کرتے ہیں۔ آپ کا 'احمد' اور 'محمد' کے درمیان فرق کرنے کے لیے عربی زبان میں ماہر ہونا ضروری نہیں۔ بے شک ان کی بنیاد ایک (حمد) ہے مگر ان کا معنی مختلف ہے۔ کئی بار بہت سے الفاظ کی بنیاد ایک ہوتی ہے مگر ان کا معنی ایک نہیں ہوتا۔

44 صحیح ترجمہ پیری کلائی ٹو ہے جس کا مطلب ہے ''سب سے سنا گیا'' یعنی مشہور۔ لڈل اینڈ سکاٹ گریک۔ انگلش لیکشی کون، آکسفورڈ دیکھیں۔

ماہرین نے لکھاہے کہ نامِ محمد آپ ﷺ کے زمانے سے پہلے بھی مشہور تھا۔ لیکن نام "احمد "200 ہجری کے بعد تک نایاب تھا جب تک یہ خیال عام نہ ہو گیا کہ قرآنی آیات میں "احمد "آپ ﷺ کے لیے استعمال ہوا ہے۔

2۔ اگر یہ آیت دراصل اللہ کی طرف سے پیشین گوئی ہے تو یہ سوال کیا جانا مناسب ہے: آیت 47:2 "محمد کو بھیجی گئی (کتاب) پر ایمان لاؤ" کی طرح محمد کا صاف استعمال کیوں نہ کیا گیا ہے؟ بلکہ ایک غیر مشہور نام "احمد " کو استعمال کیا گیا ہے۔

3۔ لیکن یہ تصور کیوں کیا جاتا ہے کہ "احمد " ایک حقیقی نام کے طور پر استعمال کیا گیا ہے؟ اور تعریفی نام مثلاً 'مددگار'، 'وکیل' اور 'جس کی تعریف کی گئی' کے طور پر استعمال نہیں کیا گیا۔ اپنے نوٹ کے شروع میں یوسف علی بھی تعریفی نام 'تعریف کیا گیا' استعمال کر کے اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ فقرے 'اِسْمُہُ احمد' میں آخری لفظ کو اسم کی بجائے اسم صفت کے طور پر صحیح طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ بیان کی گئی تحریر کا یہ ترجمہ کیا جا سکتا ہے 'ایک ایسے پیغمبر کی خوشخبری جس کا نام تعریف کے قابل ہے'۔ یہاں یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ کس کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے، تاہم یقیناً یہ ضروری نہیں کہ آپ ﷺ اس سے خارج ہیں۔ عیسیٰؑ نے کس کے بارے میں یہ کہا کا جواب دینے کے لیے پہلے:

ہمیں انجیل میں عیسیٰؑ کے الفاظ کی طرف لوٹنا ہو گا جیسا کہ یوسف علی نے کیا۔ وہ یوحنا میں تین آیات (14:16؛ 15:26 اور 16:7) کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ان آیات میں (اور یوحنا 14:26 میں بھی لیکن یوسف علی اس کا ذکر نہیں کرتے) عیسیٰؑ نے "پیرہ کلیٹوس" کا حوالہ دیا ہے جس کی یوسف علی نے صحیح طور پر 'وکیل' اور 'جس کو مدد کے لیے پکارا جائے' سے تشریح کی ہے۔

لیکن آگے وہ لکھتے ہیں، "ہمارے عالم بحث کرتے ہیں کہ پیرہ سلیٹوس، پیری کلائی ٹوس کی بگڑی شکل ہے اور عیسیٰؑ کی اصل پیشن گوئی میں ہمارے رسول ﷺ کا ان کے نام سے تذکرہ کیا گیا ہے"۔ اس طریقے سے بحث کرنا غلط اور منطقی طور پر افسوس دہ ہے اور ایسا کرنے والے شائد ہی "عالم" کہلانے کے قابل ہیں۔ کیوں؟ دلائل کا کچھ ثابت کرنے کے لیے حقائق پر مشتمل ہونا ضروری ہے مگر کوئی ثبوت بھی پیش نہیں کیا جاسکتا کہ پیری کلائی ٹوس کو بگاڑ کر پیرہ سلیٹوس میں تبدیل کر دیا گیا۔ یہ کسی عالم کی شان کے لائق نہیں کہ وہ اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے الزام تراشی کرے۔

دوسرا، انجیل میں چار جگہ پیری کلائی ٹوس کو پیرہ سلیٹوس سے بدلنے سے کوئی مقصد نہیں حاصل ہو سکتا۔ کیونکہ "مددگار" (وہ اس صفت کی بنا پر تعریف کے قابل ہونگے ہی) اور "تعریف کے لائق" دونوں آنے والے کی درست پیشن گوئی کر سکتے ہیں۔ تو تبدیلی سے کیا مقصد حاصل ہو سکتا ہے؟ ایک بار پھر یوسف علی یہ کہہ کر تسلیم کرتے ہیں کہ پیرہ سلیٹ آپ ﷺ کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے (پیرہ سلیٹ، پیرہ کلیٹوس کا انگریزی میں ترجمہ ہے)۔

تیسرا پیرہ سلیٹوس آپ ﷺ کے زمانے سے صدیوں پہلے انجیل میں موجود تھا تو اگر عیسائی بعد میں اسے تبدیل کرنا بھی چاہتے تھا تو اس کے لیے بہت دیر ہو چکی تھی۔

چوتھا، یوحنا یونانی میں لکھی تھی نہ کہ ہبرو میں جو عربی کی طرح آسامی زبان ہے۔ تو اگرچہ پیرہ سلیٹوس کی جگہ پیری کلا ئی ٹوس استعمال ہوا ہو تو بھی یہ تعریفی (احمد کی طرح) طور پر استعمال ہوا ہو گا نہ کہ اصل نام کی طرح۔ چناچہ یہ اس بات کا واضح جواب نہیں دیتا عیسیٰؑ کس کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔

اس کا مطلب ہے کہ جس کی طرف عیسیٰؑ اشارہ کر رہے ہیں ان کو صرف تعریفی نام کی بنیاد پر پہچانا نہیں جا سکتا، لیکن اس 'مدد گار' (یا اگر ہم چاہیں تو 'تعریف کیا گیا') کو متن کے تناظر میں تفصیلات دیکھ کر پہچانا جا سکتا ہے۔ یوسف علی نے یوحنا میں موجود لفظ 'پیرہ سلیٹوس' کا تذکرہ کیا ہے اور اس انجیل کا حوالہ دیا ہے۔ لیکن یہ واضح ہونا چاہیے کہ اس لفظ کو سمجھنے کے لیے ہمیں صرف اس لفظ کی طرف نہ دیکھنا ہو گا بلکہ اس پوری آیت کو دیکھنا ہو گا جس میں یہ لفظ آیا ہے۔ یہ لسانیت کا صحیح اصول ہے۔ عیسیٰؑ کس طرف اشارہ کر رہیں کو سمجھنے کے لیے آئیں ان چار آیات کا مطالعہ کریں جس میں لفظ پیرہ کلیٹوس آیا ہے:

یوحنا14:15-19 اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے تو تم وہی کرو گے جس کا میں نے حکم دیا ہے۔ میں باپ سے استدعا کروں گا تو وہ تمہارے لئے دوسرا مدد گار (روح القدس) دیگا۔ اور وہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا۔ وہ مدد گار یعنی روح حق جسے دنیا تسلیم نہیں کرتی کیوں کہ دنیا نہ اسے جانتی ہے اور نہ دیکھتی ہے"، لیکن تم جانتے ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور تم میں رہے گی۔ میں تمہیں اس طرح تنہا نہیں چھوڑوں گا جیسے بغیر والدین کے بچے رہتے ہیں میں دوبارہ تمہارے پاس آؤں گا۔ بہت کم وقت میں دنیا کے لوگ مجھے پھر نہ دیکھیں گے لیکن تم مجھے دیکھو گے تم زندہ رہو گے اس لئے کہ میں زندہ ہوں۔

عیسیٰؑ نے اس آیت میں کس روح القدس یا مدد گار کا ذکر کیا ہے؟ پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں اللہ تمہیں ایک روح القدس عطا کرے گا۔ یہ اشارہ دیتا ہے کہ وہ خود ایک روح القدس ہیں اور روح القدس کو "روح الحق" کہا گیا ہے۔
دوسرا، عیسیٰؑ اشارہ دیتے ہیں کہ وہ دنیا سے کوچ کر جائیں گے، "دنیا مجھے نہ دیکھ سکے گی"؛ لیکن وہ اس کو یتیم نہ چھوڑیں

گے، "میں تم میں سے واپس آؤں گا"۔ لیکن اگر وہ ان کو چھوڑ رہے ہیں تو وہ ان میں واپس کیسے آئیں گے؟ اس کا جواب پہلے نقطے میں پایا جاتا ہے: وہ ان میں واپس آئیں گے لیکن دوسری صورت میں۔

کس صورت میں؟"میں تم میں آؤں گا"(کیسے؟)"روح القدس"کی طرح۔یہ بات واضح ہے کہ قرآن کیوں آپؑ کو "روح اللہ" کہہ کر مخاطب کرتا ہے(171-4)۔

(2)یوحنا14:25،26 میں تم سے یہ سب کچھ کہہ چکا ہوں جبکہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ لیکن مددگار تمہیں ہر چیز کی تعلیم دے گا یہ مددگار جو روح القدس ہے تمہیں میری ہر بات کی یاد دلا ئیگا۔"یہ مددگار مقدس روح ہے جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا۔

روح الحق کو یہاں"مقدس" کہہ کر بیان کیا گیا ہے جو تورات میں اللہ کی پاک اور معتبر شخصیت کا بیان کرنے کے لیے کئی بار استعمال کیا گیا ہے۔بلکہ یہ ان چیزوں یا لوگوں کے لیے بھی استعمال ہوا ہے جو اس سے تعلق رکھتے ہیں۔
روح الحق اللہ کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔"بھیجا گیا"عیسیٰؑ اور دوسرے پیغمبروں کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے۔

لیکن"میرے نام"میں بھیجا گیا کا کیا مطلب ہے؟کسی کے نام میں بھیجے جانے کا مطلب اس شخص کی نمائندگی کرنا ہے اور اسکی غیر موجودگی میں اس کی طرف سے عمل کرنا ہے۔اس کا مطلب کے روح الحق حضرت عیسیٰؑ کی غیر موجودگی میں بھی کام کرتی رہے گی۔اس کا مطلب اس کا کام عیسیٰؑ کو روحانی طور پر ماننے والوں کو سب بتانا ہے اور ان کو جو عیسیٰؑ نے جسمانی طور پر سیکھایا کی بھی تعلیم بھی دینا ہے۔

(3)یوحنا15:26 میں تمہارے پاس مددگار بھیجونگا جو میرے باپ کی طرف سے ہوگا وہ مددگار سچائی کی روح ہے جو باپ کی طرف سے آتی ہے جب وہ آئے تو میرے بارے میں گواہی دے گی۔

پہلے کہا گیا کہ روح الحق کو اللہ بھیجے گا، لیکن یہاں عیسیٰؑ کہتے ہیں کہ وہ بھیجے گے اور پھر فوراً کہا گیا ہے کہ اللہ کی طرف سے ہے۔ہم اس سے سب کو کیسے سمجھیں؟ اس کو صرف ایسے سمجھا جاسکتا ہے کہ روح الحق اللہ کی طرف سے عیسیٰؑ کی درخواست پر بھیجا جاتا ہے۔

یہ کوئی اچھوتا خیال نہیں ہے بلکہ خود عیسیٰؑ کی طرف سے اس کا تذکرہ کیا گیا جب انہوں نے پہلی مرتبہ "روح القدس" کا ذکر کیا۔ "میں باپ سے استدعا کروں گا تو وہ تمہارے لئے دوسرا مددگار دیگا۔ اور وہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا (یوحنا 14:16 اور یوحنا 16:26)

(4) میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے بہتر ہے کیوں کہ اگر میں جاتا ہوں تو تمہا رے لئے مددگار بھیجوں گا۔ اگر میں نہیں جاؤں تو تمہا رے پاس مددگار نہ آئے گا۔ جب مدد گار آئے تو وہ دنیا کی خرابی کو ثابت کرے گا اور گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں بھی بتا ئے گا۔ (یوحنا 16:7،8)

توجہ دیں کہ عیسیٰؑ کہتے ہیں "مددگار نہیں آئے گا جب تک میں نہ جاؤں" لیکن کیوں نہیں؟ عیسیٰؑ کی موجودگی میں روح الحق زمین پر موجود نہ تھی؟ عیسیٰؑ خود کہتے ہیں "وہ تمہارے ساتھ ہے وہ تمہارے اندر رہے"۔ تو یہ کیسے کیا جا سکتا ہے کہ جب تک عیسیٰؑ نہ جائیں مددگار نہیں آئے گا؟ یہ صرف اس طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ (1) مدگار نہیں آسکتا۔ (2) وہ کیسے نہیں آسکتا اگر وہ پہلے ہی موجود ہے؟ ایک بار پھر، یہ اس طرح سمجھ میں آسکتا ہے اگر ہم یہ سمجھیں کہ وہ کسی اور صورت میں آئے گا۔

اس سب کا یہی مطلب ہے جو ہم (1) میں دیکھ چکے ہیں۔ روح القدس عیسیٰؑ، "روح اللہ"، ایک اور روح القدس کے طور پر آئے گا جو "روح الحق" کہلائے گا۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ دوبارہ نہیں آسکتا جب تک وہ پہلے چلا نہ جائے۔ اور اب اس کا دنیاوی اور علاقائی کام روحانی اور عالمی شکل لے لیتا ہے۔ عیسیٰؑ کے یہ دونوں کام جڑے ہوئے مگر علیحدہ ہیں۔ دونوں کا مقصد "مدگار" اور "وکیل" ہونا ہے۔ ان لوگوں کے لیے اللہ کی اطاعت کرتے ہیں۔ لیکن یہ دونوں اپنے طریقے اور ذات میں مختلف ہیں چناچہ ان کو مختلف روح القدس جو ایک دوسرے کے بعد آئیں کہنا درست ہے۔

یوحنا کی ان حصوں سے ایک اسرار پیدا ہوتا ہے۔ روح اللہ اور روح الحق ایک ہی ہیں اور مختلف بھی۔ مختلف بھی ہیں اور ایک بھی۔[45] اس کو کیسے سمجھیں؟ عیسیٰؑ ضرور روح اللہ کا عملی اظہار ہیں، اس کے علاوہ قرآن کی آپؑ کو "روح اللہ" کہنے کی کیسے تشریح کی جاسکتی ہے؟ یہ ایسا خطاب ہے جس سے کسی اور پیغمبر کو نہیں نوازا گیا۔ اگر وہ اپنے کوچ کے بعد فوراً روح الحق کے طور پر واپس آتے ہیں اور اللہ کے حکم سے عالمی پیغمبریت کو سبھالتے ہیں تو اس اختلاف اور مماثلت کو بیان کیا جاسکتا ہے۔ یہ ان تعلیمات کی کسوٹی پر بھی پورا اترتا ہے کہ آپؑ دنیا میں دوسری بار جسمانی طور پر واپس آئیں گے۔ چناچہ اس سب کا مطلب ہے کہ "ایک اور روح القدس" سے مراد "ایک اور عیسیٰؑ" ہے؛ پس یہ حیران کن نہیں کہ روح الحق، روح المقدس کو "عیسیٰؑ کی روح" (اعمال 16:7) "یسوع مسیح کی روح" (فلپائنز 1:19) اور "مسیحا کی روح" (رومنز 8:9 اور پطرس 1:11) کہا گیا ہے۔

قرآن کی آیت 61:6 میں عیسیٰؑ کہتے ہیں کہ وہ "میرے بعد پیغمبر کی خوشخبری" لاتے ہیں۔ جب یہ کہا گیا ہے کہ عیسیٰؑ خود "اللہ کے رسول تم پر بھیجے گئے" ہیں تو ان کے بعد آنے والے پیغمبر بھی ان کے جیسے ہی ہیں۔ انجیل کے مطابق "روح الحق" کا کام عیسیٰؑ، روح اللہ کے جیسا ہی ہے۔ کیونکہ وہ دونوں اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں اور چونکہ یوحنا 16:8 میں ہے " جب مدد گار آئے تو وہ دنیا کی خرابی کو ثابت کرے گا اور گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں بھی بتائے گا"۔ اگرچہ یہ لوگوں کے لیے سمجھنا مشکل ہے کہ اللہ کے تمام پیغمبروں میں عیسیٰؑ کو "روح اللہ" کیوں کہا گیا ہے، 6:16 میں لفظ "احمد" کا مطالعہ اس پر روشنی ڈالتا ہے۔

---

[45] عیسائی اس اختلاف پر زور دیتے ہیں اور یہی ان کے تثلیت کے عقیدے کی بنیاد ہے۔

اور اس "روح القدس (یا مددگار)" کی کام کی نوعیت کے باعث اس کو احمد یا "تعریف کے قابل" کہا جا سکتا ہے۔

قرآن اور انجیل دونوں کا مطالعہ ثابت کرتا ہے کہ نہ قرآن اور نہ ہی انجیل کو اس تشریح کو ثابت کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے کہ آیت 61:6 میں 'احمد' سے مراد آپ ﷺ ہیں۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ تعریف کے قابل نہیں، اس کا صرف یہ مطلب ہے کہ آیت 61:6 میں 'احمد' کا استعمال سیدھا آپ ﷺ کی طرف اشارہ نہیں دکھا سکتا یا 'احمد' کو 'محمد' کے ساتھ تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے آپ ﷺ اللہ کے رسول اور سب سے زیادہ تعریف کے قابل ہیں۔ لیکن ہم اس بنیاد پر آیت 61:6 کی ایسی تشریح نہیں کر سکتے جو اسکی روح کے مطابق نہیں ہو۔ اگر ہم سچائی کے اصولوں کی، جو قرآن میں بیان کیے گئے ہیں پیروی نہیں کریں گے تو یہ صرف ہمارے مقصد کے لیے بدنامی کا باعث ہو گا۔ لوگ صرف تب ہماری بات کی عزت کریں گے جب وہ ہمیں پختگی سے سچ پر عمل پیرا پائیں گے۔

جب وہ ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آیا تو انہوں نے کہا یہ تو صریح دھوکا ہے!(61:6)

کیونکہ یوسف علی یہ تصور کرتے ہیں کہ 'احمد' "محمد" کا مترادف ہے تو وہ "وہ ان میں آیا" میں 'وہ' سے مراد آپ ﷺ لیتے ہیں۔ لیکن یہ غلط ہے کیونکہ جو ہم پہلے حصے میں دیکھ چکے ہیں بلکہ :-

1۔ یہ آیت 'عیسیٰؑ ابن مریم' کی طرف اشارہ کر رہی ہے اور احمد کی طرف نہیں۔ اور کیونکہ اس آیت کا موضوع عیسیٰؑ ہیں تو "وہ" سے مراد بھی عیسیٰؑ ہی ہوں گے۔

2۔ عیسیٰؑ کا اس آیت میں قول "احمد" پر اختتام پذیر ہوتا ہے جیسا کہ کوٹیشن مارک سے اشارہ کیا گیا ہے۔ "وہ" کوٹیشن مارک کے باہر ہے چناچہ بولنے والے کی طرف اشارہ کرتا ہے جو عیسیٰؑ ہیں۔

3۔ "وہ" (عیسیٰؑ) کے بارے میں جو کہا گیا ہے وہ قرآن میں مختلف جگہوں پر ان کے بارے میں تعلیمات سے مطابقت رکھتا ہے۔ مثلاً آیت 2:87 میں "اور ہم نے عیسیٰؑ ابن مریم کو کھلے نشان بخشے اور روح القدس سے ان کو مدد دی" اور "وہ ان میں کھلے نشان لے کر آئے" کہا گیا ہے اس کے علاوہ آیت 5:110 جو اس آیت سے بہت مشابہت رکھتی ہے۔

جب خدا (عیسیٰ سے) فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! میرے ان احسانوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کئے جب میں نے روح القدس (یعنی جبرئیل) سے تمہاری مدد کی تم جھولے میں اور جوان ہو کر (ایک ہی نسق پر) لوگوں سے گفتگو کرتے تھے اور جب میں نے تم کو کتاب اور دانائی اور تورات اور انجیل سکھائی اور جب تم میرے حکم سے مٹی کا جانور بنا کر اس میں پھونک مار دیتے تھے تو وہ میرے حکم سے اڑنے لگتا تھا اور مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے چنگا کر دیتے تھے اور مردے کو میرے حکم سے (زندہ کرکے قبر سے) نکال کھڑا کرتے تھے اور جب میں نے بنی اسرائیل (کے ہاتھوں) کو تم سے روک دیا جب تم ان کے پاس کھلے نشان لے کر آئے تو جو ان میں سے کافر تھے کہنے لگے کہ یہ صریح جادو ہے

4۔ ان پر جادو ٹونے کے الزام کا انجیل میں بھی ذکر آیا ہے۔ جادو شیطان کا کام ہے (جنوں کے سردار کو انجیل میں شیطان کہا گیا ہے اور یہودیوں نے عیسیٰؑ کے وقت میں اسے 'بعل زبوب' کہا)۔ متی 12:24 میں عیسیٰؑ پر بعل زبوب کی طاقت استعمال کرنے کا الزام لگایا گیا ہے۔ مرقس 3:22 میں ان پر بعل زبوب کے قبضے میں ہونے کا الزام لگایا گیا ہے۔

اور متی 10:25 میں انہیں بیلزبب تک کہا گیا ہے۔ انہوں نے عیسیٰؑ کو جھٹلایا جسے لوگ انبیاء اکرام کو جھٹلاتے ہیں۔ قرآن 34:63 میں اسی چیز کا تذکرہ ہے۔

اور جب ان کے سامنے ہماری صاف صاف آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ ایسا شخص ہے جو تمہیں تمہارے باپ دادا کے معبودوں سے روک دینا چاہتا ہے۔(اس کے سوا کوئی بات نہیں)، اور کہتے ہیں کہ یہ تو گھڑا ہوا جھوٹ ہے اور حق ان کے پاس آچکا پھر بھی کافر یہی کہتے رہے کہ،" یہ تو کھلا ہوا جادو ہے!"

ہم 3:184 میں بھی دیکھتے ہیں: "پھر بھی اگرچہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے گئے جو روشن دلیلیں، صحیفے اور منور کتاب لے کر آئے"

61:14 اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے مددگار بن جاؤ۔ جس طرح حضرت مریم کے بیٹے حضرت عیسیٰ نے حواریوں سے فرمایا کہ کون ہے جو اللہ کی راہ میں میرا مددگار بنے؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ کی راہ میں مددگار ہیں، پس بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت تو ایمان لائی اور ایک جماعت نے کفر کیا تو ہم نے مومنوں کی انکے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد کی پس وہ غالب آ گئے۔

اس بات کی توقع کی جاتی ہے کہ ایک پیغمبر کا پیغام کسی دوسرے پیغمبر سے مطابقت رکھتا ہو گا کیونکہ وہ دونوں اللہ کی طرف سے ہیں۔ اگر وہ ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہوں تو ان میں ایک اللہ کا سچا نبی نہیں۔ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا "اے وہ لوگوں جو ایمان لائے! اللہ کے مددگار بن جاؤ" اور تب انہوں نے فوراً کہا کہ یہی بات عیسیٰؑ نے اپنے شاگردوں سے کہی۔ حضرت محمد ﷺ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ ان کا اور عیسیٰؑ کا پیغام ایک جیسا ہے، پس وہ دونوں اللہ کے سچے نبی ہیں۔

اس آیت کے متن میں دیکھا جاسکتاہے کہ ان کی تعلیمات میں اتفاق ہر بنیادی نقطے پر ہے۔

1۔رسول ﷺ جہنم سے نجات دلانے والے ہیں ان لوگوں کو جوایمان لائے

61:10، اے ایمان والو! کیا میں تمہیں وہ تجارت بتلا دوں جو تمہیں درد ناک عذاب سے بچا لے ؟۔ نجات عیسیٰؑ کی تبلیغ کابنیادی نقطہ تھی۔

2۔اوپر دی گئی آیت 61:10 میں لفظ " تجارت "استعمال کیا گیاہے(جس کی یوسف علی صحیح طور پر نوٹ 5443 میں تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں "کسی چیز کے حصول کے لیے کوئی چیز دینایاکوئی کام کرنا")۔ایک ایمان والے کی صرف ایمان کے اظہار سے نجات نہ ہوگی بلکہ اس کوسیدھی زندگی اور نیک کام کرنے ہوں گے جیسا کہ قرآن میں واضح ہے(2:26،82،277)۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرایمان والااپنے ایمان میں سچاہے تووہ اپنے ایمان کا عملی اظہار اللہ سے تجارت کی شکل میں کرے گا۔یہ تجارت بنیادی طور پر اللہ کے حکموں کے مطابق زندگی گزارناہے۔اور یہی بات عیسیٰؑ نے سیکھائی۔

تاہم عیسائیت کے بہت بڑے حصے نے عیسیٰؑ کی تعلیمات کو بگاڑ دیاہے اوران کے مطابق صرف ایمان لاناکافی ہے اوراللہ کے حکموں پر عمل کیے بغیر بھی بخشش حاصل کی جاسکتی ہے۔یہی بگڑی ہوئی عیسائیت ہے جن کا یہ نظریہ ہے کہ عیسائیت بطورمذہب نجات کے لیے کافی ہے حتیٰ کہ وہ عیسائی بننے میں ناکام رہیں۔اس طرح وہ عیسائی نظریے "نجات فضل سے ہےاور تمام اعمال خارج ہیں" کو سمجھتے ہیں۔ایسامعلوم ہوتاہے کہ اگروہ اپنی قبروں پر صلیب گاڑلیں تووہ درد ناک عذاب سے بچ جائیں گے۔بے شک یہ مافوق الفطرت اور عیسیٰؑ کی تعلیمات کے خلاف ہے۔

اللہ سے تجارت میں ہمارا حصہ کیا ہے؟اس بات کا جواب اگلی آیت میں دیا گیا ہے۔

ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر، اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔(61:11)

ہمیں ایمان رکھنا اور کوشش کرنا ہو گی۔ایمان رکھنے سے متعلق یہ ضروری ہے کہ صرف اللہ پر ایمان نہ رکھا جائے بلکہ اس کے پیغمبروں پر بھی کیونکہ رسولوں کو جھٹلانا اللہ کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔یہ بات عیسیٰؑ نے بھی کہی(لوقا10:16)۔اس کے علاوہ صرف یہ کہنا کہ ہم ایمان رکھتے ہیں کافی نہیں بلکہ ہمیں اللہ کی خوشنودی کے لیے کوشش کرنا ہو گی۔اور صرف اپنے مال سے نہیں بلکہ اپنی جان سے بھی اور ہمیں اگر ضروری ہو تو اللہ کے لیے اپنی جان بھی دینا ہو گی۔عیسیٰؑ بالکل یہی کہنا چاہتے تھے جب انہوں نے کہا کہ صلیب کے لیے تیار رہیں یعنی اللہ کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے تیار رہیں گے۔یہ آیت عیسیٰؑ کی تعلیمات کا بنیادی فلسفہ بیان کرتی ہے کہ ہمیں اللہ کے احکامات پر عمل کرنے کے لیے مکمل طور پر تیار رہنا ہے۔

(4)اور اللہ سے تجارت میں اللہ کا حصہ کیا ہے؟اس کو اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا، اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اور ابدی قیام کی جنتوں میں بہترین گھر تمہیں عطا فرمائے گا یہ ہے بڑی کامیابی۔(61:12)

جہنم کے دردناک عذاب سے بچنے کا صرف ایک راستہ ہے کہ ہمارے گناہ معاف کر دیے جائیں۔ صرف نجات کے ذریعے ہی ہم "ہمیشہ کی جنت" میں داخل ہو سکتے ہیں۔ یہ اخروی زندگی کو بیان کرنے کا نہایت خوبصورت طریقہ ہے۔ بخشش اور اخروی زندگی عیسیٰؑ کی تعلیمات کی بنیاد ہیں۔

(5)اس کو اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے

اور تمہیں ایک دوسری (نعمت) بھی دے گا جسے تم چاہتے ہو وہ اللہ کی مدد اور جلد فتح یابی ہے، ایمان والوں کو خوشخبری دے دو۔

اللہ کی رحمت اور بخشش صرف آخرت کی زندگی اور جنت میں حاصل نہ ہو گی بلکہ یہ اس دنیا میں بھی ضروری ہے اور حاصل بھی کی جاسکتی ہے۔ یہ ان لوگوں کو عطا کی جاتی ہے جو اللہ سے تجارت کرتے ہیں اواس کی کامل پیروی کرتے ہیں۔

کیا ہمیں اللہ اطاعت کرنے کے لیے اللہ کی ضرورت نہیں ہے؟ کیا ہم نہیں دیکھتے کہ اگر صرف ہم پر منحصر ہو تو سیدھے راستے پر چلنا بہت مشکل ہے۔ کیا ہم نہیں دیکھتے کہ سچائی کے راستے کی راہ کانٹوں اور رکاوٹوں سے بھری ہے؟ اسکی مدد کے بغیر ہم یقیناً ناکام ہوں گے لیکن اسکی مدد، رحمت اور کرم سے ہم یقیناً کامیاب ہو سکتے ہیں۔ چناچہ ان لوگوں کو جو سچے دل سے اللہ کی بندگی کرنا چاہتے ہیں یہ مدد عطا کر دی جاتی ہے۔ "تو ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجئے"۔ ہمارے اند اور باہر جنگ جاری ہے اور بعض تاریک وقتوں میں یہ سب بس سے باہر معلوم ہوتا ہے۔ یوسف علی صحیح طور پر لکھتے ہیں

"زندگی کوشش اور محنت کا نام ہے، روحانی زندگی ہر دوسری زندگی سے زیادہ مشکل ہے"۔ لیکن "سیدھے راستے پر مشکلات میں ہمیں اللہ کی مدد حاصل ہوتی ہے اور حالات جتنے بھی مخالف ہوں۔ ہم اللہ کی مدد سے فتح حاصل کر سکتے ہیں۔" (نوٹ 5445)

عیسٰیؑ کی بھی یہی تعلیمات ہیں تاہم انہوں نے اپنی تعلیمات میں روح القدس کا ذکر کیا ہے جس کے ذریعے اللہ کی مدد عطا کی جائے گی۔

(6) "ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجئے" یہ اہم اور +

قابل توجہ ہے کہ 'لفظ انجیل' کا مطلب "خوشخبری" ہے۔ جب یہ کہا گیا کہ عیسٰیؑ کو اللہ نے انجیل عطا کی (5:46، 57:27) تو اسکا مطلب ہے کہ عیسٰیؑ کو اللہ نے دنیا کو دینے کے لیے خوشخبری دی۔

ہم آیت 61:14 میں ایک دلچسپ نقطہ دیکھتے ہیں جہاں آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ کے مددگار بن جاؤ"، اور انہوں نے ہمیں بتایا کہ عیسٰیؑ نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ "میرا مددگار کون ہوگا" جس کا شاگردوں نے جواب دیا "ہم اللہ کے مددگار ہیں"۔ یہ بات واضح ہے کہ عیسٰیؑ کے مدگار ہونے کا مطلب اللہ کا مددگار ہونا ہے۔ اور یہ "اللہ اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ" (61:11) سے مطابقت رکھتا ہے۔ اور ہمیشہ کی طرح کچھ ایمان لائے اور کچھ نے جھٹلایا، "بنی اسرائیل میں کچھ ایمان لائے اور کچھ نے انکار کیا"۔ بنی اسرائیل یقیناً اللہ پر ایمان رکھتے تھے۔ جھٹلانے کا اشارہ عیسٰیؑ کی طرف کیا جا رہا ہے۔ تو کچھ لوگ اللہ کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور کچھ نہیں، یہ دکھاتا ہے کہ اللہ نے ہر انسان کو اسکی مرضی کرنے کی اجازت دی ہے۔ چناچہ یہ واضح ہے کہ اللہ کسی کو دردناک عذاب اور دوسروں کو جنت تک نہیں پہنچاتا[46] بلکہ یہ ہر شخص کا صوبیداری اختیار کو وہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتا ہے یا نہیں۔

---

[46] عیسائیوں کے چھوٹے طبقے کا کہنا ہے کہ اللہ نے ہر شخص کے لیے جنت اور جہنم مقرر کر دی ہے۔ یہ عیسائیوں کی عیسٰیؑ کی تعلیمات بگاڑ دینے کی ایک اور مثال ہے۔ یہ نہ انجیل اور نہ قرآن جو کہ "اللہ نہایت رحیم بہت رحمان" سے شروع ہوتا ہے" کی تعلیمات ہیں۔

بالکل یہی تعلیمات عیسیٰؑ نے دی"میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ تم اپنے گنا ہوں کے ساتھ مروگے۔یقیناً تم اپنے گنا ہوں کے ساتھ مروگے اگر تم نے ایمان نہیں لا یا کہ میں وہی ہوں"۔(یوحنا8:24)

ہم نے اس مثال کا مطالعہ کیا"اللہ کے مدد گار بن جاؤ"(61:14)اور شاگردوں کا جواب بھی دیکھا"ہم اللہ کے مدد گار ہیں"، لیکن ہم کمزور انسان سب طاقتوں والے اللہ کے مدد گار کیسے ہو سکتے ہیں؟اللہ تعالیٰ ہم سے کسی طاقت کا سوال نہیں کرتا بلکہ اس کی تابعداری کرنے کی خواہاں ہونے کا۔وہ طاقت عطا کرے گا۔یہی بات عیسیٰؑ نے بھی سیکھائی۔

آیت61:14پر یوسف علی لکھتے ہیں

"اگر ہم اللہ کی مدد چاہتے ہیں تو ہمیں پہلے اللہ کے مقصد کی مدد کرنا ہو گی۔یہ مدد بغیر کسی ششو پنج کے کامل اطاعت ہے۔ یہ عیسیٰؑ کی تعلیمات تھیں جیسا کہ آیت میں بیان کیا گیا ہے۔(نوٹ5446)

تاہم یہ بات قابل غور ہے کہ اگر کوئی انجیل میں مماثلت ڈھونڈے تو عیسیٰؑ کے الفاظ "اللہ کے لیے میرے مدد گار کون ہیں" براہ راست ان کے الفاظ نہیں بلکہ یہ ان کی تعلیمات کا بنیادی نچوڑ ہیں۔

ہمیں یہ سوال کرنا ہو گا کہ اللہ کے مدد گار ہونے کا کیا مطلب ہے۔کم از کم یہ وہ ضرور ہو گا جو اپنے کام میں خود بے یارو مدد گار نہیں۔ایسا شخص جو اپنے فائدے کے لیے کام نہیں کرتا اور خود پسند نہیں۔کہاوت "خدا ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں" مغرب میں بہت مشہور ہے۔اکثر خیال کیا جاتا ہے کہ یہ عالمگیر سچائی ہے اور کچھ لوگ اسے با ئبل سے بھی تصور کرتے ہیں۔لیکن قرآن میں بیان کیا گیا سچ مختلف ہے؛"اللہ اس کی مدد کرتا ہے جو اللہ کی اطاعت کر

تے ہیں"۔ کہ اللہ کی "مدد" اس کے اطاعت اور خوشنودی ہے۔ سچا مسلمان اللہ پسند ہے نہ کہ خود پسند۔ دوبارہ، یہی بات عیسیٰؑ نے بیان کی۔

سورۃ 61، حضرت محمد ﷺ اور عیسیٰ ؑ کے مقصد، لوگوں کو "اللہ" کے مددگار بننے کی طرف بلانے میں مماثلت دکھاتی ہے۔ یہ دو عظیم پیغمبروں کے بنیادی اتحاد کو ثابت کرتی ہے۔

اسی طرح اگر آپ ﷺ کے پیروکار اور عیسیٰ ؑ کے پیروکار اللہ کے مددگار ہیں تو کیا یہ واضح نہیں کہ وہ بھی اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کے لیے متحد ہی ہیں اور ان کے درمیان اختلافات سچائی سے انکار ہے۔ اب یہ واضح ہو گیا ہے چرچ اور اسلام کے درمیان اختلافات ان لوگوں کی وجہ سے ہیں جو اللہ کے مددگار نہیں۔ اور بدقسمتی سے یہ لوگ اکثریت میں ہیں۔ جو لوگ اللہ کے مددگار ہیں یا بننا چاہتے ہیں وہ قرآن اور انجیل میں کوئی اختلافات نہیں پاتے۔

لیکن بعد میں صدیوں کی روایات نے ان کے درمیان تعصب کو جنم دیا ہے (اکثر تاریخی واقعات مثلاً صلیبی جنگوں کے باعث) اور ان روایات نے نفرت اور اختلافات کے شعلوں کو بھڑکایا ہے۔ اسی بات سے عیسیٰ ؑ نے خبردار کیا۔ (متی 15:6 اور مرقس 13-7:8)

روایات لوگ بناتے ہیں مگر اللہ کے الفاظ اسکی کتابیں ہیں: پھر بھی مذہبی لوگ اس فرق کو نظرانداز کر دیتے ہیں اور غلطیوں میں پڑ جاتے ہیں۔ اگر ہم اللہ کے مددگار بننا چاہتے ہیں اور نہ کہ اس کے مقصد کے مخالف، ہمیں روایت کو اللہ کے الفاظ کے تناظر میں دیکھنا ہو گا۔

لیکن بہت سے لوگ اللہ کے مددگار بننا چاہتے ہیں مگر وہ قرآن کو نہیں سمجھتے۔ ایسے ہی بہت سے عیسائی انجیل اور بائبل کی تعلیمات کو نہیں سمجھتے۔ تو وہ ان عالموں پر انحصار کرتے ہیں جو روایات کے تابع ہوتے ہیں اور روایات کو اللہ کے الفاظ سمجھتے ہیں: ایسا ہی چرچ میں ہوتا ہے۔ کیونکہ عیسائیوں اور مسلمانوں کی روایات ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔
عیسائیوں تک قرآن کی تعلیمات اور مسلمانوں تک انجیل کی تعلیمات پہنچانے کی کوئی امید نظر نہیں آتی جبکہ ان دونوں

کتابوں میں اللہ کی طرف سے انسانیت کے لیے پیغام ہے۔ اگر انجیل اور قرآن پوری دنیا کے لیے ہوتے تو کیا اللہ نے اپنے آپ کو غیر ضروری طور دہرایا ہے؟ اور ہمیں صرف ایک کی ضرورت ہے؟ اگر ہم یہ سوچتے ہیں

تو ہم یہ بھی سوچیں گے کہ آپ ﷺ کے پیروکاروں میں اللہ کے مددگار، عیسیٰؑ کے پیروکاروں میں اللہ کے مددگاروں سے وابستہ نہیں۔ لیکن یہ، جیسا کہ ہم دیکھ چکے، اس غلط تصور پر مبنی ہے کہ اللہ اپنے آپ کو، عیسیٰؑ کو انجیل اور محمد ﷺ کو قرآن عطا کر کے دہرا رہا ہے۔ قرآن اور انجیل کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں پیغامات نقل نہیں بلکہ وہ اپنے ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ قرآن انجیل میں پہلے دیے گئے پیغامات کو نقل نہیں کرتا بلکہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔ اور اس کا کیا مطلب ہے جب قرآن دہرانے کی بجائے انجیل کا حوالہ دیتا ہے؟

پھر بھی بہت سے اسلامی عالم ہمیں انجیل نہ پڑھنے کی ہدایت کرتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں انجیل کی تعلیمات کو بگاڑ دیا گیا ہے۔ یہ نقطہ نظر یوسف علی کی طرف سے بیان کیا گیا ہے اور ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ یہ غلط کس طرح ہے۔ اس قسم کا نقطہ نظر ایک طرف یہ کہتا ہے کہ اللہ کا کلام ہے اور دوسری طرف یہ کہتا ہے کہ اللہ نے اپنے کلام کی حفاظت نہ کی اور اسے خراب ہونے دیا۔ اس طرح کے دلائل کچھ سوالات کو جنم دیتے ہیں مثلاً اس نے انجیل نازل ہی کیوں کی؟ کیا ثبوت ہے کہ انجیل کی تعلیمات بگاڑ دیا گیا؟ اور اگر انجیل کی تعلیمات کو بگاڑ دیا گیا تو ہم کیسے تصدیق کریں کہ قرآن کو نہ بگاڑا گیا۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ دوسروں کے خلاف استعمال کی گئی دلیل ہمارے خلاف بھی استعمال ہو سکتی ہے۔ چنانچہ یہی دلائل چرچ کی طرف سے قرآن کے خلاف استعمال کیے جاتے ہیں اور کچھ چرچ تو کہتے ہیں کہ قرآن اللہ کی طرف سے ہے ہی نہیں تو بگاڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دشمنی صرف دشمنی کو جنم دیتی ہے اور اس سے بہتری کی امید نہیں کی جا سکتی ہے۔

آیت 61:14 کی روشنی میں دونوں محمد ﷺ اور عیسیٰؑ کے پیروکاروں کو اللہ کی مدد کے لیے بلایا گیا ہے اور جو اس پکار کا جواب دیتے ہیں وہ سب اللہ کے پیروکار ہیں۔

وہ عیسیٰؑ اور محمد ﷺ کے پیروکار ہو سکتے ہیں اور کیا ان پیروکاروں کو ایک دوسرے کا دشمن ہونا چاہیے ؟ اگر وہ مخالف ہیں تو وہ ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ لیکن وہ جو اللہ کے مددگاروں کے دشمن بنتے ہیں، اپنے رویے کے باعث اللہ کے سچے مددگار نہ ہونا ثابت کرتے ہیں۔ اور جو دشمن بننا چنتے ہیں ان کا کیا حال ہو گا؟

آیت 61:14 میں واضح ہے کہ اللہ بھی ان کا دشمن بن جائے گا "تو ہم نے مومنوں کی انکے دشمنوں کے مقابلے میں مدد کی پس وہ غالب آ گئے"

سورۃ 61 کے ان الفاظ کو روحانی تناظر میں دیکھنا ہو گا کیونکہ بنیادی طور پر اللہ کا کلام روحانی ہے۔ دوسری اس کی تاریخی اہمیت ہے۔ لیکن ہمیشہ پہلے روحانی اہمیت پھر تاریخی اہمیت۔ یوسف علی آیت 61:14 میں عیسیٰؑ کے متعلق تعلیمات کو تاریخی تناظر میں بیان کرتے ہوئے ان یہودیوں کی تفصیل بیان کرتے ہیں جنہوں نے عیسیٰؑ کی دشمنی اپنائی

"بنی اسرائیل کا وہ حصہ جو سچ کو اہمیت دیتا تھا عیسیٰؑ پر ایمان لایا اور آپؑ کی پیروی کی۔ لیکن ان کا بڑا حصہ سخت دل کے لوگ تھے۔ وہ اپنی روایت اور نسلی انا میں پڑے رہے۔ انہوں نے سوچا کہ وہ آپؑ کو سولی پر چڑھا کر آپؑ کے پیغام کو مٹانے میں کامیاب ہو گئے اور فتح وار ہوئے۔ مگر جلد ہی ان کو انکی اوقات یاد دلا دی گئی۔ یروشیلم 70 سن عیسوی میں ٹائٹس نے تباہ کر دیا اور یہودی تب سے بکھرے ہوئے ہیں"

یہودی قوم کو رومنز نے انکی بغاوت کے باعث صفحہ ہستی سے مٹا دیا اور وہ اگلے 2000 سال تک ایک قوم نہ بن سکے۔

یوسف علی مزید لکھتے ہیں

"جب وہ لوگ جنہوں نے عیسیٰ ؑ کی پیروی کی رومی سلطنت میں جذب ہو گئے اور ان میں کئی نئی نسلوں کا باعث بنے۔ اور رومی سلطنت کے ذریعے عیسائیت، اسلام کی آمد تک دنیا کا غالب مذہب بن گیا۔ چناچہ اسلام کے لوگوں سے یہ وعدہ کیا گیا ہے وہ غالب رہیں گے جب تک وہ سچ سے جڑے رہیں گے "(نوٹ 5448)

آخری الفاظ نہایت اہمیت کے حامل ہیں: ہم غالب رہیں گے صرف تبھی اگر ہم سچ سے جڑے رہیں گے۔

سچ سے جڑے رہنے کا کیا مطلب ہے؟ "ہم نے ایمان والوں کو غلبہ دیا"۔ یہ ایمان والے کون تھے؟ کیا یہ اللہ کے مددگار بن جانے کی پکار کا جواب دینے والے نہ تھے؟ پس سچ سے جڑے رہنے کا مطلب اللہ کا مددگار بن جانا ہے۔ اور، جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں اللہ ان کی مدد کرتا ہے جو اللہ کی مدد کرتے ہیں۔

آیت 61:14 قرآن میں عیسیٰ ؑ کے متعلق آخری آیت ہے۔ اور یہ ان سب کو جو اللہ کے قرآن میں پیغام کو دھیان سے سنتے ہیں، یاد لاتی ہے کہ کہ اس نے "ایمان والوں کو غلبہ دیا" اور عیسیٰ ؑ کے شاگردوں نے یہی کہا اور نتیجتاً "وہ غلبہ پا گئے"۔ کیا اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ عیسیٰ ؑ سے متعلق آیت کا آخری لفظ غلبہ ہے؟[47] اس کا مطلب ہے کہ اللہ نے ان کو غلبہ دیا اور وہ ان کو "ان کے دشمنوں" کے خلاف غلبہ دیے رکھے گا اور انہیں اپنے فضل سے فتح بخشے گا اور انہوں نے اپنے حصے کے طور پر" جو لوگ تمہارے پروردگار کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے

گردن کشی نہیں کرتے اور اس پاک ذات کو یاد کرتے اور اس کے آگے سجدے کرتے رہتے ہیں"(7:206)

[47] دھارا، ڈکشنری آف ہولی قرآن میں اسکی تشریح کے لیے یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں "نمودار ہونا، مختلف بن جانا، ظاہر ہونا، ابھرنا، غلبہ پانا اور قابو پانا"

عیسیٰ ؑ کی وفات پر اضافی نوٹ

عیسیٰ ؑ نے خود اپنی موت کا کئی بار تذکرہ "تاوان" کی صورت میں کیا ہے۔ (متی 20:21، مارکس 10:45)۔ تاوان ایک غلام کو آزاد کرنے کی اجرت تھی۔ عیسیٰ ؑ کو پیغمبر کہنا (جیسا کہ قرآن بار بار کہتا ہے) پھر ان کی بات کو جھٹلانا خود متضاد ہے۔ یہ کہنا کہ ان کے تعلیمات کو گھڑ دیا گیا باطل دلیل ہے۔ کیا کوئی شاگرد اپنے استاد کے بارے میں ایسی کہانی گھڑیں گے کہ ان کے استاد کو دوسرے دو عام مجرموں کے ساتھ، عام مجرموں کی طرح سولی پر چڑھا دیا۔ صلیب پر چڑھا نا رومیوں کے نزدیک سب سے نچلے درجے کی موت تھی اور یہ گھٹیا ترین مجرموں کے لیے تھی۔ (عیسیٰ ؑ کی پیدائش سے ایک صدی پہلے) جب رومیوں نے سپارٹاکوس کے زیر سایہ کی گئی خادموں اور گلیڈی ایٹرز کی بغاوت کو کچلا تو انہوں نے 6000 بندوں کو صلیب پر چڑھا دیا۔ تو عیسیٰ ؑ کے شاگرد ان کو صلیب پر چڑھائے جانے کا اعلان کر کے کیا مقصد حاصل کر سکتے تھے؟ یہ صحیح بات ہے کہ عیسیٰ ؑ کی وفات کی باعثِ کفارہ کر دینے والی، اہمیت ہے۔ لیکن یہ ان کی موت کی اہمیت ہے نہ کہ ان کے صلیب پر چڑھائے جانے کی۔ ان کے علاوہ عیسائی ماہرین ابھی تک کوئی قابل قدر وضاحت نہ پیش کر سکیں ہیں کہ عیسیٰ ؑ کی وفات کیسے کفارہ ادا کرتی ہے۔ لیکن جیسا روزمرہ کی زندگی میں روشنی حاصل کرنے کے لیے بجلی کے اصولوں کو جاننا ضروری نہیں ایسے ہی عیسیٰ ؑ کی وفات سے فائدہ اٹھانے کی وضاحت کرنا عیسائی پیروکار ضروری نہیں سمجھتے۔

اگر ہم قرآن کی نافرمانی اور سچ کو بگاڑنا نہیں چاہتے تو ہمیں عیسیٰؑ کی تعلیمات اور انجیل کے متعلق مندرجہ ذیل نقاط کو سمجھنا ہوگا۔

1۔اس بات کی وضاحت کیے بغیر کہ ان کو اس سے کیا حاصل ہوگا یہ کہنا کہ عیسیٰؑ کے پیروکاروں نے ان تمام تعلیمات کو بگاڑ دیا خطرناک ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر شاگرد اپنے استاد کی عام مجرموں کی طرح موت کا اعلان کر کے کیا حاصل کر سکتے ہیں؟ اس کے علاوہ یہ کہنا کہ ان کی تعلیمات کا کچھ حصہ بگاڑ دیا گیا ہے بھی یہ کہنے کے مترادف ہے کہ ان کی تمام تعلیمات کی کوئی اہمیت نہیں کیونکہ کونسا حصہ بگاڑا گیا ہے اور کونسا نہیں کو ثابت کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

2۔ایک طرف یہ کہنا کہ وہ اللہ کے عظیم پیغمبر ہیں اور دوسری طرف یہ کہنا کہ ان کی تعلیمات بگاڑی جا چکی ہیں (بغیر کوئی وضاحت یا ثبوت پیش کیے) ان کی بطور پیغمبر اہمیت کو کم کرنے کا باعث ہے۔ کہ ایک پیغام کے بغیر پیغمبر کا پیغمبر نہ ہونے کے برابر ہے: چناچہ ہم ان کو بے معنی اور خالی خطاب دیتے ہیں۔

3۔ یہ ہمارے لیے حکم "اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو" پر عمل کرنا بھی ناممکن بناتا ہے۔ (غور کیجئے کہ قرآن میں کتنی بار عیسیٰؑ کو یہ کہتے بیان کیا گیا ہے)۔ چناچہ ہم بے خوفی سے ان کی اطاعت سے انکار کرتے ہیں صرف یہ اعلان کر کے کہ ان کی تعلیمات بگاڑ دی گئی ہے۔

4۔ قرآن اس بات کی تصدیق نہیں کرتا کہ ان کی تعلیمات کو بگاڑ دیا گیا ہے۔

اس کے برعکس یہ انجیل کا اللہ کی طرف سے ہونے کی تصدیق کرتا ہے۔

5۔ اگر یہ بگڑی حالت میں ہے تو ہم کیسے جانتے ہیں کہ عیسائی اس کی اطاعت میں ناکام رہے۔ صرف عیسیٰؑ کی تعلیمات کی اصل شکل ان کے ناکام رہنے کو ثابت کر سکتی ہے۔ ہم یہ الزام کس ثبوت کی بناء پر لگا سکتے ہیں (عیسیٰؑ کی تعلیمات کے علاوہ)۔ کیا ہمارا الزام بے بنیاد نہیں بن جاتا؟ لیکن اگر ہمیں عیسیٰؑ کی تعلیمات کا انجیل میں محفوظ ہونے کا علم ہونے کی صورت میں ہم عیسائیوں پر ان تعلیمات پر عمل کرنے میں ناکام رہنے کا الزام لگا سکتے ہیں۔ کیا ہم نہیں دیکھتے کہ دلیل، عیسیٰؑ کی تعلیمات کو بگاڑ دیا گیا، عیسائیوں پر الزامات کو ثابت کرنے میں، ہمارے پاؤں کے نیچے سے زمین کھینچ لیتی ہے۔ اور یہ ایک خود کو شکست دینے والی دلیل ہے۔

اگر ہم موجود انجیل کو جھٹلاتے ہیں تو ہم عیسائیوں پر عیسیٰؑ کی تعلیمات کو نہ ماننے کے الزام کی بنیاد کو ختم کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر کتنے عیسائی عیسیٰؑ کی تعلیمات کو مانتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں؟ کتنے ان کے لیے اپنے جان کا نذرانہ پیش کرنے کو تیار ہیں؟ (متی 26-16:24) کتنے "اپنے" دشمنوں سے محبت کرو ان کے لیے دعا کرو" پر عمل کرنے کے کو تیار ہیں؟ (متی 5:44)۔ عیسیٰؑ کی ان کے دشمنوں کے ہاتھوں وفات کو جھٹلا کر نہ صرف ہم ان کی تعلیمات کی بنیاد کو جھٹلاتے ہیں بلکہ عیسائیوں کو ان کی تعلیمات پر عمل نہ کرنے پر ملامت بھی نہیں کر سکتے۔

عیسائیت کے خلاف بنیادی مسئلہ یہ نہیں کہ انہوں نے عیسیٰؑ کی تعلیمات کو بگاڑ دیا بلکہ یہ ہے کہ انہوں نے آپؑ کی تعلیمات پر عمل نہ کیا، قرآن نے عیسائیوں کو اسی جرم کا مورد الزام ٹھہرایا ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہ الزام اور الزام کہ انجیل کی تعلیمات کو بگاڑ دیا گیا ہے اکھٹے نہیں لگائے جا سکتے۔

کچھ مسلمان مفکرین اس اہم نقطے کو نہیں سمجھتے۔

عیسیٰؑ وہ واحد پیغمبر ہیں جن کے بارے میں اللہ نے کہا" میں ان کو اپنی طرف اٹھالوں گا"۔ یہ عیسیٰؑ کی خاص صفت ہے۔ کیونکہ وہ اٹھا لیے گئے، وہ ایک خاص انداز میں زندہ ہیں اور ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔ اسکا مطلب ہے کہ وہ ہم سے براہ راست رابطہ کر سکتے ہیں (ایسا کئی لوگوں کے ساتھ ہوا، اور وہ آج تک اسکی گواہی دیتے ہیں)، اور وہ ابھی تک ہم سے بات کرتے ہیں۔

عیسیٰؑ کے پیروکاروں کی طرف سے انجیل کو بگاڑنے پر نوٹ

عیسیٰؑ کے پیروکاروں پر ان کی تعلیمات کو بگاڑنے کا الزام نہایت سنگین ہے۔ اور اگر ہم اس الزام کا ثبوت پیش نہیں کر سکتے تو یہ بہت بڑا جرم ہے۔ یہ الزام لگانا ایسا ہی ہے جیسا نبی ﷺ کے پیروکاروں پر الزام لگانا ہے کہ انہوں نے قرآن کی تعلیمات کو بگاڑ دیا اور یہ الزام لگایا بھی جا چکا ہے۔

انجیل کا قرآن میں 12 بار تذکرہ کیا گیا ہے اور کسی ایک جگہ بھی اس کے بگڑنے کا تذکرہ نہیں ہے۔ چنانچہ انجیل کو بگاڑنے کا الزام لگانے والا خود قرآن کی تعلیمات کو بگاڑنے کا مرتکب ہو گا اور یہ گناہ جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ (F40:41 دیکھیں)۔ ابتدائی احادیث میں بھی انجیل کے بگڑنے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ پس ایسی غلط تعلیمات کو پھیلانے والا اللہ کو جواب دہ ہو گا۔

تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انجیل کی کئی غلط تشریحات اور عیسیٰؑ کی تعلیمات کی بھی غلط تشریحات کی جا چکی ہیں۔ قرآن اس حقیقت کی یہ کہتے ہوئے تصدیق کرتا ہے کہ ان مختلف تشریحات نے جھگڑوں اور فرقوں کو جنم دیا۔

آیت 19:33،34 میں ہے

سلام ہے مجھ پر جبکہ میں پیدا ہوا اور جبکہ میں مروں اور جبکہ زندہ کر کے اٹھایا جاؤں یہ ہے "عیسیٰ ابن مریم اور یہ ہے اُس کے بارے میں وہ سچی بات جس میں لوگ شک کر رہے ہیں"(19:33،34)

جھگڑا کرنے والے لوگ اپنے دلائل کو کیسے سہارا دیتے ہیں؟ کیا وہ انجیل کا حوالہ دے کر اور اس کو اپنی مرضی کے مطابق تشریح کر کے استعمال نہیں کرتے؟ کیا ایسے ہی غلط تشریحات نہیں ابھرتی؟ چناچہ مندرجہ ذیل آیت 19:36،37 میں انتباہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اور عیسیٰؑ نے کہا تھا کہ "اللہ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی، پس تم اُسی کی بندگی کرو، یہی سیدھی راہ ہے مگر پھر مختلف گروہ باہم اختلاف کرنے لگے سو جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے وہ وقت بڑی تباہی کا ہوگا"(19:36،37)

اس بات کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اللہ اپنی کتابوں کی حفاظت کرتا ہے چاہے وہ انجیل ہو، تورات ہو یا قرآن۔ وہ اپنے صحیفوں کو محفوظ رکھتا ہے اور وہ کسی کو اسکا پیغام بگاڑنے کی اجازت نہ دے گا۔ اور وہ لوگ جو اس سچ "بے شک اللہ تمہارا میرا مالک ہے اور تمہارا مالک ہے" کو نہیں سمجھتے اور اس کے مطابق زندگی نہیں گزارتے وہ اللہ کی کتابوں کو اسکی مرضی کے خلاف تشریح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کو اگلی آیت 3:78 میں دیکھا جاسکتا ہے۔

یقیناًان میں ایسا گروہ بھی ہے جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبان مروڑتا ہے تاکہ تم اسے کتاب ہی کی عبارت خیال کرو حالانکہ دراصل وہ کتاب میں سے نہیں، اور یہ کہتے بھی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے حالانکہ در اصل وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں، وہ تو دانستہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں (3:78)

[48] دیکھیں ڈکشنری آف قرآن (عربی-انگلش)۔ لکھاری عبدالمنان، عمرنور فاؤنڈیشن-انٹرنیشنل انشورنس۔ دوسرا پرنٹ جولائی 2004 صفحہ 38۔ [49] "ہرفہ" کے تحت ڈکشنری آف قرآن دیکھیں۔

انہوں نے کتابوں کو اپنی زبان سے بگاڑ دیا، یعنی اس کی غلط تشریح کی، چناچہ اللہ کے خلاف جھوٹ بولا۔ لیکن یہ بذاتِ خود کتابوں پر اثر انداز نہیں ہوتا کیونکہ "یہ کتاب کا کوئی حصہ نہیں"۔ اللہ کے خلاف جھوٹ بولنے کی سنگینی واضح ہونی چاہیے۔ بدقسمتی سے نہ صرف یہودی اور عیسائی بلکہ مسلمان بھی کتابوں کی غلط تشریح کرنے کے مرتکب ہوئے ہیں دراصل قرآن آیت 41:40 میں ان لوگوں کو خبردار کرتا ہے۔

جو لوگ ہماری آیتوں میں کج راہی کرتے ہیں وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ بھلا جو شخص دوزخ میں ڈالا جائے وہ بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن وامان سے آئے۔(تو خیر) جو چاہو سو کرلو۔ جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس کو دیکھ رہا ہے(41:40)

"ہمارے نشان" (آیات) کو پکتھل نے "ہماری وحی" سے تشریح کیا ہے اور شاکر نے "ہمارا رابطہ"۔ یہ تمام تشریحات صحیح ہیں۔ آیت، آیتوں کی جمع ہے جسکا مطلب ہے "نشان، پیغام، ثبوت، معجزہ، رابطہ، قرآن کی آیت اور وحی"[48]

کتابوں کی غلط تشریح کرنے کے متعلق قرآن میں کئی بار لفظ "تحریف" استعمال ہوا ہے اور نئی پبلش شدہ ڈکشنری آف قران کے مطابق اس کی تعریف یوں کی گئی ہے "ایک لفظ یا فقرے کو بدلنا، اضافہ کرنا یا حذف کر کے اس کی غلط تشریح کرنا"[49]۔ لیکن قرآن میں یہ لفظ انجیل کے متعلق استعمال نہیں ہوا۔ یہ لفظ عام طور پر یہودیوں کے متعلق استعمال ہو اہے (41، 5:13، 27:5 دیکھیں) اور آیت 5:13 سے اس کا مطلب واضح ہوتا ہے۔

پھر ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر اپنی لعنت نازل فرمادی اور ان کے دل سخت کردیئے کہ وہ کلام کو اس کی جگہ سے بدل ڈالتے ہیں اور جو کچھ نصیحت انہیں کی گئی تھی اس کا بہت بڑا

حصہ بھلا بیٹھے، ان کی ایک نہ ایک خیانت پر تجھے اطلاع ملتی ہی رہے گی ہاں تھوڑے سے ایسے نہیں بھی ہیں پس تو انہیں معاف کرتا جا اور درگزر کرتا رہ، بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

صفحہ نمبر236

الفاظ کو ان کے صحیح پیرائے میں استعمال نہ کر کے غلط تشریح کرنے کا کیا مطلب ہے؟

یہاں آیت 5:13 میں ان کے خلاف ایک اور سنگین الزام لگایا ہے: "وہ پیغام کا ایک بڑا حصہ بھول گئے"۔ یہ یہودیوں پر تو لاگو ہوتا ہے مگر یہ مسلمانوں پر لاگو نہیں ہوتا کہ ان میں بہت سے لوگ بد قسمتی سے قرآن کو سمجھتے بھی نہیں۔ تو وہ اس کی پیروی کیسے کر سکتے ہیں؟ عیسائیوں پر بھلا دینے کا الزام اگلی آیت میں بھی لگایا گیا ہے۔(5:14)

اور جو اپنے آپ کو نصرانی کہتے ہیں ہم نے ان سے بھی عہد وپیمان لیا، انہوں نے بھی اس کا بڑا حصہ فراموش کر دیا جو انہیں نصیحت کی گئی تھی، تو ہم نے بھی ان کے آپس میں بغض وعداوت ڈال دی جو تاقیامت رہے گی اور جو کچھ یہ کرتے تھے عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں سب بتا دے گا۔

یہاں ان پر الزام تعلیمات کو بگاڑنے کا نہیں بلکہ بہت بڑے حصے کو بھلا دینے کا ہے۔ سچ یہی ہے! کتابوں کے تمام حصے اہمیت کے حامل ہیں اور کسی حصے کو بھلا کر یا نظر انداز کر کے نتائج سے بچا نہیں جا سکتا۔

قرآن کی آیت 9:111 میں اس متعلق فرمایا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے اور مارتے اور مرتے ہیں ان سے (جنت کا وعدہ) اللہ کے ذمے ایک پختہ وعدہ ہے توراۃ اور انجیل اور قرآن میں اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کا پورا کرنے والا ہو؟ پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے خدا سے چکا لیا ہے، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

توجہ کیجئے کہ کیسے "قانون، انجیل اور قرآن" کا ایک ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے اور کیسے ان سب میں "وعدہ ہے جس کو اللہ نے پورا کرنا ہے"۔ان میں سے کسی ایک کے بگڑ جانے پر ایسا ممکن نہیں۔

یہ بات بھی دلچسپی کا باعث ہے کہ کیسے اس آیت کی شروعات میں اللہ کے ایمان والوں کو "خریدنے" کا ذکر ہے۔اس نے ان کی جان اور مال دونوں خرید لیا ہے۔تو اب وہ اللہ کے لیے جیتے اور مرتے ہیں۔اور وہ انہیں ہمیشہ کی زندگی اور جنت کے باغ عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔خریدنے کا حوالہ، عیسیٰؑ کے "تاوان" کے حوالے سے بہت مماثلت رکھتا ہے۔تاوان کسی غلام یا قیدی کو خریدنے کے لیے ادا کیا جاتا ہے۔

آیت 9:111 میں انجیل اور قرآن کا اکٹھا ذکر ہمیں یہ بھی یاد دلاتا ہے کہ جیسے قرآن کو "کتاب" کہا گیا ہے (مثال کے طور پر آیت 41:41 میں "جن لوگوں نے نصیحت کو نہ مانا جب وہ ان کے پاس آئی۔اور یہ تو ایک عالی رتبہ کتاب ہے"۔(41:41))، ایسے ہی موسیٰؑ کے دیے گئے قوانین کو بھی "کتاب" کہا گیا ہے۔"اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تو اس میں اختلاف کیا گیا۔اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے نہ ٹھہر چکی ہوتی تو ان میں فیصلہ کر دیا جاتا۔اور یہ اس (قرآن) سے شک میں الجھ رہے ہیں"۔(41:45)

چناچہ یہی بات عیسیٰؑ کو اللہ کی طرف سے دیے گئے پیغام پر بھی لاگو ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے عیسیٰؑ کو خود تعلیمات سیکھانے کا بھی ذکر کیا ہے۔"اللہ تعالیٰ اسے لکھنا اور حکمت اور توراۃ اور انجیل سکھائے گا"۔(3:48)

اس بات کو آیت 5:110 میں دھرایا گیا ہے اور اسکی تصدیق کی گئی ہے۔

جب خدا (عیسیٰ سے) فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! میرے ان احسانوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کئے جب میں نے روح القدس (یعنی جبرئیل) سے تمہاری مدد کی تم جھولے میں اور جوان ہو کر (ایک ہی نسق پر) لوگوں سے گفتگو کرتے تھے اور جب میں نے تم کو کتاب اور دانائی اور تورات اور انجیل سکھائی اور جب تم میرے حکم سے مٹی کا جانور بنا کر اس میں پھونک مار دیتے تھے تو وہ میرے حکم سے اڑنے لگتا تھا اور مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے چنگا کر دیتے تھے اور مردے کو میرے حکم سے (زندہ کرکے قبر سے) نکال کھڑا کرتے تھے اور جب میں نے بنی اسرائیل (کے ہاتھوں) کو تم سے روک دیا جب تم ان کے پاس کھلے نشان لے کر آئے تو جو ان میں سے کافر تھے کہنے لگے کہ یہ صریح جادو ہے۔(5:110)

یہاں اس پوری آیت کا حوالہ دیا گیا ہے تاکہ اس کے متن کو سمجھ لیا جائے۔ یہ بات قابل ذکر ہے اللہ نے ان کو تمام تعلیمات سیکھانے کا ذکر کیا ہے: "کتاب اور دانائی، قانون اور انجیل"۔

چناچہ عیسیٰؑ کے پاس دانائی اور کتابیں ہیں اور اس کے علاوہ ان کے پاس معجزات بھی ہیں جیسا کہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ سچ سے لگن رکھنے والوں کو اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ یہ سب قرآن میں بیان کیا گیا ہے نہ کہ کسی عیسائی کتاب میں۔ عام طور پر عیسائیت، عیسیٰؑ کے لیے شرمندگی کا باعث ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ان پر نہایت فضل کیا ہے۔

بچے نے کہا کہ میں خدا کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے۔(19:30)

اس مرتبہ یوسف علی کتاب کی "الہام" کے ساتھ تشریح کرتے ہیں جبکہ پکتھل مسلسل "صحیفے" سے اور شاکر "کتاب" سے کرتے ہیں۔ آیت 57:27 میں ہے "ہم نے (عیسیٰؑ) کو انجیل دی"۔ نقطہ یہ ہے کہ قرآن سے مراد چاہے قرآن لیا جائے، تورات یا انجیل۔ یہ سب اللہ کی طرف سے عطا گئی ہیں۔ یہ سب اس کی "کتاب" ہیں اور اس کا پیغام بیان کرتی ہیں۔ آیت 41:43 میں ہے۔

تم سے وہی باتیں کہیں جاتی ہیں جو تم سے پہلے اور پیغمبروں سے کہی گئی تھیں۔ بے شک تمہارا پروردگار بخش دینے والا بھی اور عذاب الیم دینے والا بھی ہے۔(41:43)

اس پر یوسف علی لکھتے ہیں "اللہ کے پیغام کا ہمیشہ یہ خلاصہ ہے اور رہے گا: توبہ کرنے والے گناہ گاروں پر رحم؛ اللہ کے خلاف بغاوت کرنے والوں کے لیے جائز سزا۔(نوٹ 4515)

کیا ہم اس کا مطلب یہ لیں کہ اللہ کی طرف سے بھیجا گیا ہر پیغمبر پہلے بیان کی گئی تعلیمات کو دہرانے کے سوا کچھ نہ کرتے تھے؟ یہ اس حد تک درست ہے کہ ہر نبی کی تعلیمات کا بنیادی نقطہ ایک ہی ہوتا تھا لیکن اس بنیادی نقطے کے علاوہ ہر کتاب وسیع تعلیمات کا احاطہ کرتی تھی اور ان قوانین پر مختلف طریقے سے عمل کیا جاتا تھا۔ روشنی ایک ہی ہے مگر ہر نبی مختلف ہیرے کی طرح ہے جو مختلف روشنی منعکس کرتا ہے اور اللہ کی طرف سے عطا کی گئی روشنی کے مختلف خوبصورت پہلو اجاگر کرتا ہے۔

قرآن، تورات اور انجیل سب اللہ کی طرف سے عطا کی گئی ہیں اور سب اللہ کی کتابیں ہیں۔ تو کیا ہمیں ان سب میں اللہ کے پیغامات کو سمجھنے کو اپنا مقصد نہیں بنانا چاہیے؟ کیا یہ درست نہیں کہ بہت سارے یہودی تورات کا مطلب نہ جانتے اور پیروی نہ کرتے تھے؟ اور کیا یہ درست نہیں کہ بہت کم عیسائی انجیل کی تعلیمات کو جانتے ہیں اور اس سے بھی کم اس پر عمل کرتے ہیں؟ کیا وہ عیسیٰؑ کو، جب وہ دوبارہ آئیں کے دیکھنا پسند کریں گے؟

آیت 41:43 کی طرف واپس جاتے ہوئے "تم سے وہی باتیں کہیں جاتی ہیں جو تم سے پہلے اور پیغمبروں سے کہی گئی تھیں۔ بے شک تمہارا پروردگار بخش دینے والا بھی اور عذاب الیم دینے والا بھی ہے"۔ یہ بات واضح ہے کہ قرآن تورات اور انجیل میں پیغامات کی سختی سے تصدیق کرتا ہے کیونکہ یہ اللہ کے بنیادی پیغام کی دوبارہ تصدیق کرتا ہے۔ یہی بات 3:3-4 میں واضح طور پر کہی گئی ہے۔

> اس نے (اے محمد ﷺ) تم پر سچی کتاب نازل کی جو پہلی (آسمانی) کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اسی نے تورات اور انجیل نازل کی (یعنی) لوگوں کی ہدایت کے لیے پہلے (تورات اور انجیل اتاری)

الگ الگ کر دینے والا (ہے) نازل کیا جو لوگ خدا کی آیتوں کا اور (پھر قرآن جو حق اور باطل کو)
انکار کرتے ہیں ان کو سخت عذاب ہوگا اور خدا زبردست (اور) بدلہ لینے والا ہے۔(3:3-4)

"جو اس سے پہلے نازل کیا گیا" انجیل اور قوانین تھے "جو انسانیت کی رہنمائی" کے لیے بھیجے۔ اللہ نے ان کو "الگ الگ کر دینے والا" (صحیح اور غلط کو پرکھنے کے لیے) بھیجا۔

"الگ الگ کر دینے والا" الفرقان کا ترجمہ ہے جو کہ فاراقا سے اخذ کیا گیا ہے اور اس کا مطلب "الگ کرنا، فرق کرنا، تقسیم کرنا، فیصلہ کرنا اور توڑنا" ہے۔ الفرقان کا مطلب صحیح اور غلط کے درمیان تفریق کرنا ہے۔[50] الفرقان کافی بحث ومباحثے کی وجہ ہے۔ ایک قوی وجہ کہ الفرقان کو قرآن، تورات اور انجیل کی طرف حوالہ کرنے والا کیوں سمجھا جاتا ہے، "اللہ نے بھیجا" کو تین مرتبہ دہرایا ہے۔

پہلی مرتبہ قرآن کی طرف حوالہ۔ دوسری مرتبہ تورات اور انجیل کی طرف اور تیسری مرتبہ الفرقان کی طرف۔

الفرقان کا جمع ہونے کی بجائے واحد ہونا اس چیز کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ان تمام کتابوں کا پیغام ایک ہی تھا۔ یہی وجہ ہے ان تینوں کو قرآن میں "کتاب" کہا گیا ہے۔

اس کی اس حقیقت سے بھی تصدیق ہوتی ہے کہ آیت 21:48 میں الفرقان تورات کے لیے استعمال ہوا ہے۔ "یہ بالکل سچ ہے کہ ہم نے موسیٰ وہارون کو فیصلے کرنے والی نورانی اور پرہیزگاروں کے لئے وعظ و نصیحت والی کتاب عطا فرمائی" (21:48)۔ جبکہ (25:1) میں یہ قرآن کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ "یہ بالکل سچ ہے کہ ہم نے موسیٰ وہارون کو فیصلے کرنے والی نورانی اور پرہیزگاروں کے لئے وعظ ونصیحت والی کتاب عطا فرمائی" (25:1) سورۃ 25 کا نام اسی آیت سے ہے اور "الفرقان" ہے۔ اس سورۃ کی آیت 35 میں موسیٰ اور ہارون کا تورات کے حوالے سے دوبارہ تذکرہ کیا گیا ہے۔

اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کی محافظ ہے۔اس لئے آپ ان کے آپس کے معاملات میں اسی اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے ساتھ حکم کیجیئے، اس حق سے ہٹ کر ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ جایئے تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کردی ہے۔اگر منظور مولیٰ ہوتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا، لیکن اس کی چاہت ہے کہ جو تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزمائے، تم نیکیوں کی طرف جلدی کرو، تم سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے، پھر وہ تمہیں ہر وہ چیز بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو۔(5:48)

---

[50] تمام اصلاحات ڈکشنری آف قرآن سے ہیں۔

صفحہ نمبر 241

آیت 5:44-49 کی یہ حصہ دوبارہ تورات (5:44-45)، انجیل (5:46-47) اور قرآن (5:48-49) کو ایک ساتھ بیان کرتا ہے۔

"اس سے پہلے آنے والے صحیفوں کی تصدیق کرتا ہے": "تصدیق کرتا ہے" لفظِ صَدَقَ سے اخذ ہوا ہے اور ڈکشنری آف ہولی قرآن میں اسکی تعریف "سچا، مخلص، سچ بولنا، جو دوسرے نے کہا اسکی تصدیق کرنے والا اور تصدیق کرنے والا"۔ اسی ڈکشنری میں َصدَقَ کے تحت مندرجہ تعریف آتی ہے "تصدیق اور پچھلے صحیفوں کو پورا کرنے والا۔۔

اور یہ تصدیق کرنے والا کہ ان کتابوں کی تعلیمات سچی تھیں اور پیغمبر اور ان کی شروعات سچی ہیں"[51]۔

"اسکی حفاظت کرنے پر" یوسف علی نے لکھا ہے،

قرآن کے دو مقاصد ہیں: (1) سچے اور اصل پیغام کی تصدیق کرنا۔ (2) اسکی حفاظت کرنا یا اس کی تشریح کی حفاظت کرنا۔ عربی لفظ "مھیمن" کے معنی بہت وسیع ہیں۔ اس کا مطلب ہے حفاظت کرنے والا، گواہی دینے والا یا محفوظ کرنے والا۔ (نوٹ 759)

لیکن توجہ کریں کہ یوسف علی نے ایک چھوٹی مگر اہم تبدیلی کر دی ہے۔ بدقسمتی سے یہی لکھاریوں کی غلطی ہے جو وہ ایک خاص نقطہ نظر ہونے کی بنا پر کرتے ہیں۔ انہوں نے کیا تبدیلی کی ہے؟ قرآن کیا کہتا ہے؟ کیا یہ واضح ہے کہ قرآن کا مقصد "صحیفوں کی تصدیق" ہے[52]؟

[51] ڈکشنری آف قرآن (عربی-انگلش) عبدالمنان، عمر، نور فاؤنڈیشن انٹرنیشنل کارپوریشن، دوسرا پرنٹ، جولائی 2004، صفحہ 310 ایف۔

[52] غور کریں کہ یوسف علی نے اپنی تشریح میں چھوٹا "s" استعمال کیا ہے۔ بڑا "S" قرآن کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ تمام صحیفے اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں تو ایک کے لیے بڑا "S" اور باقیوں کے لیے چھوٹا کیوں؟ یہ چھوٹی مگر اہم تبدیلیاں کیوں؟

قرآن میں واضح بیان کیا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے "اس سے پہلے صحیفوں کی تصدیق" کے لیے بھیجا گیا تھا۔ لیکن یوسف علی کیا لکھتے ہیں؟ وہ لکھتے ہیں "سچے اور اصل پیغام کی تصدیق کے لیے"۔ وہ اس بات سے کیا کہنا چاہتے ہیں؟ کیا وہ یہ اشارہ نہیں دیتے کہ "صحیفے" اور "سچا اور اصل پیغام" دو علیحدہ چیزیں ہیں۔ دراصل وہ صرف اشارہ نہیں دیتے وہ اپنے نوٹ کے شروع میں واضح طور پر بیان کرتے ہیں اور "پرانی تعلیمات میں بگاڑ" کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ مگر وہ اس سنگین الزام کو ثابت کرنے کے لیے کسی قرآنی آیت کا حوالہ نہیں دیتے۔ بلاشبہ اگر وہ چاہتے بھی تو ایسی کسی آیت کا حوالہ نہیں دے سکتے تھے۔

قرآن کی بنیاد کے بغیر ایسے الزامات ہی پریشانی کا باعث ہیں۔ اور یوسف علی ایسی غلطی کرنے والے واحد لکھاری نہیں۔ یہ ایک عام پھیلی بیماری کی شکل اختیار کر چکی ہے اور یہ عقیدے کی صحت اور اقلیت کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے۔

اگر "اصل اور سچے پیغام" کی کیسے تصدیق کی جا سکتی ہے اگر وہ پیغام موجود ہی نہیں اور بگاڑ دیا گیا ہے۔ کسی چیز کی تصدیق کرنا اس کے سچا ہونے کی گواہی دینا ہے، لیکن اگر اس چیز کا سچ بگاڑ دیا گیا ہو تو اس کی تصدیق کرنا اسکے جھوٹ سے متفق ہونے جیسا ہے۔ ہم اس کو دونوں طرف سے سچ ثابت نہیں کر سکتے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ قرآن "صحیفوں" کی تصدیق کرتا ہے اور یہ صحیفے بگاڑ بھی دیے گئے ہیں۔ لیکن ایسے مفکر بھی ہیں جو اس چیز کا درس دیتے ہیں اور وہ بظاہر اس منطق کے عقلی پہلو سے بے خبر نظر آتے ہیں۔

زیادہ پریشان کن بات ہے کہ وہ قرآنی بنیاد کے بغیر اسی چیز پر زور دیتے ہیں۔ ان کی روایتی پوزیشن (جو کہ عیسائیوں کے خلاف ہے) اللہ کے الفاظ سے زیادہ اہم ہے۔ چناچہ یہ عالم قرآن کی غلط تشریح کرنے کے مرتکب ہیں جیسے یہودیوں نے تورات اور عیسائیوں نے انجیل کی غلط تشریح کی۔

وہ جو چاہتے ہیں لے لیتے ہیں اور جو ان کی خاص مقصد کی تکمیل میں استعمال نہیں ہو سکتا اس کو رد کر دیتے ہیں اور یا توڑ موڑ دیتے ہیں۔ کیا اللہ کے الفاظ کے ساتھ اس طرح کا سلوک نہایت جہالت نہیں؟

اگر تورات اور انجیل کا بگڑنا سچ ہوتا تو ہم قرآن میں، قرآن کا ان صحیفوں کی جگہ آنے کے متعلق پڑھتے نہ کہ قرآن کا ان صحیفوں کی تصدیق کرنے کے بارے میں۔

کہ اگر پہلے صحیفے بگاڑ دیے گئے ہیں تو وہ بے فائدہ بن گئے ہیں اور ان کی جگہ نئے صحیفوں کو آنا چاہیے۔ کیا ہمارے تعصب اور تکبر نے ہمیں اتنا اندھا کر دیا ہے کہ ہم قرآن میں بیان کیے گئے سادہ سچ کو نہیں سمجھتے۔

"تصدیق" کرنا "حفاظت" کرنے جیسا ہی ہے۔ کسی گھر کی حفاظت کرنے کا کیا فائدہ ہے اگر اس کو پہلے ہی لوٹا جا چکا ہو؟

حفاظت لوٹا جانے سے پہلے ہونی چاہیے نہ کہ بعد میں۔ اسی طرح ایک صحیفے کی حفاظت کیسے ہو سکتی ہے اگر اس کو پہلے ہی بگاڑ دیا گیا ہے؟ یوسف علی کے نوٹ "کہ قرآن اپنے اندر پچھلے تمام صحیفوں کو محفوظ کئے ہوئے ہے" کو اگر سچ مان بھی لیا جائے تو یہ منطقی طور پر کارآمد نہیں۔ نقطہ یہ ہے کہ قرآن کہتا ہے کہ یہ پچھلے صحیفوں کی حفاظت کے لیے بھیجا گیا تھا۔ لیکن یہ کہیں بھی نہیں لکھا کہ پچھلے صحیفے اس میں شامل ہیں۔ یہ بات نہایت افسوس کا باعث ہے کہ ہم کیسے بے دلی سے قرآن کی ایسی تشریح کرتے ہیں جو اس کے مطابق نہیں۔

اس کے علاوہ کوئی بھی جس نے "صحیفے جو پہلے آئے" کو پڑھا ہو تو وہ یہی سوچ سکتا ہے کہ کیا یوسف علی جیسی بات "پچھلے صحیفے قرآن میں محفوظ ہیں" کہنے والوں نے پچھلے صحیفوں کو پڑھا بھی ہے؟ ان کا اس بات سے کیا مطلب ہے؟ ان کا "تعلیمات" سے کیا مطلب ہے؟ یقیناً اللہ کی تمام کتابوں کا ایک ہی پیغام ہے۔

لیکن کوئی کیسے کہہ سکتا ہے کہ ایک کتاب کی تمام تعلیمات دوسری کتاب میں موجود ہیں؟ اگر ہم تورات اور انجیل کی تعلیمات کی بات کر رہے ہیں تو وہ ایک دوسرے سے اور قرآن سے کئی اہم پہلوؤں میں نہایت مختلف ہیں۔ یہ سب تعلیمات مختلف ہونے کے باوجود نہایت اہم ہیں۔ اللہ کی تمام تعلیمات اس کی طرف سے روشنی کی طرح ہیں۔ لیکن یہ روشنی ایک جیسی نہیں ہے اور مختلف طریقے سے منعکس ہوتی ہے۔ چناچہ تورات اور انجیل میں بیان کی گئی تعلیمات قرآن میں مکمل طور پر موجود نہیں جیسا کہ ان کتابوں کو پڑھ کر پتہ لگ سکتا ہے۔ اور ان کتابوں کی تعلیمات کو قرآن میں اکٹھا کرنا ممکن بھی نہیں ہے کیونکہ اس طرح ایک بہت بڑی کتاب وجود میں آجائے گی۔ لیکن قرآن کے تحت یہ ضروری نہیں۔ کیونکہ قرآن اللہ کی طرف سے بھیجے گئے صحیفوں کی تصدیق کرتا ہے چناچہ ہم ان کو خود پڑھ سکتے ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے عالم نہیں چاہتے کہ ہم پچھلے صحیفوں کا مطالعہ کریں۔ شاید انہیں خوف ہے کہ ہم گمراہ ہو جائیں گے۔ چناچہ ہم اس بات پر مجبور ہیں کہ ہم ان سے پوچھیں کہ ان کا قرآن پر یقین ہے کہ نہیں۔ اور کیا وہ قرآن کی پچھلے صحیفوں کی تصدیق کرنے پر بھی ایمان رکھتے ہیں؟

ان کی تحریر پڑھ کر لگتا ہے کہ وہ نہیں رکھتے۔ چناچہ ان کے اور قرآن کے پچھلے صحیفوں پر نقطہ نظر میں فرق ہے۔ قرآن پر عالموں کی طرح روایات اور اصولوں کا بوجھ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالم قرآن کی آیات کی اپنی طرف سے تشریح کرتے ہیں۔ کیا ہمیں اللہ کے سامنے سرنگوں نہیں ہونا چاہیے؟ یا ہمیں اللہ کے الفاظ کو ہمارے خیالات کو سچ ثابت کر نے کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کرنی چاہیے؟ کیا عیسائی اسی چیز کے مرتکب نہیں؟ اور ہم یہی عمل کر کے سیدھے راستے پر چلنے والے اور ان سے برتر محسوس کرتے ہیں۔ ہم قیامت کے دن اللہ کو کیا جواب دیں گے؟ قرآن کی پچھلے صحیفوں کی تصدیق کا کئی مرتبہ تذکرہ آیا ہے اور یہ صرف ایک یا دو آیات میں نہیں۔

ان آیات کا مطالعہ کرنے پر "تصدیق" کا مطلب واضح ہو جاتا ہے۔ان کو دیکھتے ہوئے یہ نہایت واضح ہو جاتا ہے کہ "تصدیق" کا مطلب "ختم کرنا"، "متبادل" یا "فالتو" کبھی نہیں ہو سکتا۔بلکہ یہ تو اس کے متضاد ہیں۔یہ اتنی زیادہ آیات میں آیا ہے کہ سب کا یہاں احاطہ کرنا ممکن نہیں۔سورۃ البقرہ میں آیت، 101، 97، 41، 89، 91 میں اسی چیز کا تذکرہ آیا ہے۔ہم 3:3 پہلے ہی مطالعہ کر چکے ہیں لیکن 3:81 اور 4:47 میں بھی یہی ہے۔آیت 5:46 میں ہم دیکھتے ہیں کہ جیسے قرآن پہلے صحیفوں کی تصدیق کرتا ہے، عیسیٰؑ کی انجیل تورات کی تصدیق کرتی تھی۔

> پھر ہم نے ان پیغمبروں کے بعد مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ کو بھیجا توراۃ میں سے جو کچھ اس کے سامنے موجود تھا وہ اس کی تصدیق کرنے والا تھا اور ہم نے اس کو انجیل عطا کی جس میں رہنمائی اور روشنی تھی اور وہ بھی توراۃ میں سے جو کچھ اُس وقت موجود تھا اُس کی تصدیق کرنے والی تھی اور خدا ترس لوگوں کے لیے سراسر ہدایت اور نصیحت تھی۔(5:46)

عیسیٰؑ نے قرآن کے الفاظ کی تصدیق کی جب انہوں نے کہا "یہ نہ سمجھو کہ میں موسیٰ کی کتاب شریعت اور نبیوں کی تعلیمات کو منسوخ یا بیکار کرنے کیلئے آیا ہوں میں ان کو منسوخ کرنے کے بجائے ان کو پورا کرنے کیلئے آیا ہوں"۔(متی 5:17)

قرآن تورات کی بھی تصدیق کرتا ہے۔46:12

> اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب تھی (لوگوں کے لئے) رہنما اور رحمت۔اور یہ کتاب عربی زبان میں ہے اسی کی تصدیق کرنے والی تاکہ ظالموں کو ڈرائے۔اور نیکوکاروں کو خوشخبری سنائے۔(46:12)

46:30 بھی دیکھیں۔

اور آیت جن میں تصدیق کرنے کا تذکرہ آیا ہے 37:37، 28:34، 12:14، 10:37، 6:92 اور 35:31 ہیں۔

اے نبیؐ) جو کتاب ہم نے تمہاری طرف وحی کے ذریعہ سے بھیجی ہے وہی حق ہے، تصدیق کرتی) ہوئی آئی ہے اُن کتابوں کی جو اِس سے پہلے آئی تھیں بے شک اللہ اپنے بندوں کے حال سے باخبر ہے اور ہر چیز پر نگاہ رکھنے والا ہے۔(35:31)

ان تمام آیات سے قرآن کا "تصدیق" کرنے کا مطلب واضح ہو جانا چاہیے۔

عیسیٰؑ، روح اللہ

قرآن میں 28 انبیاء کا نام لے کر تذکرہ کیا گیا ہے جبکہ صرف 6 کو القابات سے نوازا گیا ہے۔ آدم (سفی اللہ)، نوح (نبی اللہ)، ابراھیم (خلیل اللہ)، موسیٰ (کلیم اللہ)، عیسیٰؑ (روح اللہ)، محمد ﷺ (رسول اللہ)۔

اس فہرست کی طرف دیکھنے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ اس فہرست میں کچھ خفیہ معنی ہے۔ اسی طرح جو قرآن کو سمجھتا ہو (اسکا معنی نہ صرف اسکے الفاظ) دیکھ سکتا ہے کہ اس میں کچھ اشکار کیا گیا ہے۔ صرف اس حقیقت سے پتہ نہیں چلتا کہ عیسیٰؑ کا نام اس فہرست میں شامل ہے تو وہ یقیناً اللہ کے پیغمبر ہیں، بلکہ قرآن میں دوسرے انبیاء کے لیے استعمال کیے گئے خطابات کو عیسیٰؑ کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر موسیٰ کو "کلیم اللہ" کہا جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ عیسیٰؑ کے ساتھ بھی کلام کرتے تھے۔ (5:114-115، 5:116-118)۔ آپ ﷺ کو "رسول" کا خطاب دیا گیا ہے اور قرآن میں عیسیٰؑ کے لیے 10 سے زیادہ بار استعمال ہوا ہے۔

لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ عیسیٰؑ کو روح اللہ کہا جاتا ہے۔ یہ اہم کیوں ہے؟ سادہ حقیقت ہے کہ "روح اللہ" قرآن میں کسی اور انسان کے لیے استعمال نہیں ہوا ہے۔

قرآن میں موجود الفاظ کا قرآن کے مطابق ترجمہ کیا جانا چاہیے نہ کہ اپنی مرضی کے مطابق۔ "روح" کا قرآن میں استعمال کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ (1)۔ اس کو عیسیٰؑ کے حوالے سے استعمال کیا گیا ہے۔ (2)۔ اس کو آدمؑ اور ان میں پھونکی جانے والی روح اور ان کو انسان بنانے کے حوالے سے استعمال کیا گیا ہے۔ (3)۔ اس کو اللہ سے الہام کے طور پر بھی استعمال کیا گیا ہے مثلاً جو قرآن میں اللہ کا پیغام ہے یہ جو انبیاء کی ذریعے سے دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب اللہ کے "الفاظ" کے بہت قریب ہے۔ (کلیمہٗ، عیسیٰؑ کے لیے بھی یہ استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ (4:169/171 میں دیکھ سکتے ہیں)۔

(4)۔ آخر میں "روح" کو فرشتوں اور جبرائیل کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔[50] لیکن یہ کبھی بھی کسی انسان کے لیے استعمال نہیں ہوا ہے۔ اس حقیقت کی کیا اہمیت ہے کہ تمام انبیاء میں سے "روح اللہ" صرف عیسیٰؑ کے لیے استعمال ہوا ہے؟

ہم صرف اللہ سے اسکا مطلب اشکار کرنے کی درخواست کر سکتے ہیں۔

[53]"روح" پر دیکھیں ڈکشنری آف قرآن (عربی-انگلش) عبدالمنان، عمر، نور فاؤنڈیشن انٹرنیشنل کارپوریشن۔2 جولائی پرنٹ، 2004، پی 255۔

عیسٰیؑ اور محمد ﷺ

ہم صحیح مسلم کی حدیث نمبر 43 میں دیکھتے ہیں

عبیدہ بن سمت آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں، محمد ﷺ اس کے بندے اور پیغمبر ہیں، عیسٰیؑ اس کے بندے اور اس کی بندی کے بیٹے ہیں اور اس نے اپنا پیغام اپنی روح مریم تک پہنچایا۔ جنت ایک حقیقت ہے اور جہنم ایک حقیقت ہے اللہ اس (اس کے سچ کی تصدیق کرنے والوں) کو جنت کے آٹھوں دروازے میں سے جس سے چاہے گا داخل ہونے کو کہے گا"۔

آپ ﷺ کی یہ حدیث صحیح بخاری (4:644) اور نواوی (51CH؛413) میں بھی پائی جاتی ہے۔ کیا اس اہم بیان کو مسلمان نہیں جھٹلاتے؟ پہلے حصے پر زور دیا جاتا ہے جبکہ دوسرے حصے کو رد کر دیا جاتا ہے۔ کیا آپ ﷺ کے اس بیان کو رد کیا جا سکتا ہے؟ اگر آپؑ پر ایمان لائے بغیر کوئی جنت میں جا سکتا ہے تو عیسٰیؑ کا تذکرہ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اس کے علاوہ قرآن "اللہ سے ڈرو اور میری (عیسٰیؑ) اطاعت کرو" کا بھی مطالبہ کرتا ہے۔ (43:63)۔ پھر بھی قرآن میں عیسٰیؑ کے متعلق تعلیمات ہونے کے باوجود اور آپ ﷺ کے الفاظ کے باوجود ایمان کا اظہار عیسٰیؑ کو شامل کیے بغیر کیا جاتا ہے۔

آپ ﷺ نے عیسیٰؑ سے قربت کا اظہار کیا۔[50] اور قرآن عیسائیوں کا ایمان والوں (مسلمانوں) کے قریب ہونے کا ذکر کرتا ہے۔(مسلم، 5:82)۔آج کل کے مسلمانوں کا نقطہ نظر کچھ اور ہے۔ کیا عیسائی آج بھی ہمارے قریب ہیں؟ اگر اس سوال کا جواب نہیں ہے تو کیا قرآن کے الفاظ درست نہیں؟ اور کم از کم وہ اس طرح سچے نہیں رہے جیسے وہ آپ ﷺ کے زمانے میں سچے تھے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ اب سچے نہیں رہے تو اسکا مطلب یہ ہو گا کہ قرآن کے الفاظ مستقل نہیں رہے اور وہ ہر چیز کی طرح تبدیل ہو سکتے ہیں۔ جواب کے "ہاں" یا "نا" ہونے کا انحصار اس چیز پر ہے کہ 'عیسائی' سے کیا مراد ہے۔ ہر زمانے میں عیسیٰؑ کے سچے پیروکار ہیں لیکن وہ عام طور پر اقلیت میں ہوتے ہیں۔ چناچہ جب قرآن "عیسائیوں" کے مسلمانوں کے قریب ہونے کا تذکرہ کرتا ہے تو اس سے مراد عیسیٰؑ کے سچے پیروکار ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو "مسلمان" کہنے سے نہیں گھبراتے کیونکہ وہ اپنے آپ کو کامل طور پر خدائیت کے حوالے کرتے ہیں۔ یہی عیسیٰؑ کے سچے شاگردوں پر لاگو ہوتا ہے جو اللہ کی مرضی کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لیتے ہیں۔

چناچہ قرآن کے الفاظ آج تک سچے ہیں۔

---

[54] والیوم 4، کتاب 55، نمبر 651: ابوہریرہ آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "میں ابنِ مریم کے سب لوگوں سے زیادہ قریب ہوں اور تمام پیغمبر بھائی ہیں اور ان کے اور میرے درمیان کوئی رسول نہیں۔

سورۃ التوبہ کا مطالعہ 9:31

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے اور مریم کے بیٹے مسیح کو حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔(9:31)

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ درستگی کے لیے یہاں "شریک" کی ترجمانی کی جارہی ہے نہ کہ تشریح۔ عربی زبان میں لفظ "من دون" استعمال ہوا ہے جس کا مطلب ہے "کہ علاوہ"۔[55] اوراس آیت کی تشریح کی جاسکتی ہے کہ "کہ وہ اپنے ربی، عابد، مسیح اور ابنِ مریم کو اللہ کے سوا خدا مانتے ہیں"[56]۔ 6:51 میں بھی یہی اصطلاح استعمال ہوئی ہے اور پکتھل اس کی ایسے تشریح کرتے ہیں "جن کے لیے اللہ کے سوا کوئی سفارش یا حفاظت کرنے والا نہیں"۔ اور شاکر "ان کا اللہ کے سوا کوئی رکھوالا یا سفارش کرنے والا نہیں" سے کرتے ہیں۔ لیکن یوسف علی لکھتے ہیں "اللہ کے سوا ان کا کوئی محافظ یا مشفیع نہیں"۔ آیت 9:31 میں "اللہ کے سوا" کا مطلب اس آیت کے دو آخری لفظوں سے واضح ہو جا تا ہے: یہودی اور عیسائی مذکور لوگوں کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔

---

[55] قرآن کے الفاظ ترتیب دیے گئے ہیں۔ ڈاکٹر عبداللہ ندوی، اقراء انٹر نیشل ایجو کیشنل فاؤنڈیشن، تیسرا پرنٹ، 1996، پی۔ 165۔

[56] یہ ایم۔اے۔ایس عبدالحلیم کی طرف ترجمہ کیا گیا ہے۔دی قرآن آکسفورڈ یونیورسٹی، پریس 2004۔

صفحہ نمبر 252

توجہ دیں کہ یوسف علی احبار[57] کا ترجمہ "ربی" کی بجائے "پادری" سے کرتے ہیں۔ "ربی" یہودیوں کے لیے استعمال ہوا ہے اور "پادری" عیسائیوں کے لیے۔ کیونکہ پچھلی آیت (9:30) یہودیوں کی طرف اشارہ کرتی ہے تو اس کی تشریح "ربی" سے ہونی چاہیے نہ کہ "پادری" سے۔

اس کے علاوہ لفظ جس کی یوسف علی نے "گوشہ نشین" سے تشریح کی ہے کہ متعلق وہ مندرجہ ذیل وضاحت بیان کرتے ہیں۔

"رھبان، عابد، زاہد، گوشہ نشین، وہ لوگ جنہوں نے دنیا سے تعلق توڑ دیا، ایک کنوار اہل کلیسا، یہ اصطلاح خانقاہی طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد پر بھی لاگو ہو سکتی ہے، جہاں ان کے پاس خدائی طاقت ہونا تسلیم کیا جاتا ہو اور رومن کیتھولک چرچ کی طرح ان کی عبادت کی جاتی ہو"۔ (نوٹ 1286)

اگر یہاں یوسف علی یہ اشارہ دیتے ہیں کہ رومن کیتھولک چرچ نے انہیں خدا میں بدل دیا تو یہ غلط ہے۔ اگر ان کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو ان سے خدا جیسی محبت ہے تو بھی سچ کو واضح کرنے کے لیے یہ بیان کرنا چاہیے کہ چرچ اس چیز کی اجازت نہیں دیتا۔

اس کے علاوہ یوسف علی کی رھبان کی تشریح پڑھ کر کوئی یہ نہ سمجھ سکے گا کہ کوئی اتنا بیوقوف کیسے ہو گا کہ ایسے لوگوں کو یہ مرتبہ دے یا انہیں خدا کا شریک بنائے۔ اس سلسلے میں وکیبلری آف ہولی قرآن میں بیان کی گئی وضاحت مددگار ہے۔

54"اھبار عالم لوگ (یہودیوں میں) ڈکشنری آف قرآن (عربی-انگلش)، عبدالمنان، عمر، نور فاؤنڈیشن-انٹرنیشنل انشورنس، دوسرا پرنٹ، جولائی 2004، پی۔122 ہو بارہ کے تحت۔

"عیسائی زاہد تیسری صدی عیسوی میں پائے جاتے تھے۔ وہ سچے عیسائی سمجھے جاتے تھے اور ان کی اسی حیثیت سے عزت کی جاتی تھی"۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی یہودی یا عیسائی آیت 9:31 میں موجود الفاظ کو پڑھے تو وہ کہے گا کہ یہ غلط ہے کیونکہ یہودی توحید پرست ہونے کی وجہ سے ربی کی عبادت نہیں کر سکتے۔ نہ ہی عیسائی، پادریوں یا زاہدوں کی خدا کی طرح عبادت کر سکتے ہیں۔ وہ ان کی عزت تو کر سکتے ہیں مگر وہ یقیناً بطورِ خدا ان کی عبادت نہیں کر سکتے۔ ان میں کچھ لوگ پادریوں کو "میرے آقا" جیسے خطاب سے مخاطب کر سکتے ہیں مگر اس چیز کا عبادت سے کوئی تعلق نہیں۔ مثال کے طور پر انگلینڈ میں "ہاؤس آف لارڈز" ہوتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ خداؤں کا گھر ہے۔ یہ معزز افراد ہوتے ہیں جن کو خطابات سے نوازا جاتا ہے۔ اور عیسیٰؑ کے متعلق، عیسائی خدا کے ساتھ عیسیٰؑ کی عبادت نہیں کرتے بلکہ تثلیت میں انسان کی صورت میں خدا کی عبادت کرتے ہیں۔

چنانچہ نہ عیسائی اور نہ ہی یہودی ان الفاظ کو اپنے اوپر لاگو سمجھیں گے۔ تو کیا قرآن میں بیان غلط ہے؟ حتٰی کہ اگر ہم انسانی نقطہ نظر سے بھی دیکھیں تو اس حقیقت کو مد نظر رکھتے ہوئے غلط نہیں ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے اور اس سے پہلے یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں یہ عام خیال تھا۔ چنانچہ ان کو اتنی غلط معلومات نہیں دی گئی ہو گی۔ اور قرآن جو اللہ کی طرف سے بھیجا گیا کے حوالے سے کوئی غلطی نہیں ہو سکتی۔ تو اس آیت میں کیا پیغام دیا گیا ہے؟ شاید یہودیوں اور عیسائیوں کی اس آیت کو سمجھنے میں مدد کرنے کے لیے حیران کن طور پر پال کی وضاحت کی طرف جانا ہو گا۔ رومیوں کی طرف اپنے خط میں وہ انسانوں کی اپنے مالک کے سوا مخلوق کی عبادت کرنے،

[58] وکیبلری آف ہولی قرآن، ڈاکٹر عبداللہ عباس، ندوی اقراء انٹرنیشنل ایجوکیشنل فاؤنڈیشن، تیسرا پرنٹ،

1996۔پی۔235

خالق اور مخلوق کے درمیان فرق کو جان بوجھ کر نظر انداز کرنے اور خدا کی تعظیم دینے کی بجائے مخلوق کو تعظیم دینے پر ملامت کرتے ہیں۔یہ پال کی لکھائی کا حصہ ہے:

" اس کی ا ن دیکھی صفتیں یعنی اس کی ازلی قدرت اور اس کی الوہیت دنیا کی پیدائش کے وقت سے بنائی ہوئی چیزوں سے معلوم ہوکر صاف نظر آتی ہیں۔اس لئے لوگوں کے پاس کو ئی بہانا نہیں رہا۔ اگر چہ انہوں نے خدا کو جان تو لیاہے لیکن اس کی خدا ئی کے لا ئق تمجید اور شکر گذاری نہ کی بلکہ وہ ایسے خیالات میں باطل ہو گئے اور ان کے بے وقوف دلوں پر اندھیرا چھا گیا۔ اگر چہ وہ عقلمند ہو نے کا دعویٰ کرکے بے وقوف بن گئے۔ اور غیر فانی خدا کے جلا ل کو فانی انسانوں پرندوں، چوپایوں اور رینگنے والے جانوروں سے ملتی جلتی صورتوں میں انہوں نے بدل ڈا لا"۔ (رومنز 23 -1:20)

یہاں پال بت پرستی اور کئی خداؤں کو عبادت کی شروعات کو بیان کرتے ہیں۔انسان اپنی بیوقوفی کے باعث اپنے خالق کی عبادت سے ہٹ کر جھوٹے خداؤں کی عبادت میں لگ گیا جو کہ خود اس نے بنائے تھے! قصہ مختصر" انہوں نے انکے جھوٹ کے ساتھ خدا کی سچائی کو تبدیل کر ڈا لا۔اور مخلو قات کی زیادہ پرستش اور عبادت کی بہ نسبت اس خالق کے جو ابد تک محمود ہے۔آمین(رومنز 1:25)

کیا خالق اور مخلوق کے درمیان فرق نہ کرنے کی قاتل غلطی اور نتیجتاً اور ان کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرنا اور مخلوق کی وہ تعظیم دینا جو کہ صرف خالق کے لیے ہونی چاہیے، یہی 9:31 کا بنیادی نقطہ نہیں؟

تو یہودیوں اور عیسائیوں کا، رہبوں اور پادریوں کے سامنے جھکنے سے انکار کیا کا کیا مطلب اخذ کیا جائے ؟ وہ یہ کہیں کہ وہ ان لوگوں کے سامنے بطورِ تعظیم جھکتے ہیں نہ کہ عبادت کرنے کے لیے۔ لیکن صرف جھکنے کے علاوہ بھی اور بہت سے اہم طریقے ہیں جن کے باعث خالق ور مخلوق کے درمیان فرق کی خلاف ورزی کی جاسکتی ہے۔ پال نے کہا ہم "جس کی اطاعت کرتے ہیں اس کے غلام ہیں"۔ جب ہم اپنی انسانی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں تو کیا ہم خدا کے راست باز حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے ؟ اور کیا ہم مخلوق کو خالق پر ترجیح نہیں دیتے ؟

حتیٰ کہ مذہبی طور پر بھی جب ہم کتابوں اور صحیفوں میں دیے گئے احکامات کی بجائے بندوں کے الفاظ کو اہمیت دیتے ہیں تو کیا ہم بندوں کو خدا سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے؟ یہی چیز ہے جس کی عیسیٰؑ، عیسائیوں کو کرنے پر ملامت کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی روایات کو خدا کے لفظ سے اہم جانا۔ یہی مارک 9-7:7 میں کہا گیا ہے۔

" اور میری عبا دت کر تے ہیں کوئی فائدہ نہیں ہے بیکار ہے کیونکہ وہ انسانی اصول ہی کی یہ تعلیم دیتے ہیں۔ اس نے کہا تم نے خدا کے حکم کو رد کیا۔لیکن لو گوں کی تعلیمات کی پیر وی کر رہے ہو۔ تب یسوع نے ان سے کہا، ''بڑی چالا کی سے خداوند کے احکامات کا انکار کرتے ہو اور اپنی تعلیمات کی تعمیل کر تے ہو"۔(مرقس9 -7:7)

چرچ کی تاریخ میں عیسائی یہی عمل کرتے رہے ہیں۔ چرچ کی طرف سے بنائے گئے اصول کتابوں سے ثابت نہ ہو نے کے باوجود بھی ان کی طرف سے سچ مانے جاتے تھے اور تسلیم کیے جاتے تھے۔ ان اصولوں کی کتابوں سے تصدیق نہ ہونے کے باعث کچھ عیسائیوں نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور وہ "ملحد" کہلائے جانے لگے۔ انسانوں کے بنائے اصول نہ صرف خدا کے لفظ کے برابر تھے بلکہ اس کے الفاظ سے بہتر بھی تھے کیونکہ خدا کے الفاظ کی تشریح ان کے اصولوں کے مطابق ہو سکتی تھی اور خدا کے الفاظ کو سمجھنے کے لیے کوئی اور طریقہ جو چرچ کی اکثریت سے مطابقت نہ رکھتا تھا، قابل سزا جرم تھا۔ ہم پہلے ہی نیس ٹوریئس کا مثال کے طور پر تذکرہ کر چکے ہیں۔

لیکن کیا ہم سیدھے راستے پر ہونے پر یقین رکھنے کی جرأت کر سکتے ہیں اور مطمئن ہو سکتے ہیں؟ کیا ہمیں یقین ہے کہ ہم انہی اصولوں اور طریقوں کے مرتکب نہیں؟ طریقے اور اصول جو قرآن میں نہیں پائے جاتے۔